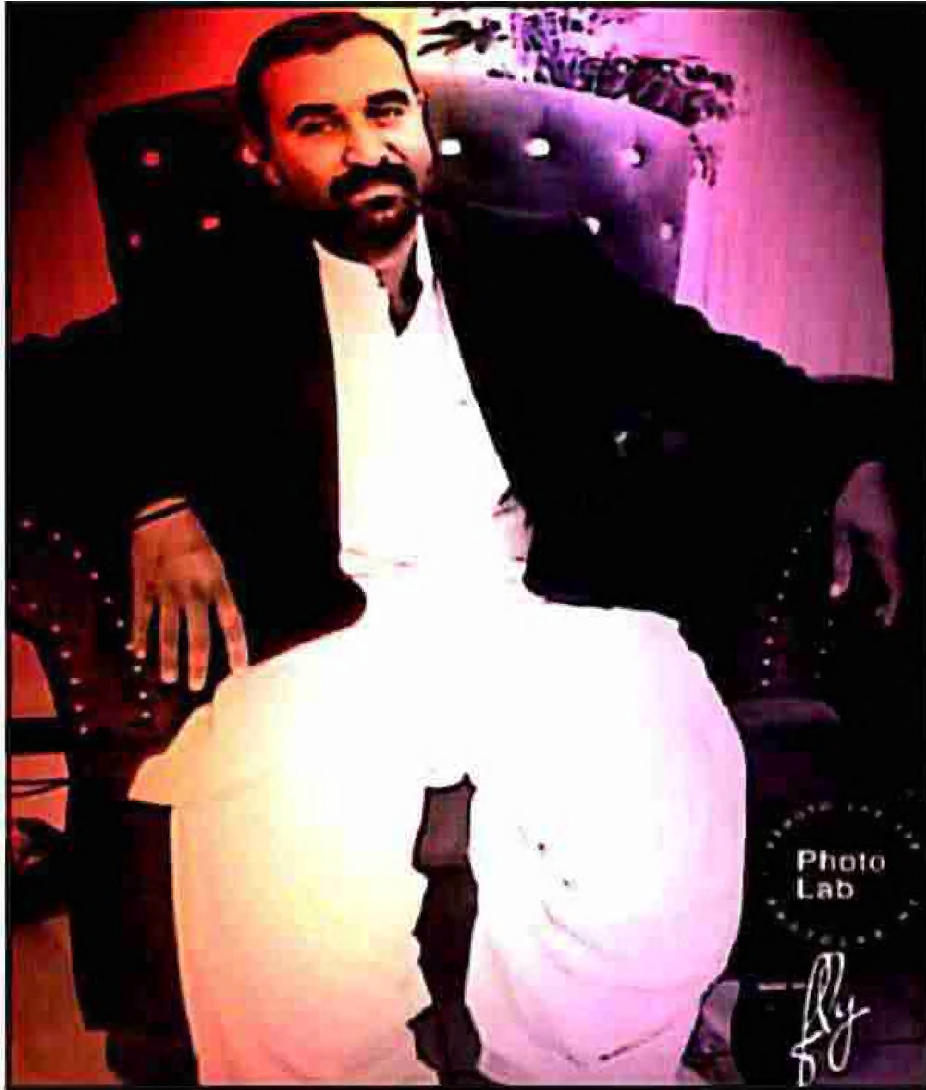




نہیں ناگی دیوار کے پیچھے



PDF By :
Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell Number : +92 307 2128068

Facebook Group Link :

<https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/>

انیس ناگی

دیوار کے پیچھے

نادر

قوسین

لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بار دوم : ۱۹۸۳ء

ناشر : سلیم ریاض

مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ایک مختصر بات

یہ نہایت ہی مختصر سی بات ہے کہ میں نے ۱۹۷۱ء میں ایک ناول لکھا تھا، لکھنے کے بعد اشاعت کے شوق میں اس کے کچھ اجزاء مختلف خوشنویسوں کے زیرِ قلم رہے لیکن پورے نو سال تک یہ ناول پھپہ نہ سکا۔ اس غیر معمولی تاخیر میں کچھ تو میری پیشہ ورانہ مصروفیتوں کا دخل تھا اور کچھ میرے مقنن ادبی مشاغل کا عمل، تاہم اس ناول کے تحریر کے بعد میں کبھی کبھار اس کے مختلف اجزاء میں رد و بدل کرتا رہا۔ ایک دوسروں نے اس ناول کا مطالعہ بھی کیا اور اس کے طباعت کے لیے اصرار کیا، اس کے کچھ صفات کا ذکر بھی کیا لیکن بعض نے تحیر کا اظہار کیا کہ انیس ناگے کو شاعر کا تنقید اور ترجمے کرتے کرتے ناول لکھنے کی کیا سوجھ بوجھ؟ یہ تحیر اور استفسار میں آخر میں میرے ناول کے اشاعت کے محرک ثابت ہوئے اور ہر طرح کی مصروفیات کے باوجود میں نے ایک دوسرا ناول بھی لکھ لیا۔ اس اعلان کے ہرگز یہ نایت نہیں کہ مجھے ناول نگار بننے کا شوق ہے، حقیقتاً دیوار کے پیچھے میرے تخلیقی عمل کا ایک حصہ ہے۔

ایک ہی ذہن سے نکلتے ہوئے تخلیقی راستے کسی ہیئت یا فنّی تخصیص

کے محتاج نہیں ہوتے۔ شعر اور نثر، آہنگ اور عدم آہنگ کے فاصلے یہ سب
 نوع بندی کے بدعتیں ہیں جن کے اطاعت سے کچھ زیادہ حاصل نہیں ہوتا۔
 اصل مسئلہ تخلیقی تجربے کے معنوی حیثیت کا ہے کہ وہ کس حد تک اپنے جائز
 وجود کا جواز فراہم کرتی ہے۔ کیا اس کے موجودہ شکل اس کے آخری اور حتمی
 شکل ہے؛ یہ معیار ناگزیر طور پر تخلیقی تجربے کے عصری رالطوں اور تہذیبی کنایوں
 کو اولاً زیر بحث لاتا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ معاصر زندگی میں مسائل کے
 فوریت کا تعین کرتا ہے اور دوسری طرف یہ تخلیقی تجربہ اپنے لسانی بنیاد
 کا تعارف کراتا ہے کہ اس کو کس محاورے میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ تمام بحث
 اس وقت شروع ہوتے ہیں جب ہم ناول کو ایک مخصوص ہیئت کے بجائے
 ایک وسیع تخلیقی عمل سے تعبیر کرتے ہیں جس میں نظم، نثر، ڈرامہ وغیرہ وغیرہ
 منہدم ہو کر نتیجہ کے طور پر ایک عظیم تخلیقی سلسلے کو جنم دیتے ہیں۔ میرے اس عظیم
 تخلیقی سلسلے کے آرٹ میں اردو کے پرانے اور نئے ناول کے تردید کا خواہش مند
 نہیں ہوں بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو میں ناول کے ایک منطقی شکل ہے
 جس میں واقعات اور کرداروں کے مضمک خیز مشائش قائم کی جاتی ہیں۔ ایک
 آغاز، ایک انجام اور کرداروں کے میکانیکی ارتقا کو تصور کیا جاتا ہے۔ اسے تمام
 تصورات کے شکست و ریخت ضروری ہے کہ اردو میں نئے ناول کے روایت
 کا آغاز کیا جائے۔

انیس ناگی

میرا نام احمد ہے۔

یہ کہانی میرے ایک ایسے دوست کی ہے جو کافی مدت سے لاپتہ ہے، میں رثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہے، ایک دن اس نے خودکشی کی کرٹش کی لیکن موت نے اسے قبول نہیں کیا، میں اسے گھر ملنے گیا تو وہ لاپتہ تھا، وہ غیر حاضر ہونے سے پہلے میرے لئے ایک سرسبز بندل چھوڑ گیا تھا جس میں بہت سے کٹے چھٹے کاغذات کے علاوہ ایک تحریر میرے نام بھی تھی :

— احمد، احمد میں بہت منتشر ہوں، تھکا ہوا بے مراد منہ ہوں، میرے اندر خلا ہی خلا ہے۔ میں حقیقت بننا چاہتا تھا لیکن مجھے روک دیا گیا ہے — نہ جانے کیوں ابھی تک میرے خیر میں زندگی کی رطوبت باقی ہے، میں نے اپنا حساب چکا دیا ہے، میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے، میں زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا اس کے باوجود زندگی نے کہا کہ اسے میری ضرورت ہے، کیسا اتفاق ہے کہ مجھے اپنی ضرورت نہیں ہے میری موجودگی پر کیوں اصرار کیا جا رہا ہے؟ — یہ میری اور تمہاری اور ان بکیوں کی کہانی ہے جو ہماری وجہ سے پریشان رہے

— میں تمہارا ممنون ہوں کہ اس جہنمی سفر میں تم نے میرا ساتھ دیا، الوداع!
میں مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوں، تاہم اپنے اور تمہارے درمیان
رشتے کا یہ باب ختم کرتا ہوں —

یہ ایک ایسے شخص کی داستان ہے جو ہر اعتبار سے میری طرح غیر اہم
تھا، ظاہر ہے کہ تاریخ کا تعلق صرف اہم واقعات سے ہوتا ہے اور وہ غیر
اہم احوال کو داستانوں کی صورت میں پھوڑ دیتی ہے، بااں ہمہ بعض اوقات
نامساعد سیاسی حالات میں چوری پھپھے لکھی ہوتی یادداشتیں تاریخ سے زیادہ
اہم ہوتی ہیں کیونکہ ان کے قالب میں زمانے کا وہ باطن مخفی رہتا ہے جس کا
اظہار ممنوعہ ہوتا ہے، میں اور پروفیسر اس ممنوعہ باطن کی داستان میں دو ایسے
کردار ہیں جو سچ اور جھوٹ کے فاصلوں کی پیمائش نہیں کر سکے۔ پروفیسر کے
حوالے سے مجھے اپنی سیرت دیکھنے کا موقعہ بھی ملا ہے، مجھے اپنے کئے پر
ندامت ہے کہ میں لپستی اور زوال کی راہ کا اشارہ بنا اور کئی مرتبہ میں نے پروفیسر
کو حربے کے طور پر استعمال کیا، میری نیت کے بارے میں شک نہیں کیا جانا
چاہیے کیونکہ میں ہر حالت میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔

پروفیسر سکول کے زمانے ہی سے بڑا احساس اور زود رنج تھا اور میرے
نزدیک زندگی میں اس کی اکامی کی سب سے بڑی یہی وجہ تھی —
خیر فی الحال مجھے یہ نہیں علم کہ وہ کہاں ہے، غالباً وہ مرچکا ہے، اگر زندہ بھی
ہے تو اسے تلاش کرنا محال ہے!

۲۰ اگست ۱۹۶۹ء

①

رات زوال پر ہے، رات ذرہ ذرہ ہو کر افشاں کی طرح رونے زمین پر
 بجھرتی جا رہی ہے، یہ کس کی سہاگ رات ہے؟ نہیں، یہ فقط جاگتے ذہن کا
 تماشا ہے! اندھیرا محض ایک خوف ہے، کائنات کی ابھتی تک شکل وہی ہے
 جو پہلے تھی، ————— انجام ایک آغاز ایک ————— میں جو کچھ دیکھ رہا
 ہوں وہی حقیقت ہے، میری زبان بھوٹ بول سکتی ہے لیکن آنکھیں دھندلا نہیں
 سکتیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے کمرے کے ارد گرد نئے اور پرانے مکان
 چاندنی کی پرشاک پہنے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہیں جیسے
 کسی کے منتظر ہیں۔ آسمان شفاف، گلیاں خاموش، مکان خاموش، مکین خاموش،
 خاموشی سے پھڑپھڑاتا ہوا اسرار خاموش، سب گونگے بہرے ایک دوسرے کے
 خاموش شاہد ————— وقت ایک نقطے پر منجمد، چاند کہکشاں کی دہلیز پر گر کا
 ہوا ————— میرے دل کی دھک اور مسلسل دھک خاموشی میں شور کی ایک
 صورت ————— ٹیکیا کارڈیا ————— نہیں وقت چل رہا ہے، اس کے
 ٹیڑھے قدموں کے نشان میرے ضمیر پر نہیں، ساری کائنات کے احساس پر کندہ
 ہو رہے ہیں۔ رات میرے اوسان خطا کر دیتی ہے، تپیلوں میں پھیلاؤ اور
 نظر میں دھندلاہٹ، طبیعت میں اضطراب پیدا کرتی ہے، ایک حس کا ضعف
 دوسرے حس کو مدھم کرنے کی بجائے مشتعل کرتا ہے ————— کمرے کی
 دیواریں ہر رات میرے وجود کو مسمار کرنے کے لئے پھدک پھدک کر قریب

آجاتی ہیں، میری آواز، میرا تنفس اور میرا وجود اس محاصرے میں گرجتا ہے اُن،
یہ دیواریں، پتھر کی دیواریں، ہست کی دیواریں، دیواریں ہی دیواریں، ان کے
پچھے کون ہے؟ کیا ہے؟ ان کی اوٹ میں کون بھانک رہا ہے؟ چور می پچھے
بھانکنے کا عمل محض حماقت ہے! —

اودہ ہو، میں اپنے ظن سے زیادہ دہکی پی گیا ہوں اور کسی خواہش کے بغیر
اس عمل کو جاری رکھنے پر مصر ہوں۔ اکیسے میں دہکی پنا ہلاکت کی طرف ایک سوچا
سمجھا ہوا قدم ہے، نشے اور تنہائی کی آڑ میں وہ سب کچھ باہر نکل آتا ہے جسے عواماً
ظاہر ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا، ذات خود آئینہ بن جاتی ہے اور پھر اپنا خوف،
اُفت، الامان! غالباً مارچل لیٹس کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ اندرونی خلا کو
بیرونی سیال سے بھرنے کی کوشش، ہست، یہ کھوکھلا پن ہے! میرا تنفس تدریج
بجاری ہوتا جا رہا ہے، دہکی کا زہریلے پن خلیوں میں محفوظ آکسیجن کا گلا گھونٹ رہا
ہے، ہر طرف تاریکی اور روشنی کے دھبے اور دھبوں میں سے اٹھتے ہوئے
انسانی شکلوں کی صورت میں دھبے — شاہ شاہ کتنا تیز جھک چل رہا ہے،
چاند فضا کی گدلاہٹ میں حل ہو کر اپنا وجود کھو چکا ہے، مکرے کا لیمپ روشنی
سے محروم ہوتا جا رہا ہے — اندھیرا ہی اندھیرا، میرے اندر اور باہر
اندھیرا — لعنت ہے ایسے نشے پر جو شعور کی مکرنہ تہڑکے، ایسے شعور
کی بیخ کنی ضروری ہے جو ہر لمحے وجود کی یاد دہانی پر اصرار کرے، ایسے سفلے
وجود سے فرار ضروری ہے! پسپائی، تھکے ہارے بھاگتے قدموں کا شور،
بگل کی اداس آواز، صویرا سرافیل، الامان کیسا دوزخی سماں ہے، پسپائی کے
کئی ایک جواز ہو سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں، میں اپنی صفائی میں جواز پیش کرنا
نہیں چاہتا، میں صرف احتجاج کر دوں گا تمام رگوں کو سمیٹ کر اتنی قوت سے

احتجاج کروں گا کہ آسمان کا نس کی برتن کی طرح لرزے لگے، مجھ سے احتجاج
 کا اختیار نہیں چھینا جاسکتا، میرا سب کچھ چھین چکا ہے، مجھ پر سفاکانہ حملہ کیا گیا ہے
 میں ایک بے حرمت بھوکے کی سزا بھگتے والا ہوں۔۔۔۔۔ موت میرا اٹل
 فیصلہ ہے، یہ ایک نہایت ہی نجی سی واردات ہے جس میں مداخلت کے حقوق
 محفوظ ہیں، بخانزے کی صورت میں زندہ رہنا ناممکن ہے۔ یہ فیصلے کا قیمتی لمحہ
 ہے، زندگی یا موت؟ زندگی نے تمہیں دھتکار دیا ہے اور ابھی موت سے
 آشنا نہیں ہو، بول کیا چاہتے ہو؟ یہ سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے، مجھے
 سوچنے کی مہلت دی جائے، مجھے اپنی غفلت کا مکمل طور پر احساس ہے کہ میں
 نے زندگی کے لئے ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا: فقط تکمیل کی حسرت، مجبوری کا سب
 سے بھیاں تک روپ، زندگی نے مجھے کیا دیا ہے؟ حساب برابر ہوا، جسمانی
 ہیئت؟ ہاں یہ ان نوخیز جراثیموں کا کرشمہ ہے جو میرے وجود میں منتقل ہو کر
 نئے جراثیموں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ میری وراثت کے لئے کس نے
 جانشینی کا دعویٰ کیا ہے؟ احمقوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے! لاپرواہی نے
 ان کی روشنی چھین لی ہے۔ یو میری موجودگی ہی میں وراثت کا صندوق کھولا: مزاج،
 ابن الوقتی، محکومی اور خشک فردے! ہاں! لاپرواہی تمہارے چہرے کیوں زرد
 ہو گئے ہیں؟ انہیں اب محفوظ رکھو میں نے وصیت لکھ دی ہے۔۔۔۔۔
 اُن میرا بدن تشیخ کی انہیں سے کراہ رہا ہے: چھک چھک میری رگوں
 کی پٹریوں پر کون انجن چلا رہا ہے، ہر طرف بھاپ ہی بھاپ ہے، زبان تیل دلدل
 کی طرح ہل رہی ہے، بدن کی دیواروں پر دسکوں کی ٹیغار ہے، یہ کس کے بو بھل
 ہاتھ ہیں؟ اندھیرے کی چادر اوڑھے ہوئے کون آگے بڑھ رہا ہے؟ اندھیرا ہی
 اندھیرا اور اندھیرے میں بھاری قدموں کی چاپ۔۔۔۔۔

اندھیرے میں بھاری قدم نل بوٹ پہنے ہرے میرا تعاقب کر رہے ہیں مجھے
 ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے، غیر اہم افراد کی نگرانی نیا نازی ازم
 — میں ابتدا میں اسے نا اہل ذہن کی اختراع سمجھتا تھا، پھر تدریجاً شبہ قائم
 ہوا اور یہ شبہ آج حقیقت کا منہ بولا روپ ہے۔ یہ شبہ کافی دیر سے میرے
 دماغ کی تہہ میں خفیہ کینسر کی طرح پک رہا ہے مجھے اس کا احساس تھا لیکن میں نے
 کبھی اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا تھا کہ جب میں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا
 تو پھر یہ دھڑکا بے معنی ہے۔ ایک دن یہی دھڑکا انا قومی ہو گیا کہ میرے
 دل و دماغ جکڑے گئے، لوگوں کے بارے میں میری خوش فہمی بدگمانی میں تبدیل
 ہوتی گئی اور میں لوگوں سے کترانے لگا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سب
 میرے خلاف سازش میں مصروف تھے۔ جب بھی کوئی گھور کر مجھے دیکھتا تھا تو
 میرے بدن میں کپکپی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ ایک دن یہ فیصلہ کیا کہ سب سے
 قطع تعلق کر لوں، پھر فیصلہ نہ کر سکا کہ کس سے طوں اور کس سے گریز کروں؟
 سارے ایک سے ہی تو ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب سے اس شبہ نے تقویت
 پکڑی ہے مجھے کچھ ہوتا جا رہا ہے، ساری رات غیند کے انتظار میں جسم و جاں
 شل ہو جاتے ہیں، غالباً یہی شبہ مجھے سونے نہیں دیتا، وہ مجھے اپنا مقروض سمجھتا
 ہے۔ میں گزشتہ چند دنوں سے اپنے بعض رفقا کا رے رویوں میں تبدیلی محسوس
 کر رہا تھا یہ سب علامتیں تھیں، آندھی کی آمد سے قبل آسمان سرخ ہو جاتا ہے،
 کسی حادثے کے وقوع پذیر ہونے سے قبل ارد گرد میں موجود لوگوں کے رویے
 بھی آسمان کی طرح متغیر ہو جاتے ہیں۔ آج فیصلہ ہو گیا ہے، اتنا م
 میں مشتبہ عناصر کی تطہیر کے عمل کی بسم اللہ مجھ سے ہوتی ہے۔ کئی دنوں سے
 لازم پیشہ اہل کار معافی نامے بنے سہمی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ

رہے ہیں تطہیر کے ذریعے گرتی ہوئی دیواروں کو روکنے کا عمل بڑا مضحکہ خیز ہے
 عضو عنصر میں طاعون پھیل چکی ہے، حفظانِ صحت کی تدابیر محض طفلانہ کوششیں ہیں
 اب صحت کی بجائی ناممکن ہے۔

آج کی رات، آج کی صبح سے مختلف ہے، ایک زمانی تسلسل کے دو حصے
 میری وجہ سے تضاد بن گئے ہیں۔ آج کی رات تاریکی کا اڈتا، سٹٹا ہوا سیلاب
 ایک نامعلوم مستقبل کا خوف بنا ہوا ہے، آج کی صبح ایک مضحکہ فاحشہ کی طرح
 آسمان پر پڑ چکی ہوئی شکن آلودہ شفق سے زوال کا پیغام لے کر بیدار ہوئی تھی، میں
 اس کی زیر لب معنویت کو نہیں سمجھ سکا تھا کیونکہ میں فطرت کی ان علامتوں کو انسانی
 زندگی سے آزاد سمجھتا تھا۔ میں حسب معمول جلدی جلدی تیار ہو کر تیز تیز قدم اٹھاتا
 ہوا شات روم میں داخل ہونے لگا تھا کہ مجھے ایک اشارے سے پر پیل کے
 کمرے میں طلب کیا گیا، وہ مجھے دیکھتے ہی چیخنے لگا: یہ لو اپنا اعمال نامہ، کاغذ
 پر لکھے ہوئے اس حکم کو پڑھ لو، تمہیں نوٹس کے بغیر ہی فارغ کیا جاتا ہے، میں
 بھی تمہاری وجہ سے خواہ مخواہ عتاب میں آ جاؤں گا کہ میں ایک ناپسندیدہ اور مشتبہ
 شخص کی پشت پناہی کر رہا ہوں! جاؤ چارج چھوڑ دو! — مجھے کیا علم تھا
 کہ میرے کالج میں اتنا خوفناک شخص کام کر رہا ہے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب
 نہیں تھا، میں چاہے چھوڑے بغیر اس سپار دیواری سے اس طرح باہر نکل آیا جیسے
 کسی طوائف کو غیر صحت مندی کی بنا پر چپکلے سے زبردستی اٹھا دیا گیا ہو۔ صبح سے
 یہ اعمال نامہ میری جیب میں سینے کے ساتھ چپکا ہوا ہے۔ ایک محشر ذہن میں
 اور ایک بغاوت رگوں میں لئے پھر رہا ہوں لیکن شہر کی وسعت نے میرا حوصلہ
 پست کر دیا ہے، صبح سے ذہن اور قدم اس عاید کردہ الزام یا جرم کی نوعیت
 کی کھوج میں ہیں، کیا واقعی میرا ہر فعل اس جرم کے ارتکاب کی طرف ایک قدم

تھا؟ میری برطرفی کی خبر شہر کے پڑھے لکھے طبقے میں پھیل چکی ہے، میں صبح سے مختلف جگہوں پر صرف یہ جاننے کے لئے پھر رہا ہوں کہ کس کس کے پاس یہ خبر پہنچی ہے۔ یہ شہر عجیب خصلت کا مالک ہے جو کچھ سامنے ہوا سے قبول نہیں کرتا اور جو غیر حاضر ہوا اس کی چوری چھپے تصدیق کرتا ہے، یہ افراد ہوں کا شہر ہے لیکن یہ اتفاق ہے کہ یہاں اصل حقیقت افراد ہوں کی صورت میں جھانکتی ہے، میری برطرفی افراد نہیں حقیقت ہے، مجھے بہت سے آشنا ملے لیکن شکر ہے کسی نے اس حادثے کی تفصیل نہیں پوچھی۔ آج میں بہت ہی فارغ تھا اور ذہن ہر مصروفیت سے عاری تھا، چنانچہ میں نے اس شہر کے ان تمام مقامات کی زیارت کی جو کبھی میری زندگی کا ایک حصہ تھے، میں نے ان مقامات کو دوبارہ دیکھا جہاں سے کبھی میرا بچپن گزرا تھا وہ تمام کے تمام اتنے بدل چکے تھے کہ کسی نے بھی مجھے نہ پہچانا، اسی طرح دن شام میں ڈھل گیا اور میرے دیکھتے دیکھتے شام نے چپکے سے رات کا لباس پہن لیا اور میں تھکے ہارے دن کی طرح کپڑوں سے دھول بھارتا ہونا امید ہی اور ہزیمت کا پیغام لئے گھر جانے لگا تو رات نے راہزن کی طرح میرا راستہ روک لیا: کہاں چلے ہو تیرہ بخت؟ دنیا سے منہ چھپائے پھرتے ہوتے تو گھر والوں کو کیا جواب دو گے؟ میں نے کہا: اے رات میرا راستہ نہ روک، میں مشکوک ہونے کے باوجود ایک شہری ہوں، زندگی کا حق رکھتا ہوں۔ آج میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ریتوراں میں آیا تھا، آج سب مانوس چہرے ناپید تھے، کچھ انجانی شکلیں کہ سیوں پر اونگھ رہی تھیں، آج میرے سوگ میں ریتوران کی فضا اداس تھی، کچھ دیر کے قیام کے بعد میں ایک دم کرسی سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

مجھے اس راستے سے گھر نہیں جانا چاہیے، یہ راستہ بالکل ویران ہے، اس کی

ایک طرف روشنیوں سے منور شاہراہ لیٹی ہوئی ہے اور دوسری طرف گھپ اندھیرا ہے، میں روشنی میں سے گزر کر تاریکی میں قدم بڑھا رہا ہوں، اس پرانے او ویران باغ میں سے گزرتا ہوا راستہ میرے گھر کو جاتا ہے، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے، کچھ دکھائی نہیں دیتا اس کے باوجود قدم آگے بڑھتے جا رہے ہیں، گرمی اور جہنم سے ساری فضا جکڑی ہوئی ہے، کل کائنات ساکت ہے، درخت کسی کی گھات میں سانس روکے ہوئے کھڑے ہیں، یقیناً کوئی شخص میرے تعاقب میں ہے، یہ میرا دم یا دماغی اختراع نہیں ہو سکتی، کیونکہ نہ جانے کیوں اب ہر دم کچھ دیر کے بعد ظاہر ہونے والی حقیقت کا پیش خیمہ بن چکا ہے، میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے خطرے کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔ وہی شخص میرے تعاقب میں ہے جو ریتوراں کی ایک نگر میں ادنگھنے کا بہانہ کئے ہوئے کنکھیوں سے میری حرکات کا جائزہ لے رہا تھا، میں پہلے اسے امرد پرست سمجھا کہ وہ مسکراتی ہوئی آنکھوں کے اشاروں سے مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ وہی شخص ہے میں پیچھے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا کیونکہ اس کی بجائے کوئی ایسی دہلانے والی شکل ہو سکتی ہے جس کی میں تاب نہ لاسکوں، جن بھوتوں کا وجود محض احتمالہ خوف ہے۔ میں اس سے زیادہ تیز نہیں چل سکتا، پھیپھڑے پھول کر بھری ہوئی مشک بن گئے ہیں اور زیادہ سانس کے متحمل نہیں ہو سکتے، دل کی دھڑکن اتنی تیز ہے کہ کبھی اتنی تیز نہ ہوتی تھی۔ میں باغ کے وسط میں پہنچ گیا ہوں، کافی راستہ باقی ہے، خیر دیکھا جائے گا، جو کوئی بھی ہوگا، خود بخود تمھارے تعاقب چھوڑ دے گا، اس دہشت سے نجات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ میں ایک دم رک کر اس سے پوچھوں: تم کیا چاہتے ہو؟ نہیں، یہ حرکت محض حماقت ہے، لیکن اس روز روز کی بک بک کو ختم کرنا بھی اشد ضروری ہے، میرا سکون چھپتا

جا رہا ہے، وہ بھی مجھے دل بھر کر دیکھ لے میں بھی اسے اچھی طرح پہچان لوں، اسی
 لئے سیٹی دونوں کے لئے تکلیف دہ ہے۔ پرنسپل بھی مجھے مخبر معلوم ہوتا ہے اسے
 کیسے پتہ چلا کہ میں مشکوک ہوں، میں یقیناً مشتبه ہوں کہ میرا تعاقب کیا جا رہا ہے،
 اس واقعہ کے بعد آج میری آنکھیں کھلی ہیں کہ میرے خلاف سازش کا جال
 کافی دیر سے بنا جا رہا تھا اور میں اس حقیقت سے بے خبر بڑے اطمینان
 سے نارمل زندگی بسر کر رہا تھا، مجھے اب احساس ہوا ہے کہ کالج اور رستوراں
 میں جان بوجھ کر ایسے موضوعات پر رائے زنی پر اکسایا جاتا تھا جن کے بارے
 میں آج کل سرگوشی میں بات کی جاتی ہے، میں اس سازشی ماحول کی اہمیت سے
 بے خبر تھا اور اپنی رائے کا اظہار بربلا کرتا تھا، ابھی پرسوں ہی کی بات ہے
 پروفیسر جمیل مجھے شان روم کے ایک گوشے میں لے گیا :

پروفیسر ذرا محتاط گفتگو کیا کرو۔

کیوں میری آواز تمہیں بُری لگتی ہے ؟

داروگیر کا زمانہ ہے جبکہ جگہ جال بچھے ہوئے ہیں کسی پر اختیار نہیں کیا
 جاسکتا۔

یار میں کون سے بیم بنا رہا ہوں ؟

میرا کام خبردار کرنا ہے باقی تمہاری مرضی، اور ہاں شام کو اس رستوران میں
 جانے سے گریز کرو۔

جمیل تم مجھے سی آئی اے کے معلوم ہوتے ہو۔

میں جو کچھ بھی ہوں میری بات پر کان دھرو۔

میں نے جمیل کی تنبیہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن اس کے باوجود میرے

کان کھڑے ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے مجھے جمیل پر شبہ ہوا تھا اس کے بعد

میں نے چند اور رفقا کار کا مطالعہ کیا تو ان کی وفاداریاں بھی کچھ مشکوک معلوم ہوئیں، اگلے دن میں نے کس قدر احتیاط کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی بے سو ثابت ہوئی۔ کیونکہ میرے خلاف پہلے ہی سے کافی کچھ مراد مرتب ہو چکا تھا، دراصل میرے حلیے اور رویے نے بھی میرے خلاف فضا مرتب کرنے کا اہتمام کیا تھا، مجھے نہیں علم تھا کہ میرا ہر ایک قدم ہلاکت کی طرف سفر تھا۔ لباس کے معاشے میں لاپرواہی، بالوں کی طوالت اور بے ترتیبی، پاپ نوشی اور ریستورانوں میں وقت کٹنے کی عادت کو دیکھ کر کالج کے اندر اور باہر بعض لوگ مجھے سرخا کہتے تھے۔ میں نے ابتدا میں وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ میں سرخا ورخا نہیں ہوں لیکن اس وضاحت نے مجھے بعض کی نظروں میں اور زیادہ مشکوک بنا دیا تھا۔ پھر بتدریج میں اس لقب سے بالکل لا تعلق ہو گیا۔ میرا یقین تھا کہ نظریات انسان کی صمیم شناخت ہیں، ظاہری حلیے قریب ہوتے ہیں۔ اب یہ روشن ہوا ہے کہ ظاہری حلیے اور حرکات ہی اہل شناخت کا پیمانہ ہیں، اصل حقیقت کی طرف کوئی نہیں رجوع کرتا۔ میں نے کتنا وقت بے خبری میں بسر کر دیا اور مجھے یہ احساس ہی نہیں رہا کہ میں بظاہر کچھ نہ بھی کرتے ہوئے بہت کچھ کرتا رہا ہوں۔ مجھے اپنے آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، بعض اوقات انسان اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے اور جب کوئی صورت حال پیش آتی ہے تو وہ کچھ اور نکلتا ہے۔ میں اپنے آپ کو بے ضرر سا اوسط درجے کی ذہانت کا مدرس سمجھتا تھا جس کی سوچ میں وضاحت کی بجائے الجھاؤ تھا، آج واقعات نے یہ ثابت کیا ہے کہ میرے اندر واقعی ناپسندیدہ عناصر موجود ہیں، استم یہ ہے کہ میرے باطن کی شناخت کا فریضہ میری بجائے کسی اور نے سرانجام دیا ہے۔ کیا میں واقعی مہلک اور متعدی جراثیم لئے ارد گرد کی فضا کو مسموم کر رہا ہوں؟ کتنا احمق ہوں اپنی بیماری کو ابھی تک صحت سمجھتا رہا ہوں

یہ راستہ ختم کیوں نہیں ہوتا میں باغ کے دوسرے کنارے پر ٹھہرتی
 ہوئی روشنیوں کی طرف آگے بڑھ رہا ہوں مگر وہ دور ہی دور ہوتی جا رہی ہیں۔
 عام حالات میں یہ گزرگاہ بہت جلد ہی ختم ہو جایا کرتی تھی اور اب —
 پیچھے مڑ کر دیکھنا حماقت ہے، غالباً اس نے سگریٹ روشن کیا ہے، اندھیرے میں
 دیاسلائی کی لو سے سارا آسمان دھکنے لگا ہے اور آسمان پر روشنی کے لوتھڑے
 تیر رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرے کافی قریب آچکا ہے میں اپنی گردن
 کے پاس اس کے ہاتھوں کی حرکت محسوس کر رہا ہوں — ٹھک ٹھک ٹھک
 — مجھے اب چلنے کی بجائے بھاگنا چاہیے، میں اس سے زیادہ تیز نہیں
 چل سکتا اور نہ بھاگ سکتا ہوں — مجھے بے روزگار می سے بچنا چاہیے،
 اس اژدھے کا ایک بل میری ساری پسلیاں توڑ دے گا، اب کوئی اور ذریعہ معاش
 نظر نہیں آتا، میرے بچے کچھ ہوتا تو یہ نوکری نہ کرتا اور اس سے پیدا شدہ ذلت کا
 منہ نہ دیکھتا۔ میں نے اس صدی میں جنم لیا ہے جس میں ہاتھوں کی حرکت کے بغیر زندگی
 نہیں چل سکتی۔ نئی ملازمت کی تلاش، ہوں، درد کی ٹھوکریں اور ہم جنسوں کے
 ہاتھوں تحقیر اور ذلت اٹھانا! میری ہمت جواب دے چکی ہے، ایک ہی ملازمت
 نے اتنا نڈھال اور بے بس کر دیا ہے کہ دوسرے کے بارے میں سوچتے ہی جسم
 کانپنے لگتا ہے، لیکن اس کے بغیر زندگی کیونکر ممکن ہے؟ پہلی ملازمت کی تلاش
 میں تلوے گھس گئے تھے جب میں چاروں آور سے مایوس ہو گیا تو ایک ہم جماعت
 نے کہا: بیکچر کیوں نہیں بن جاتے۔ مجھے اس تجویز میں کچھ معقولیت نظر آئی، میں
 نے پوچھا: وہ کیسے؟ یہ بہت آسان ہے ایک سبک دو ماہ کی تنخواہ بطور نذرانہ
 دینا ہوگی، اگر یہ شرط منظور ہے تو ایک ہفتے میں تمہیں ملازمت مل جائے گی۔ میں
 تمہارا مطلب نہیں سمجھا، میں نے اپنے ہم جماعت سے وضاحت چاہی۔ مطلب بڑا

سات ہے جس کے ذریعے تمہیں ملازمت ملے گی پہلے دو ماہ کی تنخواہ وہ لے گا؛
یعنی کام میں کروں اور وہ دفتر میں بیٹھا میری تنخواہ خرچنے کے منصوبے بنائے!
مجھے اس بیگار کیمپ میں کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں نے غصے سے
اپنے ہم جماعت کی اس تجویز کو رد کر دیا اور پھر کافی مہینے بیگار پھرتا رہا۔
میں نچلے متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں، اس لئے کنکشنز نہ ہونے کی بنا پر
ناکامی کا سینہ کوٹتا ہوں۔ اک دم خیال آیا اور اس ہم جماعت کے توسط سے
ملازمت حاصل کی میں نے عملی زندگی میں یہ پہلا ناپاک سہارا لیا تھا۔ میں اس پیشے
کو باوقار سمجھتا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کی فلعی بھی کھل گئی، مجھے ملازمت کی ضرورت
تھی اس لئے بڑبڑاتے ہوئے بھی خاموش رہا۔ نئی ملازمت کا مطلب ہے نئی
غلامی ویسے آج کل گرتی ہوئی اقتصادی حالت کے پیش نظر بھرتی پر پابندی لگی ہوئی
ہے۔ بے روزگاری اس عروج پر پہنچ گئی ہے کہ اب ٹیکنیکل مینیجر بھی اتنے ہی
ناکارہ ہیں جتنے نان ٹیکنیکل مینیجر۔ میں کس شمار میں ہوں؟ انگریزی ادبیات کا ایم اے،
نہ سفارش اور نہ کسی بڑے سے عزیز داری، ایک کٹی ہوئی چٹنگ ہوں، عجیب
بے اختیاری ہے۔ بے روزگاری کو بطور شخصی واردات قبول کیا جاسکتا ہے
کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کام کرے، کام کرنے کا مطلب ہے کہ اپنی صلاحیتوں
کو بدلتے کارلانا، یہ بھی ایک مفروضہ ہے کہ ہر شخص صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔
میں اگر یہ کہوں کہ میں کسی صلاحیت کا مالک نہیں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ
میرا گلا گھونٹ دیا جائے! نہیں، کھانے کے لیے کچھ کم ضروری ہے۔ دراصل بات
یہ ہے کہ کبھی ایک شخص بے روزگار نہیں ہوتا بلکہ ایک گنبد بے روزگار ہوتا ہے،
اب میری وجہ سے اہل خانہ نئی آزمائش کا سامنا کریں گے، حقیقتاً مجھے اپنے
اہل خانہ کی سلامتی کے لئے اپنے آپ کو صرف محتاط حد تک مصروف رکھنا چاہیے تھا۔

میں نے صرف یہ بے احتیاطی کی کہ اپنے شاگردوں سے کھلے بندوں ملتا ہر
 قسم کے موضوعات پر بیک گفتگو کرتا تھا اور تنہائی میں اس نظام کی تبدیلی کے بارے
 میں سوچا رہتا، میں نے نادانستہ طور پر وہ طریق زندگی اختیار کیا جو نہ جانے کیوں
 نہیں مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ مجھے جن شرائط پر ملازم رکھا گیا تھا ان میں یہ نہیں درج
 تھا کہ میں تنہائی میں غیر ممنوعہ موضوعات پر غور و فکر نہیں کروں گا، غلطی مجھ سے
 ہوئی، مجھے زندگی کرنے کا فن نہیں آتا تھا مجھے ڈیڑھ کارٹھی کی کتاب پڑھنا چاہیے
 تھی، اگر میں نے اس کا مطالعہ کیا ہوتا تو پروفیسر بیل کی وارننگ سے دور کس
 معافی اخذ کرتا اور اس ریتوراں میں جانے سے گریز کرتا جہاں شام کو مشتبہ افراد
 آتے ہیں، آج بھی میں نے کتنی حماقت سے کام لیا تھا کہ اتنا بڑا حادثہ گزرنے
 کے باوجود بھی وہاں گیا اور اب اپنے تعاقب کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔ ہر سکتا ہے
 اس کے پاس میری گرفتاری کے وارنٹس ہوں شاید اس لئے وہ مجھ تک پہنچنا چاہتا
 ہے، میں بہت بزدل ہوں، غمخوار، گھبراہٹا ہوں میں اب آہستہ آہستہ چلوں گا دیکھتا
 ہوں کہ وہ میرا کیا کر سکتا ہے؟ اُن ان روشنیوں کو کیا ہوا؟ اب باغ سے باہر نکل
 کر بھی اندھیرا ہے، کہیں ٹنٹا سرکنگ ہو گئی ہے، اب دوسرا مقابلہ کرنا ہو گا، ایک
 طرف راستہ ٹوٹوں گا اور دوسری طرف تعاقب کرنے والے سے بچنے کی کوشش کروں گا، یہ
 آنکھ پھولی کافی دلچسپ ہو گی، میں اور وہ ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہوئے اور
 ایک دوسرے سے بچتے ہوئے زمان و مکان کی قید سے باہر نکل جائیں گے، پھر
 خلاؤں، فضاؤں اور ہواؤں میں ایک دوسرے کی تلاش کا مشغلہ جاری رکھیں گے،
 ہر سکتا ہے تعاقب کرنے والا صرف میرا وہم ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہم نے
 بڑے پہنچے ہوں اور اس کی ایڑیوں کی آواز کافی واضح سنائی دیتی ہو؟ وہ حقیقت ہے!
 اگر وہ واقعی کسی قدر عقل کا مالک ہے تو اسے ابھی تک علم ہو جانا چاہیے کہ بیکار

شخص کی نگرانی محض تفسیح اوقات ہے، بے وقوف کے بچے تم اپنا مدعا حاصل کر
 چکے ہو اب مرے ہوئے کو نچوڑ کر اور کیا لینا چاہتے ہو؟ میں بھی خوش فہمی کا شکار
 ہوں۔ مشکوک آدمی اتنی جلدی خلاصی نہیں پاسکتا، مشکوک ہمیشہ مشکوک رہتا ہے،
 یہ ایسا داغ ہے جسے سات سمندروں کا نلکین پانی بھی نہیں دھو سکتا۔ نگرانی تو محض
 ایک بہانہ معلوم ہوتی ہے وہ دراصل میرے منصوبے جاننا چاہتا ہے، پوچھنا
 چاہتا ہے کہ میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی کیوں خطرناک راستے پر چل رہا ہوں؟ میں
 بدلتے ہوئے حالات کی بغیر کیوں نہیں پہچانتا؟ میں اسے کس طرح بتاؤں کہ ہر
 راستہ خطرناک رہتا ہے کیونکہ اس کی اہمیت کا انحصار چلنے والے کے اسلوب
 پر ہے۔ اتنی کم تنخواہ پانے والے اجڑ کو مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ تم
 میرے قریب آنا چاہتے ہو، احمق، میں ابھی تک اپنے قریب نہیں آ سکا تمہیں
 پاس آنے کی اجازت کیوں کر دے سکتا ہوں؟ بہرہ پیسے تم کبھی رستوراں کا
 بیرا بن کر بڑے ادب سے مجھ سے سیاسی حالات کے بارے میں پوچھتے ہو اور
 کبھی شاگرد بن کر انقلاب چین کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اٹھاتے ہو،
 جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو وہ تمہیں ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ کہ بطور فرد مجھے
 تنہائی میں سوچنے کا حق حاصل ہے۔ ایک بات بتاؤں یہ کہ تم مجھے جو سمجھتے ہو وہ
 میں نہیں ہوں، تم وہی ہو جو میں سمجھتا ہوں، مجھے علم ہے تمہیں کس نے بھیجا ہے!
 اسے خبر کہ دو کہ خطرناک آدمی کے ہتھیار چھین چکے ہیں، نہتے سے جنگ بزدلی ہے
 میں تو پہلے ہی بزدل بھگڑا ہوں، لو، میں اب انجلیز کی طرح بھاگنے لگا ہوں ہمت
 ہے تو پچھڑ لو، میری ایڑیاں ننگی ہیں، میرے پیچھے کسی کے رونے کی اداس سسکیاں
 نکاچیں بلند ہو رہی ہیں؟ یہ بلیوں کی چیخیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ لو میرا گھر آ گیا ہے
 میں لب ٹرک پیسے رنگ کے دو منزلے مکان میں رہتا ہوں، میرا کمرہ اس کی بالائی

منزل پر ہے، آؤ میرے کمرے کی تلاشی لے لو، یہاں میری ذات کے علاوہ اور کوئی خطرناک مواد نہیں ہے، میرے پاس منتشر سوچ کا نہایت ہی محدود ذخیرہ ہے، آؤ میرے وجود سے اپنے بھرے کانگوں کا پیٹ بھر لو، میں تمہارے لئے خود ضیافت کا اہتمام کرتا ہوں! اس کمرے کا دریکچہ شہر کی طرف کھلتا ہے میں اس کے تنگ دہانے سے وسیع کائنات کا نظارہ کرتا ہوں جو کچھ مددگار حاصل کرتی ہے اسے اپنے تک محفوظ رکھتا ہوں، اب غالباً تم بھی میری طرح تھک چکے ہو ہو، جاؤ آرام کرو، میں اپنے تخیل میں کسی کو آنے کی اجازت دینے کا قائل نہیں ہوں، تمہارے پاس میری حراست کا وارنٹ نہیں ہے جاؤ اب روز اب تک میرا انتظار کرو — ہا ہا ہا — خنزیر کے بچے! —

اس وقت گھر میں کتنی خاموشی ہے، گھر کی طرح گھر کا صحن بھی خاموش ہے، صرف میری عمر رسیدہ ماں کے اکھڑے تنفس کا کرب آمیز شور خاموشی کے آہنگ میں مداخلت کر رہا ہے، صحن کے عین بیچ میں اس کی چار پائی ہے، صحن کے ایک گوشے میں میرے بڑے بھائی امجد اس کی بیوی شمیم اور دو عدد بچوں کی چار پائیاں ایک دوسرے سے الجھ رہی ہیں۔ صحن کے ایک انتہائی گوشے میں رشید کی چار پائی ہے۔ آج وہ خلاف معمول جلدی گھر واپس آکر چار پائیوں نے سو رہا ہے، کچھ فاصلے پر میری چھوٹی بہن کوثر کی چار پائی ہے، صحن کے ایک گوشے میں ایک چار پائی الٹی کھڑی ہے، رضیہ تین دنوں سے پاگل خانے میں ہے، اُن پر گناہ بھی میرے سر ہے، میں اسے ہرگز نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ میں جب بھی رات کو نشے میں بہست آتا ہوں تو رضیہ اپنی چار پائی پر لیٹی سونے کا بہانہ کئے ہوئے میری حرکات کا جائزہ لیتی ہے، آج وہ نہیں ہے اور مجھے عجیب طرح کا خلا عوس ہو رہا ہے۔ میں نے آج وہ کی نہیں پی در نہ عموماً ہر شام اس ریتوران میں وہ کی

پینے کا پروگرام بنتا ہے، پانچ چھ روپے فی کس حساب بیٹھتا ہے جلدی سے کوئی سارے پیسے اکٹھے کر کے شراب کی دوکان کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، پھر ہر ایک بیٹراں کے اندر سے گلاس سٹگل کر کے باہر گندی نالی کے پاس سیڑھیوں پر بیٹھ کر دہسکی کی بو اور نالی کے گندے پانی کی ہلک کو جرعوں کی صورت میں حلق میں اندلیتا ہے جس کسی کو بھی فیصلہ شدہ حصے سے ایک قطرہ کم ملے وہ دوسرے سے دست و گریباں ہونے پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن آج ————— نہیں کچھ نہیں، اچھا ہوا آج میں ایک ذمہ دار شخص کی طرح گھر جلدی آگیا ہوں، مجھے اس وقت ذمہ داری کا احساس ہوا ہے کہ جب میرے پاس باہر دیر تک رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ میری ماں اب خوش ہوگی کہ میں دن رات گھر رہوں گا اسے خواہ مخواہ مجھ سے پر خاش ہے، نہیں وہ میری ماں ہے البتہ اس کے سوا اس قبل از وقت سٹھیا گئے ہیں اس میں میرا کیا قصور ہے میں نے اسے کبھی جذبہ باقی صدمہ پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ باپ کی وفات کے بعد وہ اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد میں اس طرح تقسیم ہوئی ہے کہ میرے علاوہ وہ سب کی طرف دار معلوم ہوتی ہے۔ وہ کارڈیک دے کی پرانی مریض ہے سب کو اس کی علالت کا احساس ہے لیکن کوئی بھی اس کے علاج کی ذمہ داری لینے پر آمادہ نظر نہیں آتا کیونکہ ہر ایک اسے دوسرے کی ذمہ داری تصور کرتا ہے۔ میں نے ایک دو مرتبہ اسے ڈاکٹر کو دکھانے کی کوشش کی لیکن اس نے میری اس پیش کش کو ٹھکرا دیا، مجھے کچھ دھچکا لگا اور میں خاموش ہو گیا۔ میں نے کئی مرتبہ سوچا کہ وہ سارا دن امجد اور رشید کے گن گاتی رہتی ہے اور جب کوئی میرا مسئلہ درپیش ہو تو یہ اسرار خاموشی اختیار کر لیتی ہے۔ مگر میں ایک اعتبار سے اس کی حیثیت مرکزی ہے، کوئی فرد بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود اس کا وجود اس خاندان کی شیرازہ بندی کئے ہوئے ہے۔

تمام افراد ایک دوسرے سے لا تعلق ہیں، البتہ ماں نے ان کے درمیان یہ قدر مشترک پیدا کی ہے کہ وہ اس کے ذریعے ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ اس وقت سب کے سب محو خواب ہیں اور میں ایک مصیبت لئے اس گھر میں اس طرح داخل ہو رہا ہوں جیسے کہ نئی بیماری چکے سے بدن میں سرایت کر جاتی ہے، وہ جب صبح بیدار ہوں گے تو ان کے معدوں کا ذائقہ بدل چکا ہو گا، میں اپنی وضاحت کس طرح کروں گا؟ پھپھانے سے کوئی نائدہ نہیں کیونکہ مہینے کی پہلی تاریخ کو پول کھل جائے گا اور کوڑھ کو بھی کالج سے پتہ چل جائے گا۔ مجھ میں اتنی جرات نہیں کہ مردانہ وار بتا دوں کہ مجھے برطون کر دیا گیا ہے!

ٹن ٹن کمرے میں آدیناں کلاک نے رات کا ایک بجایا ہے، اس آواز نے تصدیق کی ہے کہ آخر کار میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا ہوں، بیڑھیاں چڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک مدت سے اوپر چڑھ رہا ہوں لیکن راستہ ختم نہیں ہوتا، غالباً میں بہت تھک چکا ہوں۔ کلاک نے اپنی ایک ٹن سے میری واردات کو ماضی کا حصہ بنا دیا ہے۔ ایک بجے رات، مورخہ ۶۸ - ۹ - ۱۱ میں نے زمانے مسلسل میں کلاک کی ٹن کے ذریعے اپنے وجود کا تعین کر لیا ہے کہ میں ایک بجے رات مورخہ ۱۹۶۸ میں زندوں میں شمار کیا جاسکتا ہوں۔ بھوک پیٹ میں عجیب زادیوں سے حملہ آور ہے، بھوک کا حملہ اس امر کا سب سے قوی ثبوت ہے کہ میں زندہ ہوں، میں نے صبح کے ناشتے کے علاوہ اور کچھ نہیں کھایا تھا، صبح کالج جانے کی جلدی تھی اور بعد میں جتنا خوش گوار حادثہ پیش آیا اس نے بھوک کیا طبیعت صاف کر دی! میرا کچھ اس طرح کا معمول رہا ہے کہ رات کو کافی دیر سے کھڑا ہوں، اپنے کمرے میں اوپر آتے ہوئے کھانا ساتھ لے آتا ہوں اور پھر ٹھنڈے کھاتے کہ تین چار بڑے بڑے لقموں میں ختم کر دیتا ہوں۔

اس کے بعد نیند کے انتظار میں کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں، مطالعہ کے دوران طرح طرح کے خیالات سطروں میں سے بھانکتے ہیں اور میں با آواز بلند پڑھتا ہوں، اور اتنی دیر تک یہ شغل جاری رہتا ہے جب تک وہ خیالات سطروں کے پیچھے چھپ نہیں جاتے۔ آج کی رات مجھے اتنی بھوک لگی ہے کہ روئے زمین کا تمام اناج کھانے کو جی چاہتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمام انسانیت کی بھوک میرے شکم میں سما گئی ہے، میں اتنی اشتہا کے باوجود اوپر آتے ہوئے عہداً اپنا کھانا نہیں لایا، میں یہ تجربہ کرنا چاہتا ہوں کہ بے تحاشا بھوک کے ہوتے ہوئے بھی بھوکے رہنے میں کتنی اذیت اور لذت ہر سکتی ہے! آج کی بھوک بھی کچھ غیر معمولی سی ہے، یہ ایک کی نہیں تمام حواس کی بھوک معلوم ہوتی ہے۔ بھوک محرک حیات ہے۔ یہ نافرمانی سے اوپر ہر بیانات کے نیچے، اس کی شدت دہی بنا سکتا ہے جس کی نافرمانی میں درد ہو، سمتوں کا تعین خود بخود ہو جاتا ہے، کچھ کھا لینے سے آج بھی بھوک سے پھسکا رہا نہیں ہو سکتا۔ مجھے آج ان تمام کے لئے بھوکا رہنا ہے جو روئے زمین کی تمام تر شادابیوں کے باوجود ازلوں سے ایک خوشہ نگذیم کے لئے ہر طرح کی تحقیر برداشت کرتے رہے ہیں، آج کی رات خود ساری کائنات پر بھاری ہے، آج جس کی رات ہے، جسم اور احساس دونوں گرمی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ میں نے گرمی سے تنگ آکر سارے کپڑے اتار دیے ہیں۔ ستر پٹیا کے لئے انڈر ویئر پہنا ہوا ہے، خواہ تنہائی ہو مجھے مکمل طور پر برہنہ ہوتے ہوئے کچھ شرم سی آتی ہے، پسینہ طوفان نوح کی طرح اٹا ہوا ہے۔ آج کا سارا دن میں سڑکوں پر بے مقصد گھومتا رہا، کئی مرتبہ خیال آیا کہ کسی ماہر قانون سے اپنے حادثے کے بارے میں رائے طلب کروں پھر ایک جنبش سر سے اس خیال کو ترک کر دیا کہ میرے جرم کے خلاف چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اجتماعی حفاظت کے

حقوق محفوظ رکھے گئے ہیں۔۔۔۔۔ یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی ہوگی ،
پڑھے لکھے طبقے میں دہلی زبان میں حاشیہ آرائی ہو رہی ہوگی ، میں ہر واقف اور
آشنا کو کیا جواب دوں گا ؟ میں ان سے اس طرح چھٹنا بھاگتا پھروں گا جیسے میں
نے کوئی اخلاقی جرم کیا ہے ، میں نے کوئی تخریبی کارروائی نہیں کی کسی سازش میں
شرکت نہیں کی پھر مجھے کیوں بدلت بنا یا گیا ہے ؟ زندگی کے کسی شعبے میں میرا کوئی
حوریف نہیں ہے ، یہ کسی ایک فرد واحد کی انتقامی کارروائی نہیں ہو سکتی بلکہ ایک ایسے
نظام زندگی کی واردات ہے جو اپنی بقا کے لئے ہر ایک کو کچلنے پر آمادہ نظر آتا
ہے۔ میں اب آزاد ہوں ، منہ اٹھا کر جدھر چاہوں نکل سکتا ہوں ، کوئی مجبور سے
مجھے تلاش رزق کے لئے مجبور نہیں کر سکتی کہ میں اس کا جواب اٹھکے ہارے مویشی
کی طرح اٹھاتے ہوئے نامہربان میدان کارزار میں پسینہ کمانے نکلوں۔ ہاں میں
اس آزادی سے خوش ہوں لیکن اس سے وہ متاثر ہوں گے جن کے لئے میں کام
کرتا تھا اور جن کے لئے مجھے شاید نامعلوم مدت تک مزید کام کرنا ہے۔ ایک
دم سے چار سو روپے ماہوار کا رک جانا آج کل کی گرانی کے پیش نظر معمولی سی
بات نہیں ہے پہلی ملازمت کے حصول نے مجھے بے حال کر دیا تھا ، اس وقت میرے
اندر تلاش کی ہمت تھی ، اس وقت زندگی میرے لئے ایک امید تھی اور اب جب کہ
میں ماندہ ہوں زندگی ایک لڑکھڑاتا ہوا بوجھ ہے ، نہ پائے رفتن نہ جانے ماندن
مجھے یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ میں یہ بوجھ از سر نو اٹھا سکتا ہوں یا نہیں ؟ زندگی کسی
سوچے سمجھے اسلوب کے مطابق گزاری جاتی ہے یا یونہی گزر جاتی ہے ؟ یہ
استفسارات اس وقت میرے ذہن میں پیدا ہو رہے ہیں جب زندگی میری گرفت
سے نکل چکی ہے ! آج کی رات نے متصرف بنانے کے لئے موزوں نہیں ہے
آج کی رات مجھے اس صدمے کی سنسناہٹ کو برداشت کرنا چاہیے ، ایک وقت

میں ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ اب میں کیا کروں گا؟ میرے لئے زندگی کے سب راتے بند ہو چکے ہیں، میں کس کے پاس جا کر فریاد کروں کہ میرے ساتھ زیادتی کی گئی ہے؟ میرا ماضی ایک گھناؤنے داغ کی طرح میرا تعاقب کرے گا، ان میں گھٹنا اکیلا ہوں، میرے ساتھ کوئی ہمدردی کرنے والا بھی نہیں ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ سب خواب ہے، میرا ذہن کیوں منتشر ہوتا جا رہا ہے؟ اسے منہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ بستر پر لیٹتے ہی ننگا شرابور بدن بستر کے ساتھ چپک گیا ہے، اس طرح نیند نہیں آئے گی، چلو گھوسٹ سٹوریز کا مطالعہ کروں، ایک خوف سے دوسرے خوف کا سد باب کروں۔ انسانوں کی طرح بھوتوں کی بھی کئی ایک قسمیں ہوتی ہیں، کچھ بھوت بھوت ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتے، کچھ بھوت آدھے حاضر اور آدھے غیر حاضر ہوتے ہیں۔ مصنف دیباچے کا یوں اختتام کرتا ہے: بعض لوگ انسان ہوتے ہوئے بھی بھوتوں کے خصائص رکھتے ہیں مگر انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔

ٹیکنالوجی کے زمانے میں بھوتوں کا وجود کیسی احمقانہ سی بات ہے، میں نے کتاب اٹھا کر پرے پھینک دی ہے۔ میں یا تو بھوتوں سے ڈر گیا ہوں یا سنا نہیں چاہتا۔ میرے کمرے کے باہر کون ہے؟ کس کا سانس بڑی تیزی سے چل رہا ہے، رضیہ تو نہیں ہو سکتی وہ تو ہسپتال میں ہے، کہیں وہ لڑکی نہ ہو جو سامنے کے مکان کی کھڑکی سے اکثر مجھے گھورتی ہے۔ بھوتوں کا کام اپنی طرف متوجہ کرنا ہے، میرے اندر بھی ایک بھوت معلوم ہوتا ہے، جو اکثر میری توجہ کو عین کسی کام کے بیچ اپنی طرف منعطف کرتا ہے، میں ایک دم کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں، ایک دم جی چاہتا ہے کہ سب بندھنوں کو توڑ کر کہیں دور نکل جاؤں، کچھ دیر تک اس سبوت کی یہ کیشش پریشان

کرتی ہے، لیکن پھر کہتا ہوں: یہ کیسے ممکن ہے زندگی نے تو یونہی گزرنا ہے اختیار
 کی صلاحیت اس معاشرے میں ہوتی ہے جہاں قول و فعل کی آزادی ہو، جہاں زندگی
 کا کل مقصد نہایت ہی اچھے اور بہیمانہ طریقے سے حصول رزق کی رسم ہنڈ دہاں
 ہر معاملے میں دب کر ہی زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔ یہ مجھے کیا ہوتا سجا
 رہا ہے؟ کس نے میری پنڈلیوں میں بجلی چھڑا دی ہے، مجھے اپنی توجہ ہٹانے
 کے لئے کچھ پڑھنا چاہیے۔ کیا پڑھوں؟ ٹک ٹک ٹک۔۔۔۔۔۔ کون؟
 یہ سکوت کیوں ہے؟ لیمپ کے بجھتے ہی سارا کمرہ تاریکی میں غرق ہو گیا ہے، چاند
 کی کرنیں روشندان اور دریچے سے جھانک رہی ہیں، پیاس سے حلق سوکھ کر رگزار
 بن گیا ہے، ذرے غدو دوں میں چھب رہے ہیں، اس وقت پانی کہاں سے
 ملے گا؟ گھڑی نے تمام مساموں سے نمی چوس لی ہے۔ دریچے کے ٹیشے پر کس
 کے ہونٹ اور ناک چکے ہوتے ہیں؟ کوئی نہیں، کوئی نہیں، ابھی میرے حواس
 قائم ہیں، م، م، م، م، م، شکر ہے میری کھوئی ہوئی آواز واپس آگئی ہے، کون
 ہو تم؟ اوہ ہوا آخر تم نے میرا گھر تلاش کر لیا ہے! اتنی تگ و دو کرنے کی کیا
 ضرورت تھی ہیرے ساتھ چلے آتے جس نے تمہیں میرے پیچھے بھیجا ہے، اسے
 کہہ دو مجھے اس کے طور طریقے پسند نہیں ہیں۔ مجھے ہر طرح کے جبر سے نفرت ہے،
 تم نے کیسے میرے ذہن کے اندر جھانک کر یہ دیکھ لیا ہے کہ میں استحصال کو پسند
 نہیں کرتا۔ تم کتنے بے شرم ہو کہ تم نے میرے برہنہ سوچ دیکھ لی ہے، جاؤ میرا
 پیچھا چھوڑو اور مجھے چین کی نیند سونے دو۔ اندھیرا میری آنکھوں کے ساتھ گھوم
 رہا ہے، بدن میں نہیں، سارے وجود پر اندھیرے کا پردہ اتر رہا ہے، غالباً یہ
 موت کا اندھیرا ہے؟ نہیں، میں جوانی کی موت کا اہل نہیں ہوں، میں نے طوالت عمر
 کے ذریعے ہر انسانی مصیبت کا منہ دیکھنا ہے۔ دیکھنے اور خاموشی میں بولنے والے،

سرگوشی میں گفتگو مت کر، یہاں اونچا بولنے اور سوچنے کی اجازت ہے! یہاں کسی قسم کا امتناع نہیں ہے۔ خنزیر کے بچے، تمھارا اور میرا تعلق کب کا ختم ہو چکا ہے! تمھارا مشن کب کا مکمل ہو چکا ہے۔ اب مجھ سے کون سا راز اگلوانا چاہتے ہو؟ مجھے پوری طرح احساس ہے کہ فی زمانہ ہر طرح کے راز رکھنے کی ممانعت ہے! تاہم میرے پاس اپنی سوچ کے علاوہ اور کوئی راز نہیں ہے، اس راز کی نوعیت سمجھے بغیر میرے لئے بے روزگاری کی سزا سراسر غیر انسانی فعل ہے۔ کیا مجھے سزا دی جانی ضروری تھی؟ کیا سزا کے لئے جرم کا ارتکاب ضروری نہیں؟ مجھے گرفتار مت کیا جائے، مجھے بون کی سل پر مت لٹایا جائے میں پہلے ہی خنجر کی دھار بہوں، میں بون کی خنکی سے شل ہو چکا ہوں، لہٰذا میں اعتراف کرتا ہوں، میں نے کس جڈ تک اپنی مرضی کے مطابق زندہ رہنے کی کوشش کی ہے، یہ واقعی ایک جرم ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہیں کروں گا، میں پھر کبھی احتجاج نہیں کروں گا، سوچ کی طرح جلتے ہوئے یہ بلب بجھا دو میرے پاس زندگی کو بے بسی سے گزارنے کا راز ہے، میں نے دماغ میں بھروسہ بھر کر لبوں کو خشک آنتوں سے سی لیا ہے۔ میں اپنے لہو سے لکھ کر دیتا ہوں تا ابد میری زندگی ایک خاموش معافی کی صورت میں سکتی ہے گی، میرا اعتراف مکمل ہو چکا ہے، مجھے آزاد کیا جائے۔

————— چور چور چور ————— یہ کون چیخ رہا ہے؟ گلی آوازوں سے

بوجھل ہوتی جا رہی ہے، مکان کے باہر کیے بعد دیڑھے جیبیں رک رہی ہیں، مجھ پر کیا جا چکا ہے، اس وقت جان بچانے کی کوشش کرنا محض حماقت ہے —————

اپنے آپ کو پیش کرنے میں سلامتی ہے ————— پکڑ لو جانے نہ پائے —————

وہ مجھے پکڑنا چاہتے ہیں، گلی میں چند سائے بڑی تیزی سے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، میں دریچے کی اوٹ میں سے دیکھ رہا ہوں —————

ادہ، میں بہت تھک گیا ہوں، ذہن کو فارغ دیکھ کر خدشوں نے گھیر لیا ہے۔
 دیوار پر معلق کلاک کے ریڈیم سے لکھے ہوئے ہندسے ایک دوسرے کے تعاقب
 میں دیرانہ وار بھاگ رہے ہیں، اور کلاک کی سوئیاں دو شعلوں کی طرح جل رہی ہیں۔
 وقت ساکت نہیں ہو سکتا، اسے پیچم گردش میں رہنا ہے، وقت سیال ہے، وقت
 جواں رہتا ہے اور احساس کی کمر بہت جلدی خمیدہ ہو جاتی ہے، اسے سہولت کے
 طور پر اعداد اور ہندسوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یہ ایک ایسی تجربید ہے جس کا افہام
 تقسیم کے ذریعے ہی ممکن ہے ورنہ یہ انزل سے ابد تک پھیلا وہ سلسلہ ہے جس کا
 نہ سر ہے نہ پاؤں، اسے کن نکل سکتا ہے؟ یہ سب کو نگلتا ہے، اس سے باہر کچھ
 نہیں ہے، ہر ذن نفس وقت شماری کی ایک گھڑی ہے، ہر لمحہ دوسرے میں
 اضافہ کرتا ہے، یہ اضافے کی تکرار ہے، وقت کی تکرار نہیں ہے، ٹک ٹک ٹک کلاک
 پھر چلنے لگا ہے، وہ کائنات کا سب سے بڑا دشمن ہے، یہ سب کو بلا تیز نگل رہا
 ہے۔ دور کہیں مرغ اذان دیتا ہوا ہلکان ہو چکا ہے، کسی نامعلوم پرندے کے
 بھاری پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے ساری فضا تھرتھرانے لگی ہے۔ ہوا میں یک
 لخت تازگی کی آمد نے صبح کے وجود کا اعلان کیا ہے۔ میں نے شکست مان لی ہے
 اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے — میری آنکھیں نیند سے
 بو بھل ہو چکی ہیں!

(۲)

دریا اتر رہا ہے، سیلاب میں وہ جوش نہیں رہا جو پہلے تھا، تین دن گزر گئے ہیں فاختہ چوہچ میں زرتین کی سبز ٹہنی لے آسمانوں کو چیرتی ہوئی میری طرف آرہی ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کب مصیبت سے نکل کر ساحل امید پر پہنچوں گا۔ بلب شش و پنج میں مبتلا ہوں، ایک طرف چند دوستوں پر تکمیل کیا ہوا ہے کہ وہ میرے لئے کچھ نہ کچھ کریں گے، دوسری طرف انکار کا خوف دست سوال دراز کرنے میں حائل ہے، میں صرف وہاں اظہارِ مدعا کرتا ہوں جہاں توقع برآئے کا امکان ہو کیونکہ میں انکار سے پیدا شدہ خجالت برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا ہوں، اس لئے میں کم آئینہ ہوں کہ تعلقات کی وسعت میں عموماً ذاتِ حقیر کا نشانہ بن جاتی ہے، کم آئینہ میں میرا ذاتی تحفظ ہے۔ یہ مسئلہ میری انانیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ میں دوسرے کے غیر صحت مندانہ رویے سے بچنا چاہتا ہوں، اب تو مجھے ہم جنسوں میں رہتے ہوئے بھی کافی خوف آتا ہے۔ اب اس شہر کے لوگ پھوٹے پھوٹے مفادات کی خاطر ایسے کینے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اپنے انسان ہونے پر شبہ ہونے لگتا ہے۔

میں نے اس خبر کا اعلان کسی قدر ظاہراً لا تعلقی سے کر دیا تھا۔ اس خبر پر سب سے شدید ردِ عمل کا اظہار ماں نے کیا تھا: یہ سب کچھ مذہب سے گمراہی کا نتیجہ ہے، یہ آسمانی تہر ہے، قدرت میرا امتحان لینا چاہتی ہے۔ میں نے اسے صرف اتنا کہا: یہ تہرانسانی ہے انسان کا دشمن ہے، اس کا مذہب

کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ امجد نے اس واقعہ کو مشکوک افراد سے میری دوستی کا نتیجہ گردانا اور اپنے اوپر خانگی بوجھ کا اضافہ دیکھ کر طرح طرح کی ہدایات صادر کرنے لگا تھا، میں نے چڑ کر جواب دیا: برطرفی میرا ذاتی مسئلہ ہے کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے، البتہ اس واقعہ پر کوثر نے تبصرہ کرنے سے گریز کیا تھا، اہل خانہ کے مجرعی رویے سے میں نے محسوس کیا کہ ہر ایک مجھے مورد الزام سمجھ رہا ہے کہ جیسے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی دانستہ طور پر اپنی تباہی کی طرف جارہا تھا۔ اگر واقعی میں برباد ہو رہا تھا تو مجھے دیکھتے ہوئے بھی کسی نے تلقین کیوں نہیں کی؟ میں بھی چاہتا ہوں کہ کوئی میرے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرے اور شفقت کے ساتھ باحوصلہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرے، میں بھی وضاحت کے ساتھ اپنے موقف کو بیان کروں، نہیں، میں اپنا معذرت نامہ پیش نہیں کروں گا! صفائی وہی شخص دیتا ہے جو بری الذمہ ہونا چاہتا ہو، میں خواجہ بات کو طول دے رہا ہوں، دراصل بات یہ ہے کہ میں اس وقت تنہا ہوں اور میری بات سننے والا کوئی نہیں ہے، اس مرد و دشر کی سماعت میں فرق آچکا ہے، یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی میری صدا نہیں سنتا چاہتا، وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ دانستہ طور پر ممنوعہ حکایت سے گریز کرنا چاہتا ہے! اس شہ کے بیس لاکھ نفوس اپنے آپ سے بیگانہ ہو چکے ہیں وہ میری کیا سنیں گے! ابھی تک چند دوستوں پر تکیہ کئے ہوئے ہوں لیکن اس اونٹ کے بھی یہ بھٹنے کی توقع نہیں ہے۔

میں گزشتہ تین دنوں سے اپنے کمرے کی حراست میں ہوں، نہ جانے کمرے سے باہر دن کس طرح گزرا ہوگا، میں گھٹنوں میں سر دے کر یہی سوچتا رہا کہ میں کچھ سوچنے والا ہوں لیکن اس کے باوجود کچھ نہیں سوچ سکا۔ کمرے کے

روشنان میں چڑیا کی چوچ میں زیتون کی سبز ٹہنی سنہری ہو چکی تھی، میں نے چڑیا کو فاختہ سمجھ کر ہاتھ کی لکیریں دیکھیں، ہاتھ کی لکیریں چلتی چلتی شہر کی سڑکوں سے جا ملیں، یقین ہو گیا کہ آغاز سفر ہے، سفر میں قسمت ہے اس لئے یہ ناگزیر ہے، اس کا انجام مجھے اور لکیروں دونوں کو پتہ نہیں ہے۔ دن اور رات کھلے میدان کی طرح میرے سامنے ہیں۔

میں نے کئی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا لیکن ہر کتاب کو دیوار کے ساتھ پٹخ دیا، میں کیوں مطالعہ کروں؟ میں نے کونسا لیکچر تیار کرنا ہے! تحصیل علم ماضی کی یادگار ہے، اس وقت علم سے زیادہ زندہ رہنے کے لئے مالی وسائل کو ضرورت ہے، علم کا مول دو کوڑیاں بھی نہیں ہے۔ میں نے ذہن میں خط مستقیم کھینچنے کے لئے کتابوں کی بے حسی کو مردہ الماری میں دفن کر دیا ہے کہ علم اور ذہن دونوں خاموش رہیں اور میں اطمینان سے شب و روز بسر کر سکوں۔ میرے نے غیر ضروری انہام کا دروازہ بند کر دیا ہے کہ نہ رہے بالنس نہ بجے بانسری۔ میرا اپنی سوچ سے تعلق ٹوٹ چکا ہے، میرے آج اور کل کے درمیانی رابطے منتشر ہو چکے ہیں، زندگی نے اپنے اور میرے درمیان خطر امتناع کھینچ دیا ہے کہ میں اسے چھٹاپا کی لکیر سمجھ کر پھلانگ نہ سکوں۔ میں خود زندگی ہوں، میں کس طرح زندگی سے باہر ہو سکتا ہوں؟ میری طرح ہر ایک فرد ایک زندگی ہے، زندگی کے چھوٹے چھوٹے خود کار دائرے ایک دوسرے کے گرد گھوم رہے ہیں، تمام کی معنویت ایک دوسرے کے حوالے سے مرتب ہوتی ہے۔ اپنے کمرے کی قید مجھے محدود کر دے گی، نہ کچھ کر سکوں گا نہ زندہ رہ سکوں گا، نہ مر سکوں گا، دیواروں کی کھر درسی تنہائی مجھے ذبح کر دے گی، میں ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جاؤں گا، اس وقت تنہائی موت ہے! مجھے اس سے نکل کر اپنے آپ کو بچانا

چاہیے! یہ درست ہے کہ اپنے آپ کو ارد گرد کے متعلقات سے الگ کر کے اپنے انداز میں رہنے کا نام تنہائی ہے جو زندگی میں شرکت کا ایک زائدہ ہے، انسانی رشتوں سے علیحدہ ہو کر انسانی رشتوں کا احساس رکھنا ایک تکلیف دہ عمل ہے! میں اس سے بچنا چاہتا ہوں، اس سے پیدا شدہ شعور کا شعور بڑا تکلیف دہ ہے، ہر چیز مبالغہ آمیز ہو جاتی ہے، ذہن چٹخ جاتا ہے، ارد گرد کی دیواریں تنگ ہو کر دماغ کی دیواروں سے مل جاتی ہیں، شریانوں میں خون ابلتا ہے، یہ زندہ حقیقت ہے! یہ وحشت ہے! یہ نا آسودگی کا نوحہ ہے! میں اس سے مخالفت نہیں ہوں، میں انسانی رویوں کی خشکی سے لڑتا ہوں، میں اب ایک عضو معطل ہوں، ایک غیر فعال اقتصادی اکائی ہوں، میں نے سب کی نیتیں بھانپ لی ہیں، اب ہر طرف پیشانی پر کھچاؤ دیکھتا ہوں، یہ ارد گرد میں موجود لوگوں کے استفسار کی ایک صورت ہے۔ مجھے نہ صرف بیکاری کا بوجھ برداشت کرنا ہے بلکہ طعن و تشنیع کا سامنا بھی کرنا ہے، کسی کو کیا کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا ہوں، یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے، مجھے بیشک کوئی مرتبہ نہ دیا جائے لیکن مجھے اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ اس تبدیلی کے ساتھ ہی امجد کی بیوی تنگ دستی کی رٹ با آواز بلند لگا رہی ہے، کوثر اور رشید داخلے اور فیسوں کی تکرار کر رہے ہیں، ہر ایک ماں کے پاس اپنا مطالبہ کرتا ہے وہ سب کی تکرار سن کر اٹدی ہوئی آنکھوں سے دیوار کو گھورنے لگتی ہے۔ اس میں میرا تصور نہیں ہے کیونکہ اس گھر کی معیشت کا فیس عرصے سے خسارے کی طرف مائل رہی ہے۔ میری اور امجد کی آمدنی مل جل کر اتنی رہی ہے کہ مشکل گزارا تو ہوتی تھی۔ میں اور وہ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھ کر بقایا مشترکہ بجٹ کے حوالے کر دیتے تھے، اس طرح شب و روز گزرتے تھے نچلے متوسط طبقے کے فرد کی تمام انگلیں لئے، گھر کا ایک فرد

اچھے زمانے کے خواب دیکھتا تھا، میری بدطرفی نے ہر ایک کو اس خواب سے بیدار کیا کہ حقیقت کچھ اور ہے۔ غالباً ہر ایک کو اس حادثے کا انتظار تھا بڑھتی ملازمہ تنخواہ اور پیشگی کا مطالبہ کر چکی ہے، سب اپنے واجبات کا منہ کھولے انتظار کر رہے ہیں، یہی لوگ اور ضرورتیں اس وقت تک کتنی معصوم تھیں، جب تک انھیں یقین تھا کہ ان کا مطالبہ پورا کیا جاسکتا ہے اور اب وہ بھیڑیے کی طرح منہ کھولے غرارہے ہیں۔ انھیں دیکھ کر سارے بدن میں جھرجھری اٹھتی ہے کیونکہ بدطرفی کا حادثہ حسینے کے عین وسط میں پیش آیا ہے اور گزشتہ تنخواہ ملنے کا سر دست امکان نہیں ہے۔

کافی سوچ بچار کے بعد میں یا ترا کا آغاز کر چکا ہوں، میں نے سوچا شروع کر دیا ہے، سوچ کا عمل بھی عجیب ہے جب ایک مرتبہ حرکت میں آجائے تو پھر روکے نہیں رکتا، دنیا اور کائنات کی ایک ایک شے اپنی جگہ سے ہٹ کر خس و خاشاک کی طرح اڑتی ہوئی میرے تصور کے دھارے میں آگرتی ہے، پھر جب خود سوچنے کی کوشش کرتا ہوں تو پیروں سر توڑنے کے بعد بھی کچھ نہیں سوچ سکتا، آج میں نہ جانے کیا کچھ سوچ چکا ہوں، ادہ! ابھی صرف آٹھ بجے ہیں۔ سورج کا غضب بڑھتا جا رہا ہے، زمین کی کٹھالی سرمئی سے سرخ اور سرخ سے سنہری ہو چکی ہے، بدن کمٹی کے دانے کی طرح بھن کر اچھل رہا ہے، ہر قدم بجاری سے ہوتا جا رہا ہے، زمین بڑی تیزی سے چل رہی ہے — اندھے ہوئے کس نے میری دونوں ٹانگوں میں سائیکل کا اٹھلا پتہ گھساتے ہوئے کہا ہے۔ معاف کرنا، میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا ہے، ادہ ہیں سڑک کے عین وسط میں چل رہا ہوں۔ میں کچھ نہ سوچتے ہوئے بھی جانے کہاں سے کہاں نکل آیا ہوں۔ آج میرے قدموں نے بھی مجھے دھوکا دیا ہے کیونکہ وہ اس شہر کے

سڑکوں اور گلیوں سے اتنے آشنا ہیں کہ آنکھیں بند کر کے جدھر بھی جائیں گے وہ مجھے بتا دیتے ہیں کہ میں کہاں پہنچا ہوں۔ آج ان کا اعتبار اٹھ گیا ہے اس لئے وہ رک رک کر چل رہے ہیں، لیکن فیصلہ تو مجھے کرنا ہے ان قدموں نے نہیں، یہ بھی ایک نئی تبدیلی ہے کہ راستے کی تلاش کے لئے فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ میری یا ترا ابترا ہی سے کچھ پھسپھی سی معلوم ہوتی ہے، یا ترا ابھی ایک طرح کی مذہبی آوارہ گردی ہے، بے مقصد آوارہ گردی مقصد کی تلاش ہوتی ہے، آوارہ گردی تلاش حقیقت کا عمل ہے، تمام مشکوک آوارہ گرد جو یان حقیقت ہیں۔ ایک دفعہ رہ چلتے ہوئے مجھے ایک رومی کا غزل ملا وہ کسی نائل کا تھا، اس میں کسی آوارہ گرد کی تفصیل درج تھی، پڑھتے ہی مجھے معاً احساس ہوا یہ نائل کا ورق نہیں ہو سکتا کسی صوفی کی تحریر معلوم ہوتی ہے، ایک نامعلوم آوارہ گرد عین شہر میں نصف رات کو مشکوک حالت میں پھرتا پایا گیا اور نگاہیں چار ہوتے ہی اپنی موجودگی کو چھپانے کے لئے پس دپیش ہونے لگا، استفسار پر وہ اپنا نام پتہ بتانے سے گریز کرنے لگا، وہ اس جگہ اپنی موجودگی کا کوئی جواز نہیں دے سکا، وہ اپنا کوئی شناختی پیش نہ کر سکا، وہ یقیناً کوئی صوفی تھا جو میری طرح یا ترا پر تھا شناخت کا مسئلہ بھی ٹیڑھی کھیر ہے، کوئی کسی کی کیسے شناخت کر سکتا ہے کیونکہ کسی کی شناخت سے قبل اپنی شناخت ضروری ہے۔ زندگی بذات خود ایک مابعد الطبیعات ہے لیکن مفہوم کی تلاش میں کسی واردات کو کسی چیز یا واقعہ سے منسلک کرنا ضروری ہے زندگی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہی ہے، زندگی وہ ہے جو زندگی کو ایسا کرنے پر آمادہ کرتی ہے، پراتی مابعد الطبیعات میں جسم و جان سے ماوراء حقائق کی تلاش کی جاتی تھی، نئی مابعد الطبیعات میں ادھیل کی تشریح ظاہر کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ میرا مابعد میرے اس وجود سے متعلق ہے، میں کون ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ کیا مجھے وہی کرنا چاہیے

جو میں کر رہا ہوں؟ ان تمام استفسارات کا تعلق میری اس زندگی سے ہے۔ مادہ کا وجود اپنے ادراک کے لئے انسانی شعور کا محتاج ہے، بار کلمے کو اس تھا، اشیاء اپنے وجود کی دلیل کے لئے مدد کی محتاج ہیں یعنی موجود ہونے کے لئے دیکھا جانا ضروری ہے۔ بار کلمے مرچکا ہے اور اس کے بعد کی دنیا کا وہ مشاہدہ نہیں کر سکا، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا موجود نہیں ہے؟ اس لئے کہ اسے بار کلمے نے نہیں دیکھا؟ آگہی مادے سے پہلے کیونکر موجود ہو سکتی ہے؟ آگہی مادے کے وجود سے کوئی جداگانہ حیثیت نہیں رکھتی، آدرشیوں کا دور گزر چکا ہے، ادہ ہیرا کلائیٹس تیرے مشاہدے میں کتنی صداقت تھی کہ ہر چیز بدل اور ضرورت کے بدولت جنم لیتی ہے۔ ضرورت نے مجھے یا ترا کی آوارہ گردی پر مائل کیا ہے۔ ضرورت کبھی تنہا نہیں ہوتی اس کے پیچھے انسانی سرشت کی کہانی کا سلسلہ ہوتا ہے، اس وقت میری سب سے بڑی ضرورت زندہ رہنا ہے میری اس خواہش کے پیچھے ایک داستان ہے، یہ ایک ضرورت بہت سی ضرورتوں کا مرکب ہے۔

ہر طرف قدموں کی تھپ تھپ، ہر طرف موڑوں، ٹیکسیوں، رکشوں اور بسوں کی گھون گھون، ہر امیں ڈیزل، پٹرول اور دھوئیں کی متلا دینے والی ہبک — شور ہی شور اور عجیب طرح کی بے ترقیبی کا غیر مترغم آہنگ، ہر طرف کالے سفید اور گنچے سروں کا لاتنا ہی سلسلہ، ہر ایک محبت میں ہے، ہر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہا ہے، نفسا نفسی کا عالم۔ یہ شہر بھی خاندانی بہر و پیا ہے، ہر موسم میں چڑھتے سورج کو سلام کرتا ہے، یہ شاہراہ ملکی تمدن کی آبرو دکھلاتی ہے، جب بھی کوئی غیر ملکی مہمان آتا ہے اسے سب سے پہلے اس تمدنی آبرو سے متعارف کرایا جاتا ہے، اس کے دونوں طرف نئی اور پرانی عمارتوں کا جھلس ہے، یہ شاہراہ پرانے شہر کے پاس سے ہوتی ہوئی نئے شہر کی طرف جاتی ہے، اس

شہر کے دو چہرے ہیں : ایک عفونت، غربت اور پستی میں جکڑا ہوا اور دوسرا
 نئے تمدن کی تصویر ! پرانے شہر کی زمین کھوکھلی ہو چکی ہے شہر تبدیل ہو چکا ہے نیچے گھس رہا
 ہے، اگر یہی حالت رہی تو ایک دن یہاں پرانا شہر نہ ہو گا۔ اس کے مقابلے میں
 نئے شہر میں کرائے کی عورت کی چمک دمک ہے۔ پرانے سے نئے شہر کی طرف
 خروج، عظیم خروج سے بھی زیادہ برق رفتار ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد یہ دوسرا
 خروج ہے، بے اطمینانی اس خروج کی محرک ہے۔ لوگ اپنے پرانے موروثی
 مکانات کو کرائے پر چڑھا کر تھکڑی نمائے لگا کر ٹرکوں اور بیل گاڑیوں پر سامان
 رکھ کر نئے شہر کی طرف جا رہے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے ایک شہر میں دو شہر بس
 گئے ہیں، نیا شہر پرانے شہر کا حرامی بچہ ہے، حسب نسب مشکوک، نہ سر نہ پاؤں۔
 سیالکوٹ کا قلعہ مراد کے خون کی بدولت قائم ہوا تھا لیکن نئے شہر کی بنیادوں میں
 سمگلروں وغیرہ اندوزوں اور جرائم پیشہ کا لوہا ہے، نئے اور پرانے کی تفریق سے
 بہت سی چیزیں الجھ گئی ہیں، آبادی کی کثرت اس شہر کی سزا ہے کہ ہر شخص تنگی کا شکار
 ہے۔ ہر طرف ہجوم ہی ہجوم ہے مگر رونق نہیں ہے، اس شہر میں عظمت نہیں، امان
 نہیں، محض طمع اور سفلہ پن ہے۔

سرا سلام علیکم۔ کھی کھی کھی، میرے سابقہ شاگردوں کی ایک ٹولی نے بے موقع
 ہنسی سے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا ہے، میں فٹ پاتھ پر بدستور نگاہیں جمائے ہوئے
 سر کی جنبش سے جواب دے کر جلدی سے آگے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ ایک
 لڑکے نے ہمت کر کے میرا راستہ کاٹ لیا ہے : سر آپ آج کل کالج نہیں آتے،
 میں نے حقارت سے سر جھٹک کر سوال کا جواب دیئے بغیر قدم بڑھا دیئے ہیں۔
 سرنا سرنا، میرے شاگردوں کے بے ہنگم قہقہے بلند ہوئے ہیں۔ میں نے پیچھے
 دیکھے بغیر قدم تیز کر دیئے ہیں اس نوعیت کے ایک دو آوازے کسی اور نے

بھی کسے ہیں، ایک دم میرا خون کھولنے لگا ہے، یہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا؟ جہاں طالب علم استادوں کو ذلیل کرتے ہیں، اوہو، استادوں کی تکریم کا دور لہ گیا ہے، ہر قدر زوال پر ہے، یہ شاگردوں کا نہیں جاسوسوں کا ٹولہ معلوم ہوتا ہے، یہ میری نگرانی کرتے رہے ہیں۔ کیا میں اخلاقی مجرم ہوں؟ کیا میں نے رہبرنی کی ہے کہ مسلسل میرا پیچھا کیا جا رہا ہے؟ کون ہو تم؟ بڑی دیر سے تم میرا تعاقب کر رہے ہو؟ پاسٹ، پاسٹ۔ بہر پیسے! دیکھا دیکھنے کے بہانے میرے نظریات جاننا چاہتے ہو؟ پہلے اپنی قسمت کا حال جانو کہ تمہیں کب تک ان سڑکوں پر دھکے کھانے ہیں؟ بالو تاراض کیوں ہوتا ہے، بنگال کا پاسٹ ہوں صرف ایک روپیہ میرے سارا حال تباہ کر دے گا۔ مجھے اپنا حال پتہ ہے، میرے من میں نزاج ہے لیکن تم دفعہ ہو جاؤ، تم مجھے سہرا ہا ہا مجھے۔ بالو تم کچھ خط بھی ہو۔

سارے جسم میں تشنج کی کیفیت پھلتی جا رہی ہے، عضو عضو درد سے بو بھل ہے، پسینہ ہے کہ رکنے کا نام نہیں لیتا، منہ کا ذائقہ کریلے کی چھلکے کی طرح کڑوا ہے۔ سورج ابھی سے نصف النہار پر ہے۔ خط استوا، خط جدی اور خط سرطان سب کے سب ایک ہی خط میں منتقل ہو کر سورج کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں، سورج او زمین کے درمیان غالباً ایک نیرے کا فرق رہ گیا ہے، العتش، العتش، گرمی سے نکلتی ہوئی بھاپ ہر ایک شے پلاہٹ کے یرقان میں رنگی ہوئی ہے، ہر طرف آوازیں ہی آوازیں ہیں، صبح ہی سے اسٹروں اور خواہشوں سے چپکتے ہوئے چہرے کمانے لگے ہیں، بے ہنگم آوازیں ربط کی تلاش میں ایک دوسرے کی متلاشی ہیں، میں خود ایک بھٹکتی ہوئی آواز ہوں جو معنویت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ میزری کینچلی اتر گئی ہے، میں انسان سے شے میں منتقل ہو رہا ہوں، مجھے اس سے بچایا جا سکتا ہے! مگر تک میرے لئے زندگی کچھ اور تھی اور اب کچھ اور ہے، میں سے

اس شہر کی سڑکوں پر کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہچکولے کھا رہا ہوں۔ کیا میں واقعی ایک شے میں منتقل ہو چکا ہوں؟ کیا اس عمل میں میری انسانی انفرادیت محسوس ہو چکی ہے؟ میری وریدوں میں میری شہیت اتر رہی ہے! متحرک خون میں پتھر کا انجماد پیدا ہو چکا ہے، خون سرخ جیلی بن کر ترعش ہے، مجھے بنی نوع انسان کی لمحہ پر کتنے کے طور پر نصب کیا جا رہا ہے! میں لوح محفوظ ہوں، نہیں وہ لوح حجر ہوں جسے مکر پر لاد کر کوہ طور پر لے جایا گیا تھا، بنی اسرائیل کے خاندان کے میں سے کوئی بھی میری عبارت پڑھتے نہیں آئے گا۔ مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے میں اپنا حساب خود بیاک کر لوں گا۔ میں بہت تھک گیا ہوں غالباً میرے اعصاب کو کیفین کی ضرورت ہے، میں نادانستہ طور پر اس رستوران کے سامنے آ گیا ہوں جو بقول مردان میری تباہی کا باعث بنا ہے۔ یہیں سے میرا تعاقب شروع ہوا تھا، یہیں نام نہاد سازشی میرے دوست بنے تھے نہ جانے یہاں بیٹھنے والوں کو سازشی اور شائبہ کیوں سمجھا جاتا ہے؟ سالانہ شہر کے ہر رستوران میں لوگ جلتے ہیں وہاں کسی کی نگرانی نہیں کی جاتی۔ دراصل کوئی جگہ اچھی یا بری نہیں ہوتی، اس کا انحصار اس قیاس پر ہے جو کسی جگہ کے بارے میں قائم کیا جاتا ہے۔ اس رستوران کی چائے آج بھی حسب معمول کی طرح ٹھنڈی اور کیلی ہے، اس کے خلاف رستوران کا ہر مستقل گاہک احتجاج کر چکا ہے لیکن اس کا مالک تنقید کا جواب بے نمک مسکراہٹ سے دیتا ہے اور چائے کی کوالٹی بدلنے کی بجائے ہر چھ ماہ کے بعد چپ چاپ قیمت بڑھا دیتا ہے، اس پر شدید رد عمل کا اظہار کیا جاتا ہے پھر تدریج متراکیا نہ کرتا، ہر گاہک چپکے سے مطلوبہ رقم ادا کرتا ہے۔ اس رستوران کے گاہک ہی نہیں اس ملک میں ہر شخص گرانی کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور پھر چند دنوں کے بعد دکاندار کی مقرر کردہ قیمت ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

دکاندار گاہک کے روپے کو نھستی اور اپنی چیز کو اعلیٰ کہہ کر فروخت کرتے ہوئے احسان کرتا ہے۔ اس ریتوراں کی ہر چیز کی حالت ناگفتہ بہ ہے، بیرے پھٹے پرانے میلے کچیلے کوٹ پہنے، ننگے پاؤں، پسینے میں شرابور اس طرح سروس میں مصروف رہتے ہیں کہ گاہک کو اشیائے خوردنی سے اتنی نفرت ہو جاتی ہے کہ اس کی بھوک خشک ہو جاتی ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت۔ ہر گاہک نصف سے زیادہ کھانا میز پر چھوڑ کر بڑبڑاتا ہوا ریتوراں سے باہر نکل جاتا ہے۔ ایک دوست کا کہنا ہے کہ یہاں اشیائے خوردنی میں آنتوں کی بیماریوں کے جراثیم ہاضمے کی درستگی کے لئے ڈالے جاتے ہیں۔ اس کس میرسی کے باوجود سرشام ادیبوں اور شاعروں کے غزل مختلف میزوں پر بوڑھے سست گدھوں کی طرح اونگھنے لگتے ہیں۔ مجبوری دونوں طرف سے ہے، انھیں کوئی اور ریتوراں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ کسی جگہ ادھار چائے نہیں ملتی، یہاں ایک پیالی چائے کا رات بھر طواف کیا جاسکتا ہے، دوسری طرف ریتوراں کے یہ تیمور دیکھ کر کوئی معزز گاہک یہاں آنے پر آمادہ نہیں۔ پچھلے ایک دو سالوں سے جن مستقل گاہکوں کی آمدنی میں اضافہ ہوا ہے وہ اچھے ریتورانوں میں منتقل ہو گئے ہیں۔ وہ سامنے کی میز پر حکیم صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ان کی بغل میں ایک ننھی سا زرد رو شاعر غنودگی کے عالم میں ہے جو فی زمانہ شاعری کے بل بوتے پر کوئی کام کئے بغیر زندہ رہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حکیم صاحب شام کو ہر میز پر پھوڑا وقت گزار کر جزوقتی انقلابیوں کی میز کے نیچے اپنا چرمسہ تھیلہ رکھ کر بحث میں شریک ہو جاتے ہیں، دیکھو دوستو میں تم لوگوں سے زیادہ تجربہ کار ہوں فکرمِت کرو، ابھی انقلاب کی آمد میں کچھ دیر ہے یہ ضرور آئے گا، میاں چائے کا آرڈر دو صبح سے کھانا نہیں کھایا، ویسے میں بھوکے پیٹ بحث

نہیں کر سکتا۔ بعض جزوقتی انقلابی انقلاب کے انتظار میں حکیم صاحب کی نیت پر شک کرنے لگے ہیں کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آتے ہیں۔ اس وقت سامنے کی میز کے گرد منحنی شاعر، حکیم صاحب اور ایک نامعلوم شخص بیٹھا ہوا ہے۔ میری اور حکیم صاحب کی آنکھیں چار ہوئی ہیں، میں نے پھکی مسکراہٹ سے جواب دیا ہے، یاری باری ہر ایک نے لکھیوں سے میری طرف دیکھ کر نگاہیں نیچی کر لی ہیں اور گھٹے گھٹے انداز میں باتیں کرنے لگے ہیں۔ مجھے اب زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے، ہو سکتا ہے حکیم صاحب ہی میرے خلاف اپنی ڈائری کا پیٹ بھرنے شروع کر دیں۔ دراصل چائے پینے کے علاوہ میں اس رستوراں میں اپنے کبھرے ہوئے ماضی کو خیر باد کہنے آیا ہوں جو میری مصیبت کا ذمہ دار رہا ہے، میں اب یہاں کبھی نہیں آؤں گا، میں اب کبھی کسی متشاعر کی ناقابل فہم منظومات کے جھوٹی داد نہیں دوں گا، میں کبھی اس معکسر کاری ملازم جزوقتی انقلاب کی کھوکھلی تقریریں نہیں سنوں گا، یہ سب کے سب دور زوال کے گھبرائے ہوئے کاغذی شیریں جو نہ گرجتے ہیں اور نہ برستے، زمانے کی داروگیر کا ذکر کرتے ہوئے داروگیر سے خائف، دوسروں کو پیٹی بوڑھا داکہ کہہ بغلیں بجاتے ہوئے انقلاب کا کاغذی پرچم بلند کرتے ہیں، جب بھی شہر میں جلوس جلسے ہوتے ہیں وہ اس رستوراں کی سیڑھیوں پر کھڑے متفکر نظر آتے ہیں، میں ان کاغذی شیروں کے کبھی شکل نہیں دیکھوں گا۔

میں چائے کا بل دے کر اٹھنے والا ہی ہوں کہ ایک مشکوک سادہ باق سے جناح کیپ پہنے ہوئے دیوار پر معلق تادم اعظم کی تصویر کے نیچے مجھے اٹھنا دیکھتے ہی میز پر رکھی ہوئی اپنی چیزیں سمیٹنے لگا ہے۔ رستوراں سے میرے باہر نکلتے ہی وہ ادھر ادھر دیکھ رہا ہے، میں رستوراں کی بائیں جانب پر واقعہ دکان کی

دیوار کے پیچھے سے اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے، میں تیز تیز
 قدم اٹھاتا ہوا بس ٹاپ کی طرف جا رہا ہوں، وہ بھی بھاگتا ہوا میرے پیچھے آ رہا
 ہے، میں نے کنگھیوں سے پیچھے دیکھا ہے، آج کسی اور کی ڈیوٹی معلوم ہوتی ہے
 یہ اس رات والی شکل نہیں ہے۔ بس کے سلائیئر سے پچکا ہوا ڈیزل کالے دھوئیں
 کی صورت میں ارد گرد کی فضا کو مسموم کر رہا ہے اور بس نیوٹرل گیسز میں کڑی ہچکیاں
 لے رہی ہے۔ میں پک کر بس کے فٹ بورڈ پر چڑھ گیا ہوں، ٹائن بیک کی بس
 ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ وہ بھی بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا
 ہے، سامنے سے آتا ہوا ایک سائیکل عین اس کے چوتھڑوں میں لگا ہے لیکن وہ
 اس کی پرداہ کئے بغیر چیخا جا رہا ہے: روکو، روکو! بابا، بذات کا بچہ۔ کیسا
 توار دے کہ ہر جگہ اس کی اور میری موجودگی لازم و ملزوم بن چکی ہے۔ معلوم ہوتا
 ہے کہ ایک سے زیادہ افراد میری نگرانی پر مامور ہیں، چند ایک کی میں شناخت کر
 سکتا ہوں، نہیں، مجھے مغالطہ ہوا ہے، ایک شخص ہی میرا تعاقب کرتا ہے البتہ وہ
 اپنا حلیہ بدلتا رہتا ہے۔ ان قرآن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میری نگرانی کی جانی ضروری
 ہے، میرے علاوہ اور بہت سے لوگوں کی نگرانی بھی کی جاتی ہوگی، میرا خیال ہے
 تمام اہم افراد کی نگرانی کی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر کوئی
 کھلے بندوں نہیں پھر سکتا۔ اس کی اور میری جیب میں، ایک ہی مقام اور ایک
 ہی وقت پر پہنچنے کے دعوت نامے ہوتے ہیں، میں یقیناً کسی سازش کا شکار ہوں،
 اس صورت میں زندہ رہنا محال ہے۔ میں یقیناً کسی سازش کا شکار ہوں، میں بہت
 قیمتی موتی ہوں جس کی حفاظت کو ضروری سمجھا گیا ہے، نہیں میں ایک مہلک بیماری
 ہوں، جس سے ساری فضا کے مسموم ہونے کا احتمال ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے
 اس سلسلے میں غلط فہمی ہوئی ہو؟ ہو سکتا ہے وہ میرا ہمزاد ہو؟ ماں نے مجھے بچپن

میں بتایا تھا کہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی ہمزاد ہوتا ہے، ایک دفعہ مجھے علی الصبح کیس جانا تھا، میرے پاس الارم والی گھڑی نہیں تھی، سونے سے پہلے میں نے اپنے ہمزاد کو صبح چار بجے جگانے کے لئے کہا، صبح ٹھیک چار بجے مجھے سینے پر بوجھ محسوس ہوا اور کوئی مجھے زور سے گھنجدڑنے لگا۔ لیکن میرا ہمزاد اتنا احمق نہیں ہو سکتا! میں کچھ دُوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے ہمزاد کا ہمزاد ہوں یا اصل ہوں؟ — بس میں بے تحاشا ہجوم ہے، انسانی جسموں کی بدبو اور پسینے کی مہک سے دماغ چٹھنے لگا ہے۔
سائین بیک کی، دے ورڈو بس، چچک چچک —

حمید کا دفتر ساتویں منزل پر ہے، نہیں، ساتویں آسمان پر ہے۔ حمید یقیناً اپنے دفتر میں ہوگا، کافی ٹنسا اور دوست شخص ہے وہ میرا پرانا کلاس فیلو ہے۔ چند سال قبل اس نے مجھے اپنی فرم میں ملازمت کی پیش کش کی تھی مگر میں نے کسی وجہ کے بغیر انکار کر دیا تھا، غالباً اس لئے کہ میں اس وقت ایم اے میں زیر تعلیم تھا۔ پھر کالج سے فارغ ہونے کے باوجود بھی اس سے گاہے گاہے ملاقات ہوتی رہی ہے۔ عملی زندگی میں عموماً پراتی دوستیاں بدھم ہو جاتی ہیں، کچھ مصروفیت اور کچھ سٹیٹس کانشینس پرانی بے تکلفی میں حائل ہو جاتی ہے۔ مجھے کسی قدر حمید سے توقع ہے کہ وہ اظہار افسوس کے لئے آئے گا، ظاہر ہے جو شخص اتنا خلیق ہے وہ دوستوں کے دکھ درد میں بھی شرکت کرے گا، ہو سکتا ہے اسے اس وقوعہ کی اطلاع ہی نہ ملی ہو، ویسے بھی میں کو نسا انتقال کر گیا ہوں کہ لوگ میری تعزیت کے لئے آئیں؟ میں نے ابھی تک کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، اگر کبھی ضرورت بھی پڑی ہے تو خواہش یا ضرورت کو کچلنے پر اکتفا کیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ میں کسی کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کرنے جا رہا ہوں، میں اسے کیا کہوں گا؟ بات شروع کیسے کروں گا؟ ابتدا میں ادھر ادھر کی باتیں کروں گا پھر اشاروں کنایوں میں

مدعا بیان کر کے اس کی نیت بھانپ لوں گا۔ نہیں، مجھے مگر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
 دو لوگ کہوں گا مجھے لازمیت درکار ہے، اگر مدد کر سکتے ہو تو تمہاری مرضی، بدبخت
 نے کتنا اونچا دفتر بنایا ہے، میٹرھیاں ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، جوں جوں
 اوپر چڑھتا ہوں ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، کسی اہمق نے فنِ تعمیر کی
 خواہش میں بابل کا مینار بنانے کی کوشش کی ہے۔ روزانہ اتنی میٹرھیاں چڑھنا بذاتِ
 خود ایک لازمیت ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس عمارت میں ہر لازم کو شاہ سینس کے
 سزا دی گئی ہے، کسی مقصد کے بغیر بار بار اوپر چڑھنا پھر نیچے آنا۔ میں مختلف کمروں
 میں سے گزرتا جا رہا ہوں، بے شمار ٹائپ رائیٹروں کی لاتعداد دھمک دھمک
 آگے پیچھے ہوتے قدم، یہاں مصروفیت بہت زیادہ ہے۔۔۔۔۔ معاف کرنا،
 پروفیسر تھیں زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ نہیں زیادہ دیر نہیں تم کافی مصروف آدمی معلوم
 ہوتے ہو، ہی ہی ہی ہی۔۔۔۔۔ بس دن دیرہنی کام کاج میں گزر جاتا ہے ابھی چند غیر
 ملکی گاہک آئے ہوئے تھے انھیں تپتا رہا تھا کہ تم آگئے، اچھا کیا پیو گے؟ کچھ
 نہیں، بس پانی پلوا دو، تم بہت مصروف معلوم ہوتے ہو میں پھر کبھی آجاؤں گا۔
 نہیں بات کرو کیسے آنا ہوا؟ مس پیٹر ایلیز ڈکیشن کے لئے ادھر آئیں، اچھا بھئی
 حمید۔۔۔۔۔ بس دو لائین لکھوانی ہیں اچھا لکھتے۔۔۔۔۔ حمید کے سامنے بے شمار
 کاغذات اور فالوں کا ڈھیر دھرا ہوا ہے، کچھ ملاقاتی باہر شیشے کے پیچھے قیاب
 نظر آ رہے ہیں، حمید کافی اہم پوسٹ پر کام کر رہا ہے وہی کرتا دھرتا معلوم ہوتا ہے،
 مس پیٹر اسے ڈکیشن کو ایروگرام پر ٹائپ کر کے لائیں۔۔۔۔۔ راشد آپ کیش
 بک لے کہ میرے پاس آئیں، ٹرن ٹرن ٹرن۔۔۔۔۔ ہاں ہاں میں حمید بول رہا ہوں،
 دیکھئے، صاحب ہم سہیل نہیں بھیج سکتے، سہیل دیکھنے کے لئے آپ ہمارے شوروم
 میں تشریف لا سکتے ہیں۔۔۔۔۔ حمید حمید، کیا بات ہے پروفیسر؟ یا کچھ دیر کے

(۳)

پہلی یاترا کا نشہ ہرن ہو چکا ہے ، دوسری یاترا کو روانگی ہے ۔ میں نہیں چاہتا کہ پہلی یاترا کے اثرات میرے دل و دماغ پر یوں مرتب ہوں کہ سوئچ بچار میرے ارادوں کے قدم پکڑ لے ۔ وہ مجھے بیک میل کرنا چاہتا تھا ۔ دوستی کا بھرم محض فراڈ ثابت ہوا ۔ نجانے کیوں لوگ مجھے غلط سمجھتے ہیں ۔ میں وہ نہیں ہوں جو مجھے سمجھا جاتا ہے ۔ میں دوسری یاترا کے ذریعے اپنی چھوٹی سی انا کو محو کرنا چاہتا ہوں کہ وہ بندش جو میری سوئچ اور عمل میں حائل ہے اس کا جھٹکا کر دوں اور زندگی سے کسی قسم کی توقعات منسلک کرنے کی بجائے خود ایک ایسی توقع بن جاؤں جسے دیکھ کر زندگی سکتی رہے ۔

میری یاترا ایک دوسرے کی تلاش سے شروع ہوتی ہے ، میں نے ابھی ابھی اس کے بارے میں مکمل تفصیلات حاصل کر لی ہیں ، غالباً اس کا آخری وقت آچکا ہے ۔ ہر انسان کی طرح وہ زندگی کو الوداع کہنے کے لیے ہسپتال گیا ہوا ہے ، وہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں ہے ، وہ جانے سے پہلے پسماندگان کے لیے یقیناً چند ہدایات چھوڑ گیا ہو گا کیونکہ اسے اپنی یادداشتیں مرتب کرنے کا شوق تھا ۔ میرا اس سے ملنا اشد ضروری ہے ۔ اس ملاقات کی خواہش میں ایک انسانی فرض اور ایک ضرورت دونوں شامل ہیں تو اپنا وعدہ ایفاء کرے گا ۔ جمید کے ذیل روئیے کے بعد میں میدھا اس کے گھر گیا تھا وہاں سے پتہ چلا کہ وہ چند دنوں کے لیے ہسپتال میں داخل ہے ۔ میں کئی دنوں سے سوئچ رہا تھا کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے حادثے کے بارے میں اطلاع ہو اور عافیت پر چھنے نہ آئے ؟ اطلاع ملی ہے کہ پچھلے دنوں سے اس کا دماغی توازن کچھ بگڑ گیا تھا اور اس نے اپنا کمرہ بند کر کے مسلسل بارہا نوشتی شروع کر دی

تھی، جب اس کے ضعیف مگر لالچی باپ نے اسے منع کیا تو وہ بہزی کا منہ والی پھری سے اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ ایک دن سکندر کالج کی کینٹن میں آیا تو اس نے سکندر کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جگر کی تکلیف کا ذکر کیا، سکندر نے کس قدر تحمل کے بعد کینٹن میں ہی اس کا معائنہ کیا: دیکھو مسٹر! بادہ نوشی چھوڑ دو، یہ اب آپ کو پی رہی ہے اور جگر جواب دے چکا ہے۔ اوہ ہر، میں نے ابھی زندگی کا سوال ہی اٹھایا تھا۔ جواب لےنے میں بہت سہولت سے کام لیا گیا ہے، وہ سکندر کی اس دازنگ سے کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ پھیکی سی مکرہبت بغیر رم کی عینک کے پیچھے سکڑی ہوئی آنکھوں میں پھیل گئی تھی۔ حقوڑی دیر کے لیے اس کے ہونٹ کپکپائے اور مجھے کہنے لگا: پروفیسر آج چوبی بھر کر دسکی پس! کیوں خیریت تو ہے؟ اس لیے کہ جگر نے جواب دے دیا ہے، اس سے نیا سوال کریں! پریسز بہتر ہے۔ جب میرے جسمانی نظام کی میعاد ہی ختم ہو چکی ہے تو اب پریسز بے سود ہے، وہ اور میں آہستہ آہستہ چلنے لگے، اس نے ایک ہاتھ میں اپنی آٹو سائیکل پکڑی ہوئی تھی اور میں اس کے ساتھ کتابوں کا عقیدہ اٹھاتے ہوئے اس کی ہر بات کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔ آج اس کی طرف سے براہ فریبی غیر معمولی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ آج وہ اپنی مخصوص حرکت نہیں کرے گا۔ میں نے اس کی آٹو سائیکل تھام لی اور وہ اپنی چوڑی پانچوں کی پتلوں سنبھاتا ہوا دکان کے اندر گیا، پھر خاکی رنگ کا لفافہ بے باہر نکلا، میں لفافے کا سائز دیکھ کر اس کی نیت نبھاپ گیا اور میں نے پیش بندی کے طور پر کہا: تمام ہو چکی ہے اب مجھے بھی چلنا چاہیے۔ ہاں اس نے جلدی سے جواب دیا اور مزید انتظار کئے بغیر آٹو سائیکل پر لات رکھ کر یہ جا اور وہ جا۔ وہ بلا شرکت غیرے دسکی پینے کا عادی ہے۔ وہ سینکڑوں مرتبہ مجھے ایسی دعوتیں دے چکا ہے، مگر ہر مرتبہ وہ اکیلا ہی گھر واپس گیا ہے۔ اس کی عجب عادت ہے کہ وہ اپنے کمرے کے دروازے بند کر کے پانچ چھ دن تک مسلسل

بادہ نشی کرتا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ اسے تنہائی کے اس فعل سے منع کیا، ہر مرتبہ
 اس نے یہی جواب دیا: میں تنہا ہوں اور اب ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ میں تنہائی
 میں اپنے علاوہ کسی اور کا وجود برداشت نہیں کر سکتا، وہ پنتالیس سال کا پستہ
 قد، دبلا بدن، موٹی ناک اور لمبے کانوں پر بغیر رم کے عینک اٹھائے ہوئے
 مرعبان مریخ قسم کی چیز ہے، وہ ظاہر میں جتنا خاموش اور دھیا ہے اندر سے اتنا ہی
 زورور بخ، کم گو اور زورور مشتعل شخصیت کا مالک ہے۔ دو تین سالوں سے اس کا
 اور میرا یہ معمول رہا تھا کہ کالج بند ہونے کے بعد ہم کالج کی کنٹین میں درخت
 کے نیچے بیٹھ جاتے کبھی زندگی کو فریغ کرنے کے منصوبے بناتے اور کبھی دنیا کی
 نامہربانی پر دیر تک گفتگو کرتے، ہر منصوبے میں اخراجات وہ میرے نام ڈیوٹ
 کرتا اور منافع اپنے حساب میں جمع کرتا، میں نے ایک دن کہا: یہ اخراجات کا پڑا میری
 طرف کیوں جھکا ہوا ہے؟ تو وہ دروغ آمیز متانت سے کہنے لگا: میں نے کسی
 زمانے میں دوستوں پر بہت سرمایہ برباد کیا ہے، وہ مجھے الو بناتے رہے ہیں اب
 میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھ پر خرچ کریں۔ اس بھونڈی سی تاویل پر میں نے ہنس کر کہا:
 آپ کے چھوٹے چھوٹے اخراجات میں اس لیے برداشت کرتا ہوں کہ یورپ کے
 سفر میں سب اخراجات آپ کے ذمہ ہوں گے۔ تم کہتے ہو، میری دولت چھیننا چاہتے
 ہو، تمہیں علم ہے میرے پاس ستر ہزار روپے ہیں، بس اب یہی خواہش ہے کہ کسی طرح
 یہ ایک لاکھ بن جائیں۔ بنک میں اس پر تین سو روپیہ مہینہ سورتے گا، اکیلی جان ہوں
 یہ میرے لیے کافی ہے۔ میں آرام سے گھر بیٹھ کر شعر لکھ سکوں گا۔ میں خاموشی سے
 مسکراتے ہوئے اس قسم کے مہمل منصوبے سناتا رہتا۔ آپ اس میں سے کچھ رقم مجھے دے
 دیں مجھے ضرورت ہے۔ تم مجھ سے میرے باپ کی طرح یہ رقم بٹورنا چاہتے ہو، تم مجھے
 کمزور کرنا چاہتے ہو۔ تنہائی اور دیوانگی میں اسی اندوختے نے مجھے تقویت دی ہے۔

ایک رات بوڑھے باپ نے جسے میں بوڑھا گدھا کہتا ہوں، موت سے خوف زدہ ہو کر یہ رقم میرے نام منتقل کر دی تھی بعد میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس کی صحت تو کافی اچھی ہے اور میں یہ سرمایہ شراب کی نظر کر دوں گا، وہ اسے حاصل کرنے کے لیے سینکڑوں جن جن کر چکا ہے۔ ایک دن وہ پیرٹ ختم ہونے سے پہلے ہی کمرے سے باہر نکل کر سٹاف روم کے باہر لان میں گھرایا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں موت چاہتا ہوں، میں اس سے خائف نہیں ہوں، صرف جسمانی اذیت سے گھبراتا ہوں موت سے زیادہ مرنے کا عمل بڑا تکلیف دہ ہے، میری زندگی بڑی بے مقصد ہے مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہے، کسی سے پیار نہیں، میں ایک اجنبی ملک میں رہتا ہوں، مجھے مرجانا چاہیے، بس مرنے سے پہلے میں اپنی غزلوں کا مجموعہ بڑے خوبصورت انداز میں شائع کرنا چاہتا ہوں۔ اس دن وہ بہت پریشان تھا۔ شام کو میں نے اسے رد کنا چاہا کہ باتوں کے ذریعے کسی طرح اس کا ڈپریشن دور کر دوں لیکن میرے اشارے پر وہ آگ بگولہ ہو کر کہنے لگا: تم چاہتے ہو کہ میں دیر سے گھر جاؤں کہ اس بوڑھے گدھے سے گوشت نچواؤں! تم میری دکھتی ہوئی رگ پر کیوں ہاتھ رکھتے ہو؟ میں نے اسے کسی قدر غصے سے جواب دیا: اس میں مشتعل ہونے کی کیا بات ہے؟ نہیں پروں لیسر وہ مجھے جھوٹا سا بچہ سمجھتا ہے جب تک میں گھر واپس نہ آ جاؤں میٹروں پر بیٹھا میرا انتظار کرتا ہے گھر نہ آؤں تو عصائے موسیٰ لے کر سارے شہر میں میری تلاش کرتا ہے، وہ میرے سامنے عذاب کا ذمہ دار ہے، میں اسے ایک دن قتل کر دوں گا، وہ مجھے کہتا ہے کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے دفن کرے گا، اس کے اور میرے درمیان زندہ رہنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے کہ کون پہلے کس کو دفن کرتا ہے! آپ اس معاملہ میں بغاوت کیوں نہیں کرتے؟ میں محبت اور نفرت کے دوہرے رشتے کا اسیر ہوں.....

ذہنی اعتبار سے وہ ایک طرح کے چھوٹے پن اور کنجوسی کا شکار ہے، واصل میں

کجنوس شخص کا متحمل نہیں ہو سکتا کیونکہ کجنوسی انسانیت کے بارے میں غیر انسانی رویہ ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بہت ہی غلط قسم کی انسانیت ہے، میں اس کی ہر کمی اور کوتاہی برداشت کرتا ہوں کیونکہ دوستی برقرار رکھنے کے لیے دوسرے کی تمام کوتاہیوں کو برداشت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ ایک وقت ایک عظیم الشان شاعر اور دنیا کا امیر ترین شخص بننا چاہتا ہے۔ تین چار سالوں کی ملاقاتیں خواب ہو چکی ہیں، اس کی اور میری آخری ملاقات برطانی سے ایک دن پہلے ہوئی تھی، اس نے مجھے قدرے اکھڑے اکھڑے انداز میں کہا تھا: یار میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں، لیکن صورت حال میرے قابو سے باہر ہوئی جا رہی ہے، میں اس کی بے تکی بات کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔ یار میں بظاہر بڑا مردم بیزار ہوں لیکن میرے بہت سے ٹکس ہیں۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کچھ نہیں، بہر کیف موقع ملا تو میں تمہارے کام آؤں گا، ہاں میں کل تمہیں اپنی غزلوں کا مسودہ دے جاؤں گا، تم اسے الف سے پائے تک خوشخط نقل کر دینا اجازت ہو تو فرسودہ شعر بھی حذف کر دوں؟

جو اس بند کرد، تمہیں کیا پتہ شعر کسے کہتے ہیں، ہا ہا ہا

وہ بڑی زبردست قوت مدافعت کا مالک ہے، اتنی جلدی موت کے حق میں دستبردار نہیں ہو سکتا، جو شخص بیس سال تک مکمل تنہائی کا تنہا مقابلہ کر سکتا ہے وہ موت سے کیونکر خائف ہو سکتا ہے؟ عام مشاہدہ ہے کہ جس میں خود کشی کے رجحان قوی ہوتے ہیں وہ زبردست قوت مدافعت کا مالک ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا جگر سوجھ گیا ہوگا یا الگوہلک کو مرہ میں آکسیجن کے لیے تڑپ رہا ہوگا۔ یہ یقیناً اس کے لیے فیصلہ کن مرحلہ ہوگا، اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اگر واقعی اسے ناگہانی موت نے آیا تو وہ میرے لیے ایک وصیت چھوڑے گا، وہ اپنی طبعی عمر گزار چکا ہے۔

اُن فارمین اور فنا کی اور پیشاب کی بو سے سرچکپانے لگا ہے۔ وہ ایمرنسی وارڈ میں نہیں ہے، وہ اس وارڈ میں نہیں ہے، وہ اس وارڈ میں نہیں ہے، اگر وہ یہیں

کہیں ہے تو کہاں ہے؟ اس لمبے سے برآمدے کے دونوں طرف میلی میلی جالیاں اور ان کے ساتھ غلیظ بستروں کی نہ ختم ہونے والی قطاریں ہیں، میں ان بستروں کی طرف دیکھے بغیر گردن اٹھائے سیدھا دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں، عجیب و غریب سسکیاں اور چھینیں کانوں سے ٹکرا رہی ہیں، موسم کی رطوبت سے ساری فضا میں چھپا ہوا بھلی ہوئی ہے، فارملین فائل، پشاب اور برسات کی رطوبت سے ابائی آئے گی ہے۔ مدھم اور بیمار روشنی دینے والے بلب کہیں کہیں ٹنگے ہوئے کہہ رہے ہیں: جو یہاں آئے ہیں ان کے لیے زندگی کی روشنی مدھم ہو چکی ہے، جو یہاں آئے ہیں وہ زندہ واپس نہیں جائیں گے یہاں جو دینت رہتا ہے وہ کسی کو زندہ واپس نہیں جانے دیتا۔ اس کی معیار ختم ہو چکی ہے وہ ناممعیار نہیں ہو سکتا۔ میں کتنا کیمنہ ہوں، وہ بستر مرگ پر ہے اور میں عیادت کی آڑ میں اس کا گوشت چھوڑنے جا رہا ہوں، ضرورت نے مجھے انسان کی طرح کیمنہ بنا دیا ہے۔ قانون فطرت قانون بدن ہے۔ ہر دھڑکتے ہوئے دل کو ایک نہ ایک دن ساکت ہو جانا ہے۔ تقدیم و تاخیر محض فروعی عمل ہے۔

ایک لمبا سائیم تاریک ہال، میلے کچیلے بستروں پر دھاری دار کپڑوں میں ملبوس بیمار قیدی، زندگی کے اسیر، دونوں وقت اور قانون کے ہاتھوں مجبور، جسم بیمار، ذہن بیمار۔۔۔ فارملین اور فائل، ذہن کیمسٹ کی دکان کی طرح ہلک رہا ہے، چار پائیوں کے نیچے متعفن پشیاں کی سٹرانڈ میں کل بل کرتے ہوئے کابلی کیڑوں کی لمبی قطاریں، چینی اور خوراک کے تسلاشی، رستے ہوئے پشیاں اور پانخانوں کے برتنوں کے گرد گھیرے باندھے بستر پر لیٹے ہوئے مریضوں کی موت کے منتظر، بستر پر لیٹے ہوئے مریض ملاقاتیوں کے منتظر۔ ان کی آمد کے ساتھ صحت کا پیغام آئے گا۔ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے، بیمار قیدیوں کے چہروں پر بے اطمینانی اور اضطراب کا چھٹیلے کسی کے سر ہانے پھولوں کے گلدستے اور کسی کی میز پر پھلوں کے لفافے امید کا پیغام ہیں۔

فرش پر آکسین سلنڈر ٹھک رہے ہیں، کہیں ٹیکوں کی شکستہ شیشیاں اور کرچیاں بکھری ہوئی ہیں۔ دھندلے اور میلے چارٹ جن پر انسانوں کے بجائے ان کی بیماریوں کی سوانح عمریاں رقم ہیں۔ بیمار قیدیوں کی ہسٹری شیٹ نہیں کیس ہسٹری! جرم اور بیماری کا ثبوت، بیماری کا جواز اور قیدی بننے کا ثبوت، وارڈ سے باہر ایک گوشے میں سفید لٹکا برا کوٹ، کوٹ کی جیب میں بیٹری اور لگے میں سیٹھو سکوپ آڈیٹاں، سفید کوٹ کے سامنے سفید کوٹ، راز داروں کی کھسر پھر، فلورنس نائٹ انگل سپرٹ، فٹائل اور فارمین کی بدبوئیں دبے دبے تھپتھپے، ہال کے اندر وارڈ کے عین وسط میں آہنی میز پر گدلی میلی شیشیوں میں عجیب و غریب قسم کی تھرامیٹر، میز کے پیچھے ایک کرسی اور کرسی کے اوپر ایک ادھیڑ عمر فلورنس نائٹ انگل کی ہمزاد نہایت خاموشی سے میز پر پتے پھیلائے، پیشین کھیل میں مصروف ہے، چہرے پر اکتاہٹ اور پیشین کے بجائے بے عینی۔ اس کی دائیں اور بائیں آنکھوں کی سیدھ میں دونوں طرف بستروں کی لمبی قطاریں اور ہر قطاریں سے اٹھتا ہوا شور، ادھ، اصطبل میں غلطی سے انسانوں کو باندھ دیا گیا ہے، میز سے کچھ فاصلے پر بستر پر سے کوئی کراہ رہا ہے، ہائے سانس گھٹ رہا ہے، ہائے آکسین... سن لو کیا سنوں؟ ایک مدت سے بہت کچھ سن رہی ہوں، اس نے سارے پتے میز پر پھیلا دیئے ہیں، درد تو سب کے دل میں اٹھتا ہے تم بوڑھے ہو میں کیا کر سکتی ہوں؟ آکسین! سارے سلنڈر خالی ہو چکے ہیں اب سارے جہان کی آکسین چوسنا چاہتے ہو؟ ہائے! میرے سر میں خون کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ میں کیا کروں؟ میں نے صبح سے یورین پاس نہیں کیا۔ میں یہ غلیظ کام نہیں کر سکتی۔ اپنا انڈنٹ ساتھ لانا چاہیے تھا، ہائے میرے زخموں میں پیپ پڑ گئی ہے۔ جانوروں کی طرح کیوں چیخ رہے ہو؟ اکثر یہاں دوائی نہیں ملتی تو کسی اور جگہ چلے جاؤ، صبح سے چیخ چیخ کر دماغ چاٹ لیا ہے۔ میں اکیلی سارے جہان کے مریضوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی، اسے

کیوں نہیں بلاتے جو باہر کو لے میں کھڑی عشق لڑا رہی ہے، صبح سے ایک گیم بھی مکمل نہیں کر سکی، مجھے اس خدمت کا کیا صلہ ملنا ہے؟ بیس سال اس قید خانے میں گزارنے کے بعد وہی ہوں جو بھرتی ہوئی تھی۔ میرے زخم ہلکے کر دو گرنہ میں ساری پیپ پی جاؤں گا۔ میرا سارا بدن مغزوح ہو چکا ہے۔ معالج کو ملا کر میرا علاج کیا جائے نہیں تو میں یہ معاملہ انتھائیٹریٹک لے جاؤں گا، ہم انباروں میں انتظامیہ کے خلاف بیانات دیں گے۔۔۔۔۔ ہمارے ساتھ انسانی سلوک کیا جائے ورنہ ہم بنادت کر دیں گے، ایک ایک چیز توڑ دیں گے، ہم اب بے اثر دوائیاں نہیں کھائیں گے، پہلے ہی بدلتی گندم کھا کھا کر ہمارے معدے سوجھ گئے ہیں، ہم ہسپتال کے ذریعے اپنے مطالبے منوائیں گے۔۔۔ ہم اپنے علاج کی قیمت بیمار نسوں کی صورت میں ادا کریں گے، ہمیں ہمارے کے کی قیمت دی جائے، ہم یہاں مدتوں سے قید ہیں نہ صحت ملتی ہے اور نہ رہائی۔ ہمارے گھروں سے پیغام آیا ہے کہ انتہا شکم سے نکل کر سردی تک جا پہنچی ہے۔ باہر انارح بہت مہنگا ہو چکا ہے اور ہمیں مشقت کرنے کی اجازت نہیں دی جا رہی، ہم یہاں ہیں اور گھروں میں ہماری عورتیں کئی مرتبہ حاملہ ہو چکی ہیں۔ ہم صحت نہیں موت مانگتے ہیں، چاہے جنازے کی صورت میں ہمیں یہاں سے باہر نکالا جائے، مجبوروں کی زندگی سے موت بہتر ہے۔۔۔۔۔ یہاں واقعی ہنگامہ ہونے والا ہے نجف و نزار مراد لفظوں میں بے پناہ قوت اٹھتی آرہی ہے لیکن ذکاوت ہے؟ اس احتجاج میں مجھے اس کی آواز سنائی نہیں دی، یہ وہی ہال ہے جس کا مجھے پتہ دیا گیا ہے بیڈ نمبر ۱۳۔۔۔۔۔ غالباً وہی ہے۔۔۔۔۔ پروفیسر، پروفیسر، میں نے اس کے بستر کے قریب جا کر اسے مدھم بچے میں دو تین مرتبہ پکارا۔ کون؟ اس نے بمشکل کھڑی سی واٹھی والا چہرہ میری طرف کر کے جواب دیا ہے: مجھے بچانو، ہاں، پروفیسر میں تمہارا منتظر تھا۔ آپ نے کم سے کم اپنی بیماری کی مجھے اطلاع تو دی ہوتی۔ ہوں، اس سے کیا فائدہ؟

جنہیں اطلاع ہے وہ کون سے آگئے ہیں۔ گھر سے بیمار داری کے لیے کوئی نہیں آیا؟
 نہیں میں خوش ہوں کہ موت کے وقت میں تنہا ہوں۔ یہ سب کچھ ایک دم کیسے ہوا؟
 سنا ہے کہ کچھ دنوں سے میرا توازن ہائے میرے سینے میں . . . ڈاکٹر کو
 بلاؤں۔ نہیں مجھے یہاں زبردستی لایا گیا ہے۔ میں یہاں زندگی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ ڈاکٹر
 کیا کہتا ہے؟ یہی کہ موت نزدیک ہے۔ میں چھ دن سے مسلسل شراب پی رہا تھا، ایک
 دم کچھ چکر سا آگیا، آنکھ کھلی، دیکھا تو ہسپتال میں ہوں۔ آپ آرام کریں، کسی چیز کی ضرورت
 ہو نہیں کچھ نہیں، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ پردیس میں واقعی مرنے والا
 ہوں؟ نہیں خیر کی بات کریں، مجھے اس قید خانے سے باہر لے چلو، میں کھلی فضا میں مرنا چاہتا
 ہوں، ہائے میرا سانس رکنا جا رہا ہے، پانی پانی، آپ نے اپنے ساتھ یہ زیادتی کی ہے۔
 ہاں زندگی نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اُف، مجھے موت کیوں نہیں آتی، میں بہت
 عذاب میں ہوں، اب زیادہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا اس لیے میں نے دوائیاں
 کھانے سے انکار کر دیا ہے۔ خودکشی کے ذریعے موت کی خواہش زندگی سے فرار ہے۔
 آپ تو بڑی زبردست قوتِ مدافعت کے مالک ہیں۔ نہیں، کچھ نہیں، میں بہت
 ذلیل ہوں، کمینہ ہوں، تم آج کل کیا کر رہے ہو؟ وہی جو آج کل ہر پڑھا لکھا شخص کرتا
 ہے . . . بیکار اور بیکار، کسی کی کرم فرمائی کی سزا بھگت رہا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ
 بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن میری طبیعت ساتھ نہیں دے رہی، میں تم سے
 بہت شرمندہ ہوں، میں بہت کمینہ ہوں، میں نے زندگی میں دولت اکٹھی کرنے کے
 لیے تمام حربے استعمال کئے ہیں، میں فرداً فرداً ساری انسانیت سے بدلہ لینا چاہتا تھا اس
 لیے میں نے کسی سے تعلق اور محبت پیدا نہیں کی، زندگی نے مجھے تنہائی کی قید میں پابند
 کر کے مجھے رونے کی کوشش کی، میں دولت کے ذریعے قوت حاصل کرنا چاہتا ہوں
 کیونکہ اس کے علاوہ کوئی پائیدار حقیقت نہیں ہے۔ میں وہ سکون ڈھونڈنا چاہتا ہوں

جو ناپید ہے۔ بس بس، یہ باتیں بعد میں کریں گے، نہیں میرا آخری وقت اچکا ہے اس کے بعد موقعہ نہیں ملے گا۔ میں تمہارا بہت ممنون ہوں کہ تم نے میرے ساتھ بہت ہمدردی کی ہے، میرے تمام منصوبے خاک میں مل گئے ہیں، پورا ایک لاکھ روپیہ جمع نہیں کر سکا، میں یہ حسرت لیے جا رہا ہوں، مجھے معاف کر دو، میں تمہارا قاتل ہوں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ہم بہت اچھے دوست رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہے ہیں۔ میں نے حقیقت کا مکروہ چہرہ دیکھ لیا ہے، میں نے باپ کی جائیداد غصب کی ہے! ہر ایک کے خلاف خبریں پہنچاتا رہا ہوں! ————— نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ حقیقت ہے پروفیسر مجھے شاعر مت سمجھو۔ یعنی آپ نے خیر میرے ساتھ آپ نے ایک وعدہ کیا تھا، میں، مجھے یاد ہے مجھے پتہ تھا کہ تم عبادت کے بہانے مجھ سے تقاضا کرنے آؤ گے۔ تقاضا، آپ کے بقول اگر آپ کی وجہ سے میں بے روزگار ہوا ہوں تو میں پھر حق دار ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں میں اپنے گاڑھے پسینے کی کمانی تمہیں کیا کسی کو بھی نہیں دے سکتا۔ یہ میرے ساتھ قبر میں جائے گی اور اس سے میرا بدن داغا جائے گا! پانی پانی۔۔۔۔۔ بس سسٹرا سے کچھ ہو گیا ہے۔ اس کے منہ سے ایک دم خون کا فوارہ پھوٹ پڑا ہے میں نے اُگے بڑھ کر اس کے ہولناک منہ میں پانی ڈالنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ زخمت ہو چکا ہے۔ میں نے تو لیے کے ساتھ اس کا منہ صاف کر کے آنکھیں بند کر دیں۔

اس نے بیزاری سے ناش کپتے میز پر ٹنچ دیتے ہیں اور اس کے بستر کی طرف آہستہ آہستہ اُگے بڑھ رہی ہے۔ اس کا زرد چہرہ ایک دم نیلا ہو گیا ہے، میرا سانس رکنے لگا ہے۔ میں ایک دم سر جھٹک کر باہر نکلنے کی کوشش میں ہوں، بہت تیز جاگ رہا ہوں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایک قدم من من کا ہو چکا ہے۔ بیمار قیدی مجھے ہانکتا دیکھ کر قہقہے لگا رہے ہیں، دیکھو وہ پنج کر جا رہا ہے۔ ایک بیمار قیدی نے میرا راستہ

روک دیا ہے : میں بھی کبھی تمہاری طرح کسی کی عیادت کو آیا تھا ، پھر مجھے یہیں روک
 لیا گیا مجھے تمہارے خون کی ضرورت ہے ، مجھے بلڈ کیمنسر ہے ، کسی نے میرا
 وامن پکڑ کر التجا کی ہے ۔ کیمنسر بیماری نہیں حالت ہے ، اگر تم یہاں نہیں روک گے تو
 سب بیماریاں مل کر تم پر حملہ کر دیں گی ۔ آنکھوں کے سامنے بیماریوں کے جراثیموں اور
 وائرسز نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر میرا راستہ روک دیا ہے ۔ پیچھے ہٹو یہ بے
 وقت کا ملاقاتی کہاں سے آ گیا ہے ، چوکیدار اسے باہر نکالو ۔ عمارت کی گھڑی رات
 کے آٹھ بج کر ایک جھٹکے سے خاموش ہو گئی ہے ۔ غالباً اس کا سپرنگ ٹوٹ گیا ہے ۔

غالباً یہ کال بیل سجاوٹ کے لیے ہے اگر اس میں ذرا سی زندگی بھی جوتی تو یہ اپنے وجود کی اطلاع دیتی، انتظار، انتظار اور مسلسل انتظار۔۔۔ غالباً تیسری یا تیرا کا انجام بھی ناکامی کا مقدر لیے ہوئے ہے، میں بھی کتنا کینہ ہوں کہ اپنے مقاصد کے لیے انسانی تعلقات کو آزمائش میں ڈال کر اپنا اور انسانی فطرت کا تمسخر اڑاتا ہوں، اصل میں قصور میرا ہے کہ میں اپنی تربیت کے زیر اثر انسان کو بنیادی طور پر نیک سمجھتا رہا ہوں شاید اس کا اثر ابھی تک باقی ہے کہ میں بلا سوچے سمجھے توقعات کا پلندہ لے کر کال بیل کے جواب کا منتظر ہوں۔ اب انسانی تجربے نے تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک پر اعتماد کرنے کی بجائے شک کرنا چاہیے اور پھر شک کو رفع کرنے کے بعد اعتماد کے بارے میں سوچنا چاہیے، کوئی بھی جہلی خصلت ساتھ لے کر نہیں آتا، میدان ہستی میں انسان بنام انسان کے ذریعے خصلتوں کی تشکیل ہوتی ہے، یونگ اور جینیٹکس سب ڈھکوسلے ہیں، زندگی بذات خود ایک ڈھکوسلہ ہے۔ ہر ایک دوسرے کو ٹھگتا ہے، میں بھی بستر مرگ پر اس کو ٹھگنے گیا تھا۔ کئی مرتبہ اسے کہا تھا: دیکھو اس سرمایے کو اسی ارض فانی کی نذر کر دو ورنہ قبر میں یہی سکے تمہارے جسم پر داغے جائیں گے، وہ ضعیف الغفل کی طرح کافی دیر تک ہنستا رہا تھا۔ میں چھوٹا سا تارون ہوں، سارا خزانہ سر پر لا کر ایک دن یک نخت زمین میں دھنس جاؤں گا اور تم مجھے حیرت سے دیکھتے رہو گے، اور پھر اپنے آپ سے کہو گے: دولت میں کتنی قوت ہے، اس سے سب کچھ خریدا جاسکتا ہے، باقی سب فراڈ ہے، یہ کال بیل بھی فراڈ ہے، اگر اب اس کی ریبدن آئی تو میں ایسے قدموں

واپس چلا جاؤں گا، بے عزتی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے، اندر سے باتوں کی آوازیں آرہی ہیں لیکن راستہ طور پر اس کال بیل کی آواز کو نہیں سنا جا رہا ہے، مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے غالباً اسے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مجھ پر سایہ ہے، سایہ ہما نہیں سایہ زراغ کی زد میں ہوں۔ ایک میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس انگریزیاں لیتی ہوئی خادمہ باہر نکلتی ہے: فرمائیے واپس کس سے ملنا ہے؟ مس نزہت سے۔ آپ کی تعریف؟ کہہ دیجئے کہ میں —، میں کون؟ اس میں پہننے کی کون سی بات ہے؟ لیکن بابو جی میں اندر جا کر کیا کہوں؟ تم مجھے کچھ پاگل مگتی ہو، کبھی کبھی۔ بھی انہیں اندر آنے دو، نزہت نیم وا دروازے میں سے منہ نکال کر ہنستی ہوئی اندر چلی گئی ہے اور نوکرانی حیرت سے کندھے سیکڑ کر میری رہنمائی کرتے ہوئے مجھے ڈرائنگ روم میں لے آئی ہے، نزہت مجھے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود کسی کمرے میں غائب ہو گئی ہے، اس نوکرانی کا ردیہ کافی گستاخانہ تھا غالباً، میری وضع قطع سے اس نے مجھے ایرا غیر سمجھا ہے، وہ یقیناً میرے اصل چیلے سے واقف نہیں ہے، لیکن یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس طبقے کے لوگ عدا گستاخی کا سبق اپنے نوکرانوں کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد نزہت ساتھ والے کمرے میں نمودار ہوئی ہے۔ ڈرائنگ اور ڈائننگ رومز کو گلاس ٹائلون کا باریک پردہ جدا کرتا ہے، پردے کے پیچھے نزہت کا سلہوٹ منہ دکھائی دے رہا ہے۔ وہ غالباً پریکٹس میں بڑی سرعت سے کافی بنانے میں مشغول ہے، وہ میری غیر متوقع آمد سے حیران ضرور ہوئی ہوگی کیونکہ ٹائم ٹیبل کے مطابق مجھے اس وقت فورٹھ ایئر آنرز کی کلاس میں ملٹن کی پیراڈائنز لاسٹ کا دوسرا باب شروع کرنا تھا، وہ اندھا شاعر بھارت سے محروم ہو کر زندگی کو ڈھونڈنے کی بجائے فردوسی گم گشتہ کا متلاشی رہا، نزہت بڑی انسان دوست لڑکی ہے، تمول کے ساتھ سولگزم کا شوق بھی رکھتی ہے۔ اس کا باپ شہر میں تمول کی وجہ سے بہت مشہور ہے، ایک

دو فلاحی اداروں کی صدارت کا شرف بھی رکھتا ہے، دو تین بینکوں کا جزوی مالک بھی ہے۔ بقول نربت کے اسے باپ کے متول سے نفرت ہے کہ دن رات انفرانش کے منصوبوں میں ہمتن مصروف رہتا ہے۔ اسے اور خانہ داری میں صرف اس قدر دلچسپی ہے کہ اسے وقت پر کھانا ملتا رہے۔ نربت نسل کی نمائندہ ہے وہ اپنے باپ کے خلاف نہیں ایک مخصوص نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہے، چند سال قبل متول خاندانوں سے پیغام آئے تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ اس طبقے کے تضاد کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ ابتدا میں وہ مبہم لہجے میں رمزدگنایہ میں کچھ کہتی رہی مگر میں نے کوئی خاص توجہ نہ دی، ایک دن کہنے لگی: تم بھی عجیب بونوق ہو۔ کیوں؟ تم چاہو تو تمہیں اچھا مستقبل مل سکتا ہے۔ دیکھو نربت میں نے کبھی اس بولناک چیز کے بارے میں سوچا نہیں۔ تم لا ابالی بے مغز پروفیسر ہو۔ چاہو تو میرے ڈیڈی کے بزنس میں شامل ہو سکتے ہو، تمہیں صرف ارادہ کرنا چاہیے۔ میں ہاں یا نہ کہنے بغیر اس طرح خاموش ہو گیا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، اور ایک دن میں ایک ویران باغ کے پتھر لیے پنج پر بیٹھے ہوئے اسے تکنے لگا جیسے اس سے پہلی مرتبہ ملا ہوں۔ میں کالج کے زمانے میں اچھا مقرر تھا۔ ایک شام نربت لڑکیوں کے کالج کی ٹیم کے ساتھ کالج میں آئی، وہیں تعارف ہوا جو تدریج دوستی میں بدل گیا اور ہم کچھ سوچے سمجھے بغیر رستورانوں، سینماؤں اور پارکوں میں ملنے لگے، ایک شام وہ کہنے لگی: شادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ نیک خیال ہے۔ کیا مطلب تمہارا؟ میں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کا مطلب تم انبار مل ہو۔ ان معانی میں نہیں جو تم سمجھتی ہو، بہت بے حیا ہو۔ دیکھو نربت بات یہ ہے کہ شادی بذات خود ایک ہمل ادارہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فی زمانہ ایک اقتصادی مسئلہ ہے۔ یہ کھاتے پیتے طبقہ کا مشغلہ ہے، ہر طرف گرانی ہی گرانی ہے اگر تم اسے جسمانی ضرورت کے لیے ضروری

سمجھتی ہو تو جلی خواہش اور طرلقوں سے بھی پوری کی جاسکتی ہے، میں جنسی خواہش کی تکمیل کو اخلاقیات کا جزو سمجھنے کی بجائے اسے معاشرتی مسئلہ سمجھتا ہوں، مجھے معاف کرنا میں جذبات کی رو میں سجانے کیا اول فول بک رہا ہوں، مگر اس کے باوجود مجھے اپنے نظریات کی صداقت پر یقین ہے، تمہارے اور میرے درمیان طبقاتی بعد حائل ہے۔ دیکھو پروفیسر میں خود اپنے طبقے سے باہر نکلنا چاہتی ہوں، یہ افراط زر کا پیدا کردہ ہے یہ موجود صورت حال کی مصنوعی شکل ہے۔ نہ بہت سمجھنے کی کوشش کرو، ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں اٹھ کر جانا ڈرائنگ روم سے باہر روم میں جانے کے مترادف نہیں ہے، انسانی طبائع طبقات کے ذریعے ہی جنم لیتی ہیں، تم اور میں ایک تضاد ہیں اور ہمیشہ اسی صورت میں زندہ رہیں گے، نہ بہت مجھے معاف کر دو میرا دماغ کچھ چکرانے لگا ہے، تباؤ میں تمہیں کیا کہہ رہا تھا؟ یہ میری اور اس کی آخری ملاقات تھی۔ غالباً دو ماہ ہو چکے ہیں، میں نے اس دوران میں ایک دو مرتبہ ٹیلیفون کیا مگر وہ کتراسی گئی، اس نے میری بسی تقریر کا صرف آنا جواب دیا تھا: پروفیسر تمہارے لیے میل دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہے، اسی آواز کی گونج مجھے یہاں لے آئی ہے، اس لیے کچھ نام بھی ہوں اور کچھ پریشان بھی۔

اوہ، پروفیسر تم کہاں سے آن چکے؟ کیوں میری آمد تمہیں کچھ ناگوار گزری ہے؟ لا حول ولا کیسی فضول بات کی ہے، تم نے اپنا حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟ تم تو بڑی مستحیق قسم کی چیز تھے؟ ہاں، بوہمنزم، اپنی جگہ پر ٹھیک ہے پر شیو کرنے اور کپڑے تبدیل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کافی کیوں نہیں پیتے، ٹھنڈی پوری ہے۔ ہاں واقعی بڑی لذیذ ہے۔ . . . بڑا موقع تان کر گھر آئے ہو؟ کیوں؟ گھر میں اس وقت کوئی نہیں ہے، ڈیڈی آفس گئے ہوئے ہیں اور می شاپنگ کے لیے صبح صبح ہی نکل گئی تھیں۔ تم اتنے تباہ حال اور خاموش کیوں ہو؟ نہیں تو، سناؤ کیا حال ہے؟ بس ٹھیک

ٹھاک ہے تم میرا خط ملنے پر آئے ہو؟ کون سا خط؟ ایک ہفتہ پہلے لکھا تھا تمہیں، واقعی نہیں ملا؟ اور کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں، گھر میں کسی نے اڑالیا ہوگا۔ پروفیسر یہ بڑا برا کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ کیا سمجھیں گے؟ یہی کہ تم میری دوست ہو اور اس کا تو سب کو کافی پہلے کا پتہ ہے۔ میں کہتمیں ایک خاص مطلب کے لیے خط لکھا تھا۔ واقعی؟ ہاں میرا ایک کزن کمپنیشن کا امتحان دے رہا ہے، اس نے انگریزی ادبیات کا مضمون بھی لیا ہوا ہے، اس سلسلے میں تم سے کچھ نوٹس لینے تھے۔ اسے گھر بیچ دینا میری کتابیں بالکل فارغ ہیں! میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔ کیا تمہیں واقعی ہی نہیں پتہ؟ کیا؟ کچھ نہیں، میرا مطلب ہے کہ تم سے بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوتی ہے۔ پروفیسر تم مقابلہ کا امتحان کیوں نہیں دیتے؟ میں اور امتحان ہاں، تم مجھے یہ مشورہ دے رہی ہو؟ ایک نئی تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ تو پھر ساری عمر بوڑھے طوطے کی طرح رول نمبرز میں رول نمبرز تیس کرتے رہو گے ہی ہی۔۔۔ میں یورو کریسی سے گھبراتا ہوں، اس لفظ سے میرے ذہن میں سرخ فیتہ ناچنے لگتا ہے، تم بھی یورو کریٹ ہو تم نے سرخ رنگ کا ربن بانڈھا ہوا ہے۔ تم آج کل یورو کریسی سے اوبسید معلوم ہوتے ہو؟ نہیں اس کا شکار ہوں، مجھے سرخ فیتے کے ذریعے پھانسی دی گئی ہے۔ لیکن تم تو ابھی تک زندہ ہو۔ نہیں میں مر چکا ہوں۔ رومانی بننے کی کوشش مت کرو۔ نہیں میں پہلی مرتبہ حقیقت سے روشناس ہوا ہوا ہوں، تم خوش فہمی کا شکار ہو تم بحیثیت ایک بیکچائر کے اسی یورو کریسی کے ایک آلکار ہو۔ ہرگز نہیں۔ اچھا تم جو نصاب پڑھ رہے ہو اور جن معاشرتی اقدار کا درس دیتے ہو کیا ان کا تعلق موجودہ حقیقت سے ہے؟ تم جن شرائط کے تحت ملازمت کر رہے ہو وہ کس کی بنائی ہوئی ہیں؟ نہ بہت تم تضاد فکری کا شکار ہو۔ ایک ہی سانس میں تضاد اور حمایت کا موقف اختیار کر رہی ہو۔ نہیں میں نے اپنا موقف ہرگز نہیں بدلا۔ ایک فرد واحد نظام کو نہیں بدل سکتا۔ اس میں یہ کہ اس کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی قفتھ کالمسٹ

بن کر۔ تم مجھے سرسید کی تعلیم مت دو، یہ رویہ محض ایک بودا کمپیوٹرائز ہے، اب تبدیلی
 کا چلن بدل چکا ہے، اب صرف باہر رہ کر ہی تبدیلی ممکن ہے۔ پروفیسر تم ریڈیکلسٹ
 ہو، یہ خواب دیکھنے چھوڑ دو، میں تو یہ ماننے پر بھی آمادہ ہوں کہ سنی اور غیر سنی سب کے
 سب ادارے ایک ہی کڑی کے سلسلے میں کیونکہ تمام کے پیچھے ایک ہی ذہن کا فرما ہے
 اور ہر جو اس سے متعلق ہے اس منصوبے کی تکمیل میں مصروف ہے اور وہ منصوبہ
 استحصال کا ہے، ہر وہ جوان اداروں کے ذریعے کسب معاش کرتا ہے اس سارے
 میں برابر کا شریک ہے، لیکن یہ سازش کس کے خلاف کی جا رہی ہے؟ مفاد پرستوں
 کی عوام کے خلاف۔ پروفیسر یہاں ہر شخص خواہ وہ حاکم ہے، محکوم ہے، چھوٹی بڑی
 سطح پر ایشمین کا رد ادا کر رہا ہے۔ ایشمین نے اپنے ٹرائل میں بھی یہی موقف
 اختیار کیا تھا کہ وہ تو ہٹلر کا کارندہ تھا اور اس نے لاکھوں یہودیوں کا قتل ہٹلر کے
 کہنے پر کیا تھا۔ اس نے صرف حکم کی تعمیل کی تھی، ہر منفی حکم کی تعمیل ایشمین فعل
 ہے۔ نزہت تمہارے نظریات میں جوش اور صداقت دونوں ہیں، مگر تم قربانی کیوں
 نہیں دیتیں۔ اس لیے کہ میری قربانی رائیگاں جائے گی، منفی نظام میں فرد واحد کی
 قربانی محض شوخرم ہے۔ یہ استحصالی رویہ ہے! میں اس تضاد سے باہر نکلنا چاہتی
 ہوں، لیکن تم بار بار گھڑی کیوں دیکھ رہی ہو؟ مئی ابھی تک نہیں آئیں۔ اچھا میں چلتا
 ہوں۔ نہیں کچھ دیر اور بیٹھو مجھے ٹھیک گیارہ بجے شہناز کی طرف جانا ہے، ابھی
 چند منٹ ہیں۔ نزہت میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں، کیسی معافی؟ میں نے تمہارا
 دل بیت دکھایا ہے۔ میں تمہاری بات نہیں سمجھی؟ بننے کی کوشش مت کرو، میں
 دراصل زندگی کے اس موڑ پر آگیا ہوں جہاں مجھے معنویت کی ضرورت ہے۔ میں
 بے مقصد زندگی سے تنگ آگیا ہوں، تنہائی کی یلغار نے میرے اعصاب کو جکڑ لیا
 ہے، طرح طرح کے خدشے میرے سر پر بھنبھار رہے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ صبر

جاؤں؟ کیا کروں؟ تم مجھے راستہ دکھاؤ۔ پروفیسر کوئی کسی کو راہ نہیں دکھاتا، سب چلنے والے ہیں، مگر تمہیں ایک دم رومانی ہونے کی کیا سوجھی؟ تم میرا مذاق اڑانا چاہتی ہو؟ تم نے خود ہی کہا تھا کہ در افراد کی ضرورت سے زیادہ قربت سے متلی ہوتی ہے۔ لیکن نزہت تم نے مجھ سے طرح طرح کے وعدے کئے تھے، مگر تم نے خود ہی سب کے سب ٹھکرا دیئے تھے، واقعات اپنی تکرار نہیں کرتے ہر ایک واقعہ ایک مخصوص سیاق و سباق سے جنم لیتا ہے، نزہت تم بھی مجھے بدلے ہوئے سیاق و سباق کی کہانی سمجھو نہیں تم وہی ہو جو پہلے تھے۔ نہیں میں وہ نہیں ہوں، میں ایک بے سہارا گداگر ہوں، میں اپنی بازی ہار چکا ہوں، میں مشکوک، پسندیدہ شخص ہوں، مجھ پر شک کیا گیا ہے، مجھ پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ زندہ رہنے کے لیے قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔ تم سمجھتی ہو میں بھوٹ بول رہا ہوں، مکر رہا ہوں۔ پروفیسر تم بیمار معلوم ہوتے ہو، تمہیں آرام کی ضرورت ہے میں تمہیں ٹرانگولائزر پیش کر سکتی ہوں، کیوں؟ کس لیے؟ میں کچھ نہیں چاہتا ہوں، آخر پریشان کیوں ہو؟ مجھے ملازمت سے علیحدہ کیا جا چکا ہے، کب؟ تم نے اس کا ذکر تک نہیں کیا؟ بات کیا ہوئی؟ یہی کہ میں سیاسی ہڈیاں بچنے کا عادی ہوں۔ یہی کہ میں طلباء کے ذریعے بدامنی پھیلانے کا مجرم ہوں، یہی کہ موجودہ نظام کے خلاف نفرت پھیلا رہا ہوں۔ اس نضا میں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ تو محض الزام معلوم ہوتا ہے۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اچھا اب کیا منصوبے ہیں؟ مجھے خود ان کا علم نہیں ہے۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟ تم بہتر جانتی ہو! اگر روپے پیسے کی ضرورت ہو تو میں ہر طرح حاضر ہوں! نزہت میں بھکاری نہیں ہوں۔ مجھے یوں ذلیل مت کرو میں انسان ہوں! میرا مطلب بے ڈنڈی آجائیں میں ان سے تمہاری ملازمت کے سلسلے میں بات کروں گی، نزہت مجھے کچھ اور چاہیے! مجھے خود اس کا علم نہیں ہے۔ نہیں تم بھوٹ بول رہے ہو خود فریبی کا شکار ہو تمہیں معلوم ہے کہ کیا چاہتے ہو۔ ہمت کر کے کہو! کچھ نہیں، کچھ

نہیں! بس کرو میرا دماغ پھٹ جائے گا! اگلے ماہ میری شادی ہو رہی ہے، پروفیسر
شرکت کرو گے! نہرت! اچھا خدا حافظ

ظلم ٹوٹ چکا ہے، میں سافلیں کی صف میں سے ہوں، میں رازدہ ہوا ہوں، اس سارے
کینے جہاں میں میرے لیے کچھ نہیں ہے کوئی بھی مجھے اپنا نہ کے لیے تیار نہیں ہے سب
مصیبتیں ایک مصیبت بن گئیں ہیں۔ میں تقو کے ہوئے کو چاٹ رہا ہوں۔ اس نے اپنی تنک
کا بدلہ لے لیا ہے، مجھے جان بوجھ کر ذلیل کیا ہے، زندگی اب کہہ رہی ہے کہ میں اس
کا ساتھ چھوڑ دوں۔ نہیں اتنی جلدی نہیں، میں نے ابھی زندگی کا مزہ نہ چننا ہے اسے کیفر کردار
تک پہنچانا ہے، اگر مر تواتی میرا حل ہے تو یہ مجھے قبول کیوں نہیں کرتی، میرے سینے کے
عین وسط میں درد کی تیز چیمیں اٹھی ہے، یقیناً خون کا دباؤ بڑھ رہا ہے، ڈاکٹر کہتا ہے: یہ
صرف نفسیاتی عارضہ ہے عارضے کے عارضے ہونے کا شعور ہے اور کچھ نہیں ہے، میں کہتا
ہوں: یہ کچھ تو ہے وہ ہنس کر کہتا ہے: اینگزائیٹی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، میں بیمار
بدن کے ساتھ زندگی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، نہیں مجھے اس بیماری کے ساتھ ہی سب کچھ
سہنا ہے، میں بیمار نہیں ہوں، یہ زندگی خود بیمار ہے، یہ سورج بھی بیمار ہے، یہ زمین
بھی تپ زدہ ہے، دونوں کی حرارت میرے بدن میں سرایت کر گئی ہے، مجھے بخار نہیں ہے
میری گردن میں ہرگز اکڑن نہیں ہے، میرا تیسرا سفر نہیں تیسری یا تراسرا انجام کو پہنچی ہے۔
مجھے اب کس طرف جانا ہے؟ ہر طرف ایک راستہ جاتا ہے، گھر؟ نہیں، ریسٹوراں! ہرگز
نہیں، پھر کہاں؟ کچھ پتہ نہیں۔ آخر ارد گرد کے لوگ تو کہیں جا رہے ہیں، یہ موٹریں دیوانہ وار
کیوں بھاگ رہی ہیں؟ یہ سب راتے کہہ کر جاتے ہیں؟ ٹریفک کا نیٹیل سے پوچھوں؟
نہیں! یہ کون سینہ کو بی کر رہا ہے؟ کیسا شیون ہے! ہائے ہائے، اس سڑک کے سینے
پر کس کی آوازوں کا سفر ہے؟ کالے قانون ختم کر دو! بیک، مہنگائی ختم کر دو! یونین بنانے
کا حق دیا جائے! نیلے پیلے سرخ پرچم آگے بڑھ رہے ہیں: مہنگائی الائنس دو! ٹریڈ یونین

کاتھ دیا جائے! ہم سر پر کفن! بندھ کر آئے ہیں! خوشامدیوں اور ابن الوقتوں کے لئے موت! خون کا بدلہ خون! یہ بہت بڑا جلوس ہے مجھے اس کی رونق میں اضافہ کرنا چاہیے! نہیں، میرا نام پتہ درج ہو جائے گا، بزدل! جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے، نام پتہ کیا ان کے پاس میرا شجرہ نسب بھی ہوگا۔ مجھے اس جلوس میں شامل ہونا چاہیے، میں زیادہ دیر ایک خاموش تماشا بنی نہیں رہ سکتا، یہ لوگ بھی میری طرح مصیبت زدہ ہے، تنگ آکر اپنا حق مانگ رہے ہیں، مجھے ہر صورت میں شرکت کرنا چاہیے، میں نے اُسے دیکھ لیا ہے وہ جناح کیپ پہنے میری طرف دیکھ رہا ہے، وہ اکیلا نہیں ساری خلقت مجھے دیکھ رہی ہے، کافی مہینوں سے جلوس جلوس کا سلسلہ چل رہا ہے، یہ ایک شہر تک محدود نہیں سارے شہر اس کی لپیٹ میں ہیں، تبدیلی کی خواہش خارش کی طرح سارے بدن پر ابھر آئی ہے، یہ تاریخ کا وہ مل ہے جو دس سال سے بظاہر دکھایا ہوا معلوم ہوتا تھا، ہر ایک ہی سمجھتا تھا کہ تاریخی حرکت، سب نظریات باطل ہیں، وقت سو گیا ہے، ہر ایک کے لئے زندگی اتنی کٹھن بنا دی گئی ہے۔ لیکن تاریخ نے زندہ ہونے کا ثبوت دیا ہے، یہ بیماری پھیل چکی ہے، شہروں کی صحت کے لئے بلڈ ٹرانسفوژن کی ضرورت ہے، تمام دوائیں اور دوائیں بے اثر ہو چکی ہیں، اور میں اور میں ان سب کے درمیان کیا کر رہا ہوں؟ ... سامنے کی جانب سے سخت باری شروع ہو چکی ہے، ہوا میں لالٹھیاں لہرانے لگی ہیں، مائیکروفون پر منتشر ہونے کی دارینگ دی جا چکی ہے، وہ جناح کیپ پہنے ہوئے میری طرف لپک رہا ہے، اس کے اور میرے درمیان آنسو گیس کا گولہ پھٹا ہے، وہ چھینکتا ہوا پیچھے ہٹا ہے، میری آنکھیں بھی جلنے لگی ہیں، میں اور وہ دھوئیں کی دیوار کے پیچھے ایک دوسرے کو تلاش کر رہے ہیں۔ آج کا دن واقعی میری زندگی میں بڑی اہمیت کا مالک ہے، آپ کو شاید اس بات پر سنسی آئے کہ میری زندگی بھی کسی اہمیت کی مالک ہو سکتی ہے، کیوں نہیں میری زندگی کے گرد بھی چند واقعات منڈلا رہے ہیں شاید وہ کسی تغیر کے مظہر ہیں، اسی لئے ہیں

کچھ ترفیع محسوس کر رہا ہوں! عجیب مادہ ہے کہ جب ذہن میں کسی قسم کا منصوبہ ہو تو
 میں اپنے آپ کو بہت مسرور اور اہم سمجھتا ہوں۔ دراصل سارے دن ایک سے ہونے ہیں
 صرف توقع اور مصروفیت ان کو اہمیت دیتی ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ محسوس کیا ہے کہ میری زندگی
 میں واقعات کی بڑی قلت ہے، میں نے بہت سی سوانح عمریوں کا مطالعہ کیا ہے، ان میں افراد
 کی زندگیاں طرح طرح کے ایڈونچرز سے معمور ملتی ہیں، اور جب اپنے بارے میں فکر کرتا
 ہوں تو کافی حیرت ہوتی ہے کہ مجھے کیا ہوا ہے کہ یا تو میں غوک کی طرح سست ہوں یا
 زندگی میں ایڈونچرز کی کمی ہو گئی ہے، ہر ایک دن کو دوسرے دن سے منفرد ہونا چاہیے
 اگر سارے دن ایک سے ہیں تو پھر ایک کو دوسرے سے کیسے جدا کیا جاسکتا ہے؟ ایک
 ہی طرح کے شب و روز اور ایک ہی طرح کے عوامل کی تکرار زندگی کو مہل تکرار بنا کر
 بے دلی کو جنم دیتی ہے؛ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ زندگی میں دو طرح سے تغیرات وقوع
 پذیر ہوتے ہیں: یا تو فرد خود کسی فعل کا ارتکاب کر کے واقعہ کو جنم دیتا ہے یا پھر دوسرے
 کے افعال سے خود متاثر ہوتا ہے، جہاں تک میرا تعلق ہے میں دوسروں کو متاثر کرنے
 کی بجائے خود زیادہ متاثر ہوتا ہوں اور یہ رویہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ میری ذات
 میں فیصلیت کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے، اس سے ایک نتیجہ اور بھی نکلتا ہے کہ میری زندگی
 بھی کسی طور ایک عام انسان سے مختلف نہیں ہے جو بلا سوچے سمجھے زندگی بسر کرنے پر تلا
 ہوا ہے۔ زندگی کو بسر کرنے کا کوئی نہ کوئی اسلوب ہونا چاہیے، مجھے اس کا خیال اس وقت
 آیا جب زندگی مجھ سے چھین چکی ہے، یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو تمام تر میرے حلقہ اختیار
 سے باہر ہے۔ میں اس کے بارے میں صرف غور کر سکتا ہوں مگر اس کے اثرات سے
 محفوظ نہیں رہ سکتا، کم سے کم اس واقعہ کا مثبت پہلو یہ ہے کہ میری زندگی میں ایک طرح
 کی تحریک پیدا ہوئی ہے، میں اب کچھ نہ کچھ کرنے پر آمادہ ہوا ہوں۔ میری زندگی کا سب
 سے اہم اور پہلا واقعہ میری برطرفی ہے، میں دراصل لفظ واقعہ کو مخصوص معانی میں استعمال

کر رہا ہوں، اسی لئے اس کی غیر معمولی توضیح پر مصر ہوں۔ اس واقعے نے اب اور بہت سے واقعات کو جنم دیا ہے۔ اب دیکھتے ہی دیکھتے میری زندگی غیر متوقع واقعات کا مجموعہ بنتی جا رہی ہے۔ میں نے اپنی پڑتال شروع کر دی ہے!

میرا شعور بیدار ہو چکا ہے: میں زندہ ہوں، یہ نہیں کہ میں پہلے مردہ تھا بلکہ یہ کہ میں نے فعلیت کا رشتہ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، میں اب خود متاثر ہونے کی بجائے دوسروں کو متاثر کروں گا، مگر کیسے؟ مجھے زندگی کی دوڑ سے باہر نکال دیا گیا ہے، زندگی شعبوں میں تقسیم ہے ان سے آزاد ہو کر فعلیت ممکن نہیں ہے، بالفاظ دیگر، زندگی کا شعور پیدا ہوتے ہی ایک تضادی صورت نے جنم لیا ہے، میں فعلیت پر آمادہ ہوں مگر سب شعبے میرے لئے اس قدر تنگ ہو چکے ہیں کہ وہ میری فعلیت قبول کرنے سے قائل ہیں، دراصل اپنے ہونے کا شعور اپنے آپ اور دنیا سے جدائی کا لمحہ ہے جس میں دنیا اپنے ہونے کو محسوس کرنے کا وہ تضادی معروض ہے جس کا وجود علیحدگی کے باوجود ہونے کے لئے ناگزیر ہے، اور میرا شعور اس تضادی معروض سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، چنانچہ علیحدگی اور وابستگی کا دوہرا عمل شعور میں زیست کا وہ سانچہ ہے جس نے آج مجھے زندگی کو نئے زوایے سے دیکھنے پر مجبور کیا ہے کہ میں بھی زندہ رہنے کے لئے ایک مخصوص اسلوب کو جنم دوں اور زندگی کو بطور ایک ذمہ داری کے قبول کروں۔ یہ میرے تصوراتی منصوبوں کی پہلی منزل ہے، میں نے یقیناً انہیں عمل کی صورت میں منتقل کر کے سوچ اور عمل کی خلیج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا کہ میرے معترضوں کی زبان بندی ہو سکے، لیکن یہ غور کا مرحلہ ہے! کیا میں ایکسٹرورٹ ہوں کیا اپنی زندگی اس طرح بسر کروں کہ دیکھنے والوں کی نگاہ سے ہمیشہ خائف رہوں؟ مجھے اس معاملے میں کچھ غلط فہمی ہونی ہے کیونکہ ایکسٹرورٹ صرف ظاہری نمائش پر نگاہ رکھتا ہے اور اقدار کے مسئلے کو نظر انداز کر دیتا ہے، معاف کیجئے میں ایکسٹرورٹ اور انٹرورٹ کی بے پردہ اصطلاحات میں الجھ کر رہ گیا ہوں، ہر کیف میں اس ہرزہ سرائی کے توسط سے ایک نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اپنی مرضی کے مطابق

زندہ رہنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا نظر آتا ہے۔ لیکن کیا میں اپنی مرضی کے مطابق زندہ رہ سکتا ہوں؟ میں اس کا جواب پھر کبھی دوں گا۔

آج کا دن واقعی میری زندگی میں کافی اہمیت کا مالک ہے۔ گھبرائیے نہیں، میں اس کی اہمیت کا عقدہ جلد ہی واکرنے والا ہوں۔ میری خانگی زندگی ان معانی میں خانگی نہیں ہے کہ میں کسی خانگی اکائی کا سربراہ ہوں بلکہ ایک طرح سے میں بھی کسی ایک خاندان سے وابستہ ہوں جس کا شجرہ نسب کسی بھی اعتبار سے کسی اہمیت کا حامل نہیں ہے، گننام اور غیر اہم افراد کا سلسلہ ہے جو نہ تو اپنے آباء پر نمازاں ہے اور نہ ہی کسی متاثر شخصیت سے تعلق کا دعویٰ دار ہے۔ اس اعتبار سے میں بھی رشتوں کے تناسب میں ایک سیاق و سباق کی حیثیت رکھتا ہوں، یعنی بیک وقت بہت سی حیثیتوں کا مالک ہوں اور ہر حیثیت کے خول کو بادل نخواستہ پہننے پر مجبور ہوں۔ میں اس خانگی سلسلے کا ایک سلسلہ ہوں جس نے کبھی خوش حالی کا مزہ نہیں دیکھا ہے اور ہمیشہ مالی دباؤ کے تحت گھٹن کا شکار رہا ہے۔ اس وقت میرے گھر میں وہی طوائف الملوک کی ہے جو آمریت کے خاتمے پر ہوتی ہے، انتخابی کے محو ہوتے ہی نفسا نفسی کا عالم، ایک دوسرے سے آزادی کی خواہش، باپ کی وفات کے بعد جو نقشہ میرے گھر میں ہے اسی کا عکس باہر کی دنیا میں نظر آتا ہے۔ خانگی زلیت کیونکر تمدنی احوال سے محفوظ رہ سکتی ہے؟ گھر کی چار دیواری کی اوٹ میں ہر شخص دوسرے سے چھپ کر اپنی عادات کو مخفی رکھنا چاہتا ہے لیکن خارجی تمدن کی موجیں اس عارضی حفاظتی دیواروں کو بچاند کر اندر آجاتی ہیں، چنانچہ گھروں کی حالت وہی ہے جو گھروں سے باہر کی دنیا میں ہے، گھر کی دنیا باہر کی دنیا بن گئی ہے۔ دراصل میرا گھر ایک نفسیاتی کلینک کی مانند ہے، ہر ایک نیورانی اور ہر ایک دوسرے کے لئے سرخ جھپٹے کی حیثیت رکھتا ہے، سب ایک دوسرے سے تنگ بھنگ، زوہ مشعل، اور ایک دوسرے کی جذباتی سطحوں سے لائق، ہر ایک دوسرے کو اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار تصور کرتا ہے۔ باپ کی زندگی کے دوران گھر کی ساری فضا میں کچھا ڈاؤر فردگی کی پیہم کیفیت چھائی رہتی اور ہر ایک دوسرے سے بیزار رہتا

ہے کیونکہ گھر کی داخلہ اور خارجہ پالیسی اور جملہ معیشت ایک شخص کی محتاج تھی جو ہر بات میں مطلق العنان تھا۔ کسی قسم کی مخالفت کو برداشت نہ کرتا اور آخری عمر میں اپنے طبعی زوال اور مالی بحران کو گھر کی مخالفت رہایا کر بے راہ روی کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ عجب اتفاق ہے کہ وہ اپنے تمام تراعات کے باوجود اپنی اولاد اور بیوی سے محبت نہ کر سکا تھا بلکہ وہ محبت کرنے کا اہل نہیں تھا۔ آزادی ملک سے قبل اس نے ہندوستان کے ایک قصبائی شہر میں دو چھوٹے چھوٹے مکان تعمیر کئے تھے جس کے عوض اس نے اپنا موجودہ مکان حاصل کیا تھا۔ اس کی شخصیت ایک طرح کے چھوٹے پن اور غلط قسم کے احساس نفرت کا شکار تھی، اس میں اس کا بھی اتنا قصور نہیں کیونکہ وہ ایک نادار گھرانے کی پیدائش تھا اور توقع سے زیادہ بہتر ملازمت ملنے پر اسے ہمیشہ فخر رہا کہ اس نے ایک ایسا حق پھین لیا ہے جس کا وہ مستحق نہیں تھا۔ میرے باپ کی زندگی بھی ایک شخص کی داستان ہے جو متوسط طبقے کی اخلاقیات کا شکار تھا اور وہ چیز حاصل کرنا چاہتا جو عموماً اس طبقے کی دسترس سے باہر سمجھی جاتی ہے۔ دراصل اس کی زندگی دو طبقاتی ادیزش کا مجموعہ تھی: وہ ذاتی جدوجہد سے اٹھا، مفلسی کے جنگل سے نکل کر متوسط طبقے میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگا تھا، پھر اس طبقے کو تنگ سمجھ کر اوپر چڑھنا چاہتا تھا مگر مالی وسائل کی مجبوری نے اس میں عجب طرح کی بے بسی پیدا کر دی تھی، شاید وہ اپنی ملازمت کے ذریعے منقول بن جانا مگر وہ کسی زمانے میں خلافت تحریک سے متعلق رہ چکا تھا۔ اس کی پرورش ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں مذہب کی گرفت تمام دوسری چیزوں پر حاوی تھی، وہ مذہبی معاملات میں بڑی شدت کا حامل تھا، وہ اپنی ذات کی تمام تر شدت کو مذہب کے ذریعے قابو میں لانا چاہتا تھا۔ میں نے کبھی اسے جوان نہیں دیکھا کیونکہ میں اور میرے بہن بھائی اس کی چوتھی بیوی سے ہیں، بڑھاپے یا ادھیڑ عمر کی اولاد میں بڑھاپہ نہ صرف بذات خود ایک عذاب ہے بلکہ اس شخص کے لئے قیامت سے کسی قدر کم نہیں ہے جس نے محدود وسائل میں جکڑی ہوئی طویل زندگی اس امید میں بسر کی ہو کہ

بڑھاپے میں کوئی غیبی قوت مدد کے لئے آئے گی، مگر کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ جو
 کچھ نقد سرمایہ تھا وہ اپنی سب سے چھیتی اور پہلی بیوی کے لڑکے رحیم کے گرتے ہوئے
 کاروبار کی نذر کر دیا۔ آخری عمر کی اولاد، تنگ دستی اور بیماری نے اس میں ایک طرح
 کا احسان گناہ بھی پیدا کر دیا تھا۔ پنشن پر آنے کے بعد صورت حال پہلے سے بھی دگرگوں
 ہو گئی تھی، چوتھی بیوی کی اولاد کی کفالت اس کی اخلاقی ذمہ داری تھی! چنانچہ وہ ہم بہن بھائیوں
 کو ناپسند کرتا تھا کہ ہم بڑھاپے کی مصیبت اور ضرورت کی صورت میں اس کی آخرت خراب
 کر رہے تھے۔ وہ بیٹھے بیٹھے کھانے کے برتن زمین پر پٹچ دیتا کہ کھانے میں نمک زیادہ ہے،
 نیم شب اٹھ کر روتا کہ موت قریب ہے اور اس کا ایمان کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ وہ عادات و
 خصال کے اعتبار سے غیر متمدن تھا، اپنے سے کم رتبہ شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔
 اپنی تمام تر کرخگی کے باوجود وہ رحیم کے بارے میں بڑا نرم دل واقع ہوا تھا۔ بعض رشتہ داروں
 کا خیال ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی سے اس کے تمول کی وجہ سے محبت کرتا تھا اور رحیم
 سے محبت پہلی بیوی کا شکریہ ادا کرنے کے مترادف تھی۔ میری ماں راوی ہے کہ اس نے
 اپنی خالہ سے یہ سنا تھا کہ میرے باپ کی پہلی شادی کے وقت گھر کا اثاثہ چند چار پائیوں پر
 مشتمل تھا، شادی کے بعد گھر کی کائنات بدلی، کچھ رحیم کی ماں کا تمول اور کچھ قبل از وقت مکان
 ترقیوں نے میرے باپ کی زندگی میں خوش حالی کا بیج بویا تھا، شادی کے دو سال بعد رحیم
 پیدا ہوا اور اس کی پیدائش اس کی ماں کی موت کا پیغام ساتھ لائی۔ رحیم کی پرورش کے لئے
 اس نے دوسری شادی کی لیکن ٹھیک ایک سال کے بعد وہ ہمینہ کی وبا میں میرے باپ کو
 داغ مفارقت دے گئی، پھر اس نے تیسری شادی کی مگر میری میری ماں اور باپ کے مزاجوں
 میں اختلاف کی بدولت چھ ماہ کے اندر یہ شادی علیحدگی کی صورت میں ختم ہو گئی۔ اس نے چوتھی
 شادی میری ماں سے کی۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں میرے والدین کے طابع میں بعد الطریقین
 تھا، عمروں کا تفاوت، طبقاتی اختلاف اور رحیم کی پرورش کا مسئلہ، یہ وہ چند واقعات

تھے جو ان دونوں کے درمیان حائل تھے۔ دوسری طرف میری
 ماں ایک معمولی گھرانے سے تھی جس کی پرورش اور شخصیت میں کسی قسم کا کوئی
 بھی امتیاز نہیں تھا۔ میں نے بچپن سے لے کر باپ کی موت تک دونوں کو لڑتے جھگڑتے ہی دیکھا
 ہے۔ میری ماں کی تمام عمر اس کی محکومیت میں بسر ہوئی ہے، وہ سرریوں کی بیخ بستہ راتوں
 کو اٹھ کر میرے باپ کے دوستوں کی مہمان داری کرتی، ذرا سی چوک پر اس سے بید کما کر
 خاموش رہتی اور اپنے کسی بچے کے بستر میں منہ پیٹ کر صبح تک سسکیاں لیتی۔ باپ کی وفات
 پر مجھے ماں کے رویے سے کسی قدر حیرت بھی ہوئی کہ اس نے ایک آنسو بھی نہ بہایا اور نہ
 ہی اس کا کوئی رشتہ دار تعزیت کے لئے آیا تھا۔ میرے باپ نے وفات کے وقت ترکے
 میں افلاس کے علاوہ کچھ نہ چھوڑا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پنشن کے بعد جو کچھ ملا
 وہ رحیم کی نذر ہوا۔ مجھے آج تک پتہ نہیں چلا کہ رحیم کا کاروبار کس نوعیت کا ہے، البتہ
 ضرور سنا ہے کہ رحیم کوٹے کی لت ہے۔ وفات سے قبل میرے باپ نے اس مکان کو
 رہن رکھ کر رحیم کے لئے ایک بینک سے دس ہزار روپے قرض لئے تھے۔ رحیم رقم کا منتظر
 تھا، روپے ملتے ہی ایک دم کویت چلا گیا اور آج تک اس کا سراغ نہیں ملا؛ خدا کا واسطہ
 ہے اپنا حق مہر بخش دو، میں نے تمہارے اور تمہاری اولاد کے ساتھ بہت زیادتیاں کی
 ہیں، امجد کو کہنا کہ بینک کا قرضہ قسطوں میں ادا کر دے، تم رحیم کا خیال رکھنا نہ جانے وہ
 اس وقت کہاں ہے؟ وقت نزاع میرے باپ نے میری ماں سے یہ کہا اور دم توڑ دیا۔
 باپ کے مرتے ہی سب پر قیامت ٹوٹی، ہر ایک نے یہی سوچا کہ اب کفالت کون کرے گا؟
 سب کی نظریں امجد کی طرف اٹھیں، باپ کی وفات کے وقت امجد کی شادی کو پہلا اور
 ملازمت کو پانچواں سال تھا، وہ محکمہ نمبر میں بطور اسسٹنٹ ملازم ہوا تھا اور گزشتہ پانچ سالوں
 سے اسی عہدے پر فائز ہے۔ ہر سالانہ ترقی ملنے کی خوشی میں اس کی بیوی شمیم ایک عدد بچے
 کو جنم دیتی ہے، ماشاء اللہ چار بچوں کا باپ ہے۔ ابتدا میں ماں کی شمیم سے چمڑ ہو گئی تھی

اتنی لڑکیوں کا تو اترا نخواست کی نشانی ہے، لیکن اس کے باوجود اس نے زیادہ احتجاج نہ کیا
 کہ امجد ہی تمام گھر کا کنیل ہے، باپ کی وفات کے دوسرے سال مجھے لازمیت مل گئی تو ماں کا
 حوصلہ بندھا اور شمیم پر کھلے بندوں تنقید کرنے لگی، جواباً ایک دو مرتبہ شمیم نے بھی علیحدگی کا اعلان
 کر دیا مگر میرے بیچ بچاؤ سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ شمیم کے لئے جنگ کا دوسرا محاذ میری
 دو بہنوں کوثر اور رضیہ نے گرم کیا۔ رضیہ امجد سے ایک سال چھوٹی اور مجھ سے تین سال بڑی
 ہے، دونوں بہنوں کی یہی خواہش رہی ہے کہ شمیم ان کی اطاعت گزار رہے اور ماں کی خدمت
 کرے، شمیم کا یہ موقف رہا ہے کہ اس کی شاہی ہوئی ہے لازمیت کے لئے اس گھر میں نہیں
 آئی ہے۔ گھر کے تمام افراد میں رشید سب سے لاپرواہ اور لا تعلق ہے، اس کا گھر سے تعلق صرف
 ضرورتوں کی تکمیل تک محدود ہے، میں اور امجد مل جل کر اس کی تعلیم کے اخراجات اٹھاتے
 رہے ہیں۔ باپ کی وفات کے بعد ماں کی گھر میں حیثیت مرکزی ہے، میں نے اس میں
 ایک عجیب و غریب تبدیلی دیکھی ہے کہ پہلے کبھی کبھار وہ اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کیا
 کرتی تھی مگر اب ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے اور اکثر خاموش رہتی ہے۔ وہ اپنی اولاد
 میں اس طرح بٹ گئی ہے اور معلوم نہیں ہے کہ وہ کس کے ساتھ ہے اور کس کی مخالفت
 کر رہی ہے، اس نے کبھی میرے کسی معاملے میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی مجھے کبھی یہ
 محسوس ہوا ہے کہ ماں سے رشتہ عام رشتوں سے مختلف ہے، ویسے بھی گھر کے دوسرے افراد سے
 میرے تعلقات رسمی زحمت کے ہیں، اس میں کسی ایک کا قصور نہیں ہے، شروع ہی سے ہم بہن
 بھائی ایک دوسرے سے اس طرح ملتے ہیں جیسے دینگ روم میں مسافر گاڑی کے انتظار میں کسی
 خواہش کے بغیر رسمی انداز میں ایک دوسرے سے مصروف گفتگو ہوں، گھر کا ہر ایک فرد دوسرے
 تک پہنچنے سے گریز کرتا ہے، جب بھی گفتگو کا آغاز ہوا اس کا انجام خوفناک جھگڑے کی صورت
 میں ہوتا ہے۔ میں ابھی تک وجہ اختلاف دریافت نہیں کر سکا، ہر ایک یہی کہتا ہے کہ اس
 نے اس گھر کی سالمیت کے لئے اپنا مستقبل ختم کر دیا ہے۔ میں خانگی معاملات میں اکثر خاموش

رہتا ہوں کیونکہ میں ان کی زبان نہیں سمجھتا اور ان کے درمیان اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہوں
میں ان میں سے نہیں ہوں، یہ تمام کے تمام ڈمی ہیومنائیزڈ ہیں! ابھی کل ہی
کی بات ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر شمیم کا لہجہ تیز ہو گیا اور سب کی موجودگی میں امجد سے
سے کہنے لگی: اس روز روز کی لڑائی سے ایک فیصلہ کر لینا بہتر ہے۔ امجد ہم کب تک تین
سو کی آمدنی میں سات آٹھ افراد کا پیٹ پال سکتے ہیں ہمارا مستقبل کیا ہے؟ ہاں! ابھی
تم میرے چھوٹے بھائی ہو برا نہ منا کب تک یونہی بیٹھے رہو گے؟ امجد: بیکاری میرے بس
کی بات نہیں، میں پہلے ہی محسوس کر رہا ہوں کہ میں تم لوگوں پر ایک بوجھ بن گیا ہوں میں
جلد ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تم کیوں جانتے ہو میں اپنے بچے لے کر نکل جاتی ہوں، یہاں
سے باہر نکل کر مجھے بھی احساس ہو گا کہ میرا گھر بھی آباد ہوا ہے۔ شمیم خاموش رہو! تم حکم
چلانے والے کون ہو؟ ہمارے کمرے توڑنے والے ہمیں ہی آنکھیں دکھاتے ہو، جوان ہو
کوئی کام کیوں نہیں کرتے! دیکھو یا عورت کی بات کا برا مت منانا اصل میں میرے بچے
کچھ زیادہ ہیں اور مکان بھی کسی حد تک تنگ ہے تمہارے لئے مکان تنگ
ہے تو میرے لئے یہ جہاں تنگ ہے، اگر تم یہاں رہنا نہیں چاہتے تو کوئی تمہیں مجبور نہیں
کر سکتا۔ چلو، تمہارے کہنے پر یہ مکان چھوڑ دیتا ہوں، ویسے بھی میں ملازم ہوں اور تم
زیر نگرانی ہو میں خواہ مخواہ غائب میں آ جاؤں گا۔ چلو امجد سامان باندھیں . . . کوثر، رضیہ
اور ماں محفوظ کمرے میں خاموشی سے یہ گفتگو سنتے رہے۔ شام کو امجد نے مجھ سے کہا: چونکہ
اب اس مکان کے مالک تم ہو اس لئے بینک کے قرضے کی قسطیں بھی تم ہی ادا کرو، یہ
لو بینک کا نوٹس

آج کا دن مکمل خاموشی میں گزر گیا ہے، آج کا دن واقعی میری زندگی کا بڑا اہم دن ہے
امجد کی روانگی اور بینک کے نوٹس نے ایک دوسرے کا خلا پورا کر دیا ہے، بچوں کا پاگل
کردینے والا شور اور روز روز کی نوک جھونک ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی ہے۔ بھائی

جان! کیا بات ہے کوثر؟ آپ کو معاملہ نہیں سے کام لینا چاہیے تھا۔ ہمارا کیا بنے گا؟ میں جگہ ضرور لڑاؤں گا مجھے حوصلہ دو۔ پروفیسری نے تو تمہارا دماغ چلا دیا ہے صبر سے کام لینا چاہیے تھا میرے بیٹے کو ناراض کر دیا ہے۔ ماں، میں پاگل ہوں میں نے اسے گھر سے باہر نکالا ہے نہیں بھائی جان تم خاموش رہو میں تمہارے اور رشید کے داخلے کا بندوبست کروں گا، ماں تم سب کے پیٹ کی آگ اپنے کو فروخت کر کے بچاؤں گا، فکر مت کرو تم سب سمجھتے ہو کہ میں بیکار ہوں، میں عتاب میں ہوں، اس لئے رزق کے سب دروازے مجھ پر بند ہو چکے ہیں، تم لوگوں نے مجھے پاگل کر دیا ہے رضیہ کی تباہی کا میں ذمہ دار ہوں رشید کی گھر سے مسلسل ذمہ داری کا سہرا بھی میرے سر ہے، ہر سختی مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔۔۔۔۔ میں واقعی منحوس ہوں، میری پیدائش بھی واقعی منحوس دن ہوئی تھی، میرے ہر معاملہ میں کوئی نہ کوئی الجھن پیدا ہو جاتی ہے، بظاہر تنخواہ کا وقت پر نہ ملنا کتنی معمولی سی بات ہے۔ اسے دفتری اتفاق کہا جاتا ہے، میں نے جب بھی کوشش کی ہے کہ مجھے وقت پر تنخواہ ملے اتنی ہی دیر سے ملتی ہے۔ یہ میرے الجھاؤ کی ایک نہایت ہی ادنیٰ سی مثال ہے۔ ابھی چند ماہ برے رضیہ کی شادی کا سلسلہ چلا تھا اس میں میری ذرا سی مداخلت سے کام بگڑ گیا، میں ہرگز مداخلت کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ رشتہ مجھ سے چھپا کر کیا جا رہا تھا ایک دن میں بی اے کی کلاس پڑھ رہا تھا کہ کسی نے مجھے کلاس سے باہر اشارہ کر کے بلایا میں باہر نکلا تو وہ کہنے لگا: آپ سے ضروری کام ہے، میں نے کہا: فرمائیے، معاف کیجئے پروفیسر صاحب، ہے تو بڑی بے موقع اور معیوب سی بات لیکن میں ذرا جلدی میں ہوں۔ معاف کیجئے، آپ کی تعریف؟ میں حمید کا والد ہوں، کون حمید؟ آپ اسے نہیں جانتے؟ نہیں، وہ رضیہ کے سلسلے میں ۰۰۰ اچھا اچھا فرمائیے، بات تو کچھ معیوب سی ہے مگر زندگی کا سوال ہے قبلہ محترم۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ دراصل حمید کی زندگی کا سوال ہے۔ شیخ صاحب اس موضوع پر گفتگو کے لئے گھر زیادہ مناسب ہے۔ میں پہلے ہی

بہت شرمندہ ہوں کس بات پر؟ یہ آپ کا اخلاقی فرض تھا کہ شادی کی تمام تفصیلات طے کرنے سے پہلے ہمیں درست کرائف بتائے جاتے۔ میرا خیال ہے شیخ صاحب آپ سے کچھ مخفی نہیں رکھا گیا کیا یہ درست ہے کہ رضیہ بیٹی مرگی میں مبتلا ہے؟ جی ہاں نہیں، اچھا بہت بہت شکریہ، اس شکریہ کے ساتھ ہی سارا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا، دوسرے ہی دن انہوں نے صاف جواب بھیج دیا، گھر کے ہر فرد کو حیرت ہوئی میں نے راز کشانی کی تو سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑے کہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے، میں نے بڑی وضاحت سے اپنے موقف کا اظہار کیا: اول تو آپ سب نے نہ معلوم وجوہات پر ساری بات مجھ سے مخفی رکھی، مجھے اس کا گلہ نہیں ہے کیونکہ میں نہ تو آپ کے معاملات میں دخل دینا پسند کرتا ہوں اور نہ جانتا ہوں کہ آپ میرے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کریں، بہر کیف میں نے دانستہ طور پر کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ آپ نے رضیہ کی بیماری کو چھپا کر ان کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ امجد میرے جواب پر تیز ہو گیا: میاں تم کو بلخ کس نے بنایا ہے، دنیا میں کون سچ بولتا ہے سب کام بس ایسے ہی چلتے ہیں اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے مابعد تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ رضیہ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ تیرا استیئناس ہو جائے ماں نے چیخ کر کہا: تو ہم سب کا دشمن ہے میرے بڑھاپے کا خیال کر لیا ہوتا، میں نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا، اس واقعہ کے بعد ان تمام افراد سے میرا تعلق واجبی سا ہو گیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے دانستہ طور پر رضیہ کا مستقبل تباہ کیا یا محض ایک غلطی سرزد ہوئی ہے، رضیہ کی بیماری ایک ایسی حقیقت ہے کہ وہ خود اس سے منکر نہیں ہو سکتی، وہ بغیر کسی وجہ کے دکھ اٹھا رہی ہے، اس کی بیماری کو سب نے لا علاج بتایا ہے کیونکہ وہ پیدائشی طور پر اس مرض کو ساتھ لے کر آئی ہے۔ اگر اس کے علاج کی طرف شروع سے توجہ دی جاتی تو شاید اس کی دماغی حالت وہ نہ ہوتی جواب ہے، میرے باپ نے کبھی اس کی طرف توجہ نہ کی تھی جب بھی اس کے اعصاب میں کچھاؤ پیدا ہوتا تو وہ سر میں شدید درد کا اعلان کر کے زمین پر

لوٹیاں لینے لگتی، سانس میں سانپ کی پھنکار پیدا ہو جاتی اور منہ سے جھاگ بہنے لگتا تو اس جلدی سے اسے جوتی سوگھاتی اور آیات پڑھنے لگتی، قریب نصف گھنٹے کے بعد وہ ہذیانی کیفیت میں بیدار ہوتی اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتی۔ شروع شروع میں پانچ چھ مہینے میں یہ دورہ پڑھتا مگر پھر تدریجاً اس کی فراوانی میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ جب سے اس کی شادی کی بات ختم ہوئی ہے ہر دوسرے تیسرے دن اس پر یہی کیفیت طاری ہوتی ہے، پچھلے ہفتے میں اسے الیکٹرک شاخس کے لئے ہسپتال لے گیا تھا جس سے اس کی دماغی حالت کچھ دنوں کے لئے بہتر ہوئی مگر پرسوں وہ سوتے میں ایک دم چیخ اٹھی؛ مجھے وہ بزدگ اپنی طرف بلارہا ہے، مجھے حج کے لئے جانے دو، رشتہ نہیں ٹوٹا مجھے اپنے گناہوں کی سزا ملی ہے مجھے چھوڑ دو چھوڑ دو مجھے عبادت کرنے دو، میں نے اسے ایک دم جھنجھوڑ کر جگایا، ایک دم چیخ اٹھی تم میرے قاتل ہو، پیچھے ہٹ جاؤ، تم بے ایمان ہو، بے عقیدہ ہو تمہارے کپڑوں سے پٹیاب کی بو آرہی ہے۔۔۔۔۔۔ اس دن میں نے اپنے آپ سے پوچھا: کیا تم واقعی بے عقیدہ ہو؟ میں کچھ کہہ نہیں سکتا، آپ کی وفات کے بعد میں نے اس مسئلے پر سوچنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ میں اب عقیدہ کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتا ہوں، رضیہ کو واقعی میرے کپڑوں سے پٹیاب کی بو آنی چاہیئے، اس رات میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا اور خوف سے واقعی پٹیاب کے چند قطرے بستر پر نکل گئے تھے، میں نے آخر اس احساس جرم کو کچل دیا مگر ایک اور احساس جرم نے اپنی جگہ بنالی؛ میں رضیہ سے ہرگز حسد نہیں کرتا ہوں وہ بیماری کے آسیب میں ہے، وہ ایک ایسا عذاب پھیل رہی ہے جس کی ذمہ دار وہ نہیں ہے۔

آج کا دن واقعی میری خانگی زندگی میں بڑا اہم ہے، آج کے دن میرے منہ کا ذائقہ بے حد کڑوا ہے نہ معدے میں کوئی خرابی ہے اور نہ ضرورت سے زیادہ سگرٹ پیئے ہیں، محض منہ کا ذائقہ کڑوا نہیں بلکہ اپنے آپ میں ایک تبدیلی محسوس کر رہا ہوں کہ یہ سب ترتیب بگڑتی جا رہی ہے، زندگی کا چلن میرے ساتھ بدل گیا ہے، اس میں لاکھ کے شہر میں

ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری واردات میں شریک ہو کر ہمسفری کا دم بھر سکے، میں ابتدا ہی سے کوئی دوست بنانے میں ناکام رہا ہوں، کچھ تو باپ کی ملازمت کچھ اس نوعیت کی تھی کہ سال ایک شہر میں اور پچھ مہینے کسی دوسرے شہر میں، ویسے بھی میں کسی کو اپنے قریب لانے یا کسی کے قریب جانے سے گھبراتا ہوں۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ میں اپنے گرد تصورات کی ایسی دنیا بنائی ہوئی ہے کہ اکثر دیشتر مجھے کسی دوسرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اب ہنسی بھی آتی ہے کہ میرے اور زہبت کے تعلقات بھی عجیب و غریب قسم کے تھے، نہ نزدیکی تھی اور نہ دوری، بس تعلق کا ایک سلسلہ تھا جو چلا جاتا تھا، اس مرحوم سے بے تکلفی کے باوجود تعلقاتی سطح پر ایک طرح کا رکاوٹ تھا، جہاں تک شاید، حمید اور سکندر کا تعلق ہے، ان سے کالج کے زمانے میں کافی گپ شپ تھی مگر کالج کے بعد تعلقات شام کر ریتوران میں سیاسی اور ادبی گپ شپ تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ اب پچھلے پندرہ مہینے دن سے میرا کوئی پرسان حال نہیں ہے، میں ہی کسی کو ملنے جاؤں تو کوئی ملتا ہے مگر نہ کوئی مجھے ملنے نہیں آتا۔ میری افادیت ختم ہو چکی ہے، اگرچہ پہلے بھی بطور پیکرار میں چنداں افادیت کا حامل نہیں تھا، تاہم کھوٹے پیسے کی طرح اتھاٹا کے دنوں میں کام آتا تھا۔ اب سرے سے میری افادیت معدوم ہو چکی ہے، بعض دفعہ مجھے اپنے آپ سے گھٹنے لگتی ہے کہ میں واقعی اتنا ناکارہ ہو چکا ہوں کہ اپنے کام بھی نہیں آسکتا۔ دراصل میرا اپنے آپ سے رشتہ بھی افادی قدروں کے زیر اثر آچکا ہے، میرا اپنے آپ سے تعلق ثانوی ہو چکا ہے، یہ میرے شخصی زوال کا ایک جزو ہے میں نے اپنے تقاضوں کو ضروریات کے نیچے کچل دیا ہے۔ دراصل میرے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے میں اس کا مستحق نہیں تھا، ادہ! احساس جرم تقویت پکڑ چکا ہے، رضیہ کا قتل اور اکسانے کا ناقابل فہم جرم! میرا ہر فعل میرے اندر چھپے کسی جرم کو ہوا دے رہا ہے، میرے اندر انتقام اور زندگی کو فتح کرنے کے بھیاںک منصوبے جنم لے چکے ہیں، ان کے سامنے تبدیلی گہرے ہونے جا رہے ہیں، ثانوی تعلقات نے مجھے مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا

ہے۔ مجھے پہلے بہت سی چیزوں سے اختلاف تھا لیکن ہمیشہ مصالحت اور مفاہمت کو ترجیح دیتا تھا لیکن اب میری طبیعت آمادہ فساد معلوم ہوتی ہے، نہیں ابھی نہیں مجھے صبر اور قناعت سے کام لینا چاہیے، لیکن قناعت ضرورتوں کا پیٹ نہیں بھڑکتی، اگر قناعت واقعی قابل عمل فلسفہ ہے تو میرے ارد گرد کی مخلوق ہر کس کی خاطر دیوانہ کیوں ہو گئی ہے؟ کوئی بھی اپنی حالت پر مطمئن نہیں ہے جس کے پاس ٹھوڑا ہے وہ زیادہ چاہتا ہے اور جس کے پاس زیادہ ہے وہ اور زیادہ چاہتا ہے۔ میں کس طرح قناعت سے پیٹ بھڑلوں؟ قناعت بے بسی کا اخلاقی نام ہے، قناعت کا مطلب ہے، موت، جسے میں سر دست قبول کرنا نہیں چاہتا، نظام زر میں قناعت کا فلسفہ اقتضای محرومی کا بدلا ہوا نام ہے۔ میں آد گون کا قائل نہیں ہوں، اسی دنیا میں سب کچھ چاہتا ہوں، میں سائیش نہیں چاہتا میں صرف حق زیست کی آسائیش چاہتا ہوں۔ میں زندہ رہنے کا یہ موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا کیوں کہ موت کے بعد کی خاموشی کے بارے میں ہر کوئی خاموش ہے، میرا رجعت کے وعدہ پر یقین نہیں ہے کیونکہ ہر شہر کے شہر خموشاں کا رقبہ ہر روز بڑھتا جا رہا ہے۔

آج کا دن واقعی میری زندگی میں بڑا اہم ہے، رشید اپنے سامان اور بیوی بچوں سمیت جا چکا ہے، آنا نا اس گھر کی معیشت خوفناک بحران کا شکار ہو گئی ہے، اس کی رخصتی میرے لئے ایک چیلنج کا درجہ رکھتی ہے میں لاشوری طور پر ہر ایسا قدم اٹھا رہا ہوں جو مجھے تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ مجھے امجد کے وجود سے کم سے کم یہ اطمینان تھا کہ وہ سب کو بھوک کی موت سے بچا سکتا ہے لیکن اس نے یہ فرض ایک ایسے شخص کو سونپا ہے جس سے کسب معیشت کا حق چھین لیا گیا ہے، جسے مشکوک اور ناپسندیدہ سمجھ کر اس لئے علیحدہ کر دیا گیا ہے کہ اس کا وجود معاشرے کے لئے مہلک ہے، میں اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہوں؟ میرے لئے یہ مرحلہ فکر ہے، میں جتنا ذمہ داریوں

سے گھبراتا ہوں اتنا ہی ان کے بوجھ تلے پتا چلا جا رہا ہوں، ذمہ داریوں کا ایجاب ناگزیر ہونا جا رہا ہے مجھے انتخاب کرنا ہی ہوگا، انسانی عمل اور عمل اور عمل بھی برا پیچیدہ عمل ہے کہ ہر حالت اور ہر صورت میں انتخاب ایک ناگزیر ضرورت بن کر ہر ایک کو اعلان پر مجبور کرتا ہے۔ میں بھی کبھی خواہشات کا پلندہ تھا مگر جلد ہی ان تمام کو جسم کے عضو عضو سے نکال کر زندگی کی ایسی راہ اختیار کی جس میں بظاہر تضاد نہیں تھا۔ میں جو چاہتا تھا وہ نہیں کر سکا جو نہیں چاہتا تھا وہ کرنے پر مجبور ہوا اور جب مجبوری کو بطور مقدر قبول کیا تو حالات نے یاد دہانی کی، اب مجھے کچھ نہ کچھ نہ کرنا ہے۔ اب مجھے ہر طرح کا اختیار ہے کہ جو چاہوں کروں لیکن کیا کروں؟ ابھی تک تو کوئی راہ نظر نہیں آئی، صرف یہی جانتا ہوں کہ مجھے اپنے علاوہ دوسروں کا دفاع بھی کرنا ہے۔ انسان انسان پر حملہ آور ہے، انسان انسان کی مصیبت ہے، انسان انسان کو عافیت نہیں دے سکتا۔ اُف، اب تساہل کی گھڑیاں بیت گئی ہیں! ہر لمحے اپنے آپ کو تیار رکھنے کی ضرورت ہے۔ اب زندگی پر جا بڑا نہ حملے کی ضرورت ہے، اب سفاکی اور انسان کشی واردات کا موثر حربہ ہیں، دیکھیں کون بچ نکلتا ہے، میں آگے بڑھتا جاؤں گا کسی سے کبھی مدد طلب نہیں کروں گا، میں ایک دن اتنا طاقتور ہو جاؤں گا کہ سیاست دان اور رسد گیر میری مدد کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکیں گے، میں ان کی بے بسی اور چھپے ہوئے عزائم پر مسکرا کر کہوں گا: تم سب کے سب قابیل کی اولاد ہو میں اپنے مکر سے تمہارا شجرہ نسب ادھیڑ دوں گا، تمہیں بعد میں پتہ چلے گا کہ میں نے اپنی طاقت کے ذریعے تم سب کو بیوقوف بنایا ہے۔ نئے عزم کا ظہور ہو چکا ہے۔ . . . یہ میری خانگی زندگی کا سب سے اہم دن ہے۔

(۵)

۲۹ ستمبر صبح کے آٹھ بجے۔ سورج میں اب وہ جھلسا دینے والی تمازت اور بدن میں وہ کسات نہیں رہی جو ستمبر کے ابتدا میں تھی۔ موسم بڑی سرعت سے بدل گیا ہے مگر میرے سخی حالات میں ابھی تک کوئی تغیر نہیں آیا، البتہ بھوک اور خواہش کو دبانے میں کسی قدر کامیاب ہو گیا ہوں، بعد سے کامنہ سکڑ چکا ہے اور زبان بتدریج ذائقہ بھورہی ہے۔ بار بار بھوک اور بیماری کا ذکر یقیناً بیزار کن ہے لیکن میرے لئے اس کے علاوہ اور کوئی حقیقت بھی نہیں ہے۔ یوں تو میں جس مکان میں رہتا ہوں وہ شہر کے دوسرے مکانوں کے ساتھ ملحقہ ہے اس کے در و دیوار بھی دوسرے مکانوں کی طرح پرسکون نظر آتے ہیں مگر اس کے ممکن سانس تنھائے نیرنگی زمانہ کو دیکھ رہے ہیں کہ رزق کے تمام ویلے کیونکر بند ہو گئے ہیں؟ میں ان کے تجسس کو مطمئن نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بہت طویل بحث ہے۔ میں اس شہر کے لوگوں کے سامنے کبھی دست سوال دراز نہیں کروں گا، ایک خاموش رویے کے ساتھ ہر اس وقت سے انتقام لوں گا جس نے میری تباہی کا پیمان کیا ہے۔ میرے لئے اس زمین میں کوئی کشش نہیں ہے، کشش ثقل کے تمام اصول باطل ہیں۔ میرا وزن نہ ہونے کے برابر ہے پھر بھی زمین میرے بوجھ کو ضرورت سے زیادہ محسوس کر رہی ہے، وہ پہاڑوں گناہوں اور فرعونوں کا بوجھ اٹھا سکتی ہے صرف میرا وجود ہی اُسے اے زمین تیری دستبیں لامحدود ہیں، تو شب و روز، مردوں اور نوزائیدوں کا بوجھ اٹھاتی ہے، بے روزگاروں کو رزق دیتی ہے، سورج تجھے منور کرنے کے لئے لاتعداد میلوں کی مسافتیں طے کرتا ہے، تیرے فراق میں ہر شب ادا اس چاند آسمان کی مخراب سے جھانکتا ہے ساری

زندگی کا تخم تیرے بطن سے اٹھتا ہے، مجھے پناہ دے، مجھے تنہائی کے عذاب سے باہر نکال کر زیادہ مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ عطا کر، میں کب تک مایوسی اور کسی کام کے بغیر مردار کیڑے کے جسم کی طرح بے حس رہوں گا؟ یہ قیامت ہے! یہ بے بسی اور اعتراف شکست ہے، میں عذاب میں ہوں یہ جسمانی خلش نہیں، یہ روحانی درد نہیں بلکہ انسانوں نے میرے لئے ایک صورت حال پیدا کر دی ہے!

اس تناقضی جدیدیاتی صورت حال نے مجھے روند دیا ہے، ہر واقعہ بدشگون کی صورت اختیار کر چکا ہے، یہ نظریاتی جہنا شک گول کھوپڑی کے اندر ہو رہی ہے، الجھاؤ ہی الجھاؤ ہے، ساری کائنات الجھی ہوئی اون کا ایک گولا ہے جس کے دھاگے کھولنے سے زیادہ الجھتے جا رہے ہیں، مجھے کئی ایک نے بتایا ہے کہ باہر کی دنیا پر سکون ہے مجھے یقین نہیں آتا ہے کہ جب میں خود اتنا متلاطم ہوں یہ دنیا کس طرح پرسکون ہو سکتی ہے! میں روکشتیوں کے درمیان کچھ الجھا ہوا ہوں، ایک ہی ذہن میں دو متضاد رویے، ایک نیام میں دو دشمنی، میں وحدت الوجود کا قائل نہیں ہوں، میرے اندر تضاد کا گھمسان ہے، شاید اس لئے کہ زندگی میرے اندر نزاعی صورت اختیار کر چکی ہے، شاید میں اسی لئے اس تضاد کو حل کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں، ہر نیا تضاد نئی جدیدیاتی صورت کو جنم دیتا ہے، مجھے پرامن زندگی بسر کرنے کے لئے تضاد کی خلش کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہیے، میرے ذہن میں صرف باتیں ہی باتیں اور تضاد ہی تضاد ہیں جنہوں نے ہر طرح کی عملیت کو میری ذات سے خارج کر دیا ہے اور میں بہت کچھ کرنے کے باوجود کچھ نہیں کر پایا، دن بڑی تیزی سے گزر رہے ہیں، ہر شخص اپنی صورت حال بدلنے کے لئے کوشش میں ہے! میں آج بے حد مصروف ہوں، ضروری نہیں مصروفیت عملی ہو، کچھ کئے بغیر بھی مصروف رہا جاسکتا ہے، دراصل آج مجھے ذہنی فراغت نہیں ہے، ڈھیر ساری باتوں کے بارے میں غور و فکر کرنا ہے، میں فلسفی ہرگز نہیں ہوں لیکن ہر کام شروع کرنے سے قبل اس کے

تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہوں، آج کل فراغت زیادہ ہے اس لئے ڈبل شفٹ کی فیکٹری ہے، ایک سوچ ختم ہونے سے پہلے دوسری سوچ کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اتنی مصروفیت کے باوجود ۲۹ ستمبر کی صبح کسی قدر سکون کی حامل ہے بالکل اسی طرح جیسے بیماری میں یہی سوچتا ہے کہ بیماری عارضی ہے۔ گذشتہ رات جہنم کی رات سے کسی قدر کم نہیں تھی، اپنی تمام تر عقلیت کے باوجود ساری رات تو اہمات میں گزری، کبھی بیٹھے بیٹھے یہ محسوس ہوتا کہ میرے کمرے سے باہر کوئی دبلے پاؤں چل رہا ہے، کبھی یوں لگتا کہ کوئی میری نگرانی کر رہا ہے، کبھی کمرے کی دیوار پر سائے پھیلنے لگتے اور کبھی کوئی گھٹی ہوئی لسیکیوں سے مجھے اپنی طرف متوجہ کرتا، اور پھر ایک دم تاریک دیواروں پر سائے روشنیوں کا لباس پہن کر رقص کرتے ہیں طرح طرح سے اپنا سچاؤ لیکن ہر مرتبہ خوف مجھ پر غلبہ پالیتا اور میں نیم جان بے بسی میں مدد کے لئے کسی کو پکارنا چاہتا، آواز حلق میں اٹک جاتی، پھر ایک دم ہمت کر کے نیچے اہل خانہ کے پاس جا کر پناہ لینے لگا پر یہ سوچ کر قدم رک گئے کہ یہ محض بزدلی ہے، میں اس حالت میں اپنے کمرے کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا کیونکہ یہ کمرہ میرا پرانا محسن و غمخوار ہے اور ہر رات میں میرا راز دار ہے۔ گذشتہ رات میرا کمرہ سو گیا تھا اور میں ساری رات اس کی حفاظت کرتا رہا تھا، جب میری کچھ پیش نہ چلی تو میں تنگ آ کر نیند کے عمل کا تجربہ کرنے لگا، نیند مجھے ان تو اہمات سے کیوں پناہ نہیں دیتی، میں بالکل بے قصور تھا، البتہ میرا اعصابی نظام حسب معمول مرتعش تھا، اضطراب اور جھجھلاہٹ نے سیما کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ میں نے اس مذابی کیفیت سے نجات پانے کے لئے یہ سوچا کہ میں نہیں ہوں اور وجود سے عاری ہوں، لیکن ایک دم سامنے کی دیوار پر ایک دھبہ نمودار ہوا اور کہنے لگا: اگر تم نہیں ہو تو پھر اس کمرے میں کون ہے؟ میں نے ہڑبڑا کر کہا: میں واقعی ہوں اور اس کمرے میں ہوں، میں نے جنسی اور پھر فلسفہ کی کتابوں کو باری باری اٹھا کر مطالعہ کرنے کی کوشش کی مگر الفاظ ترسیل معانی سے منحرف ہو گئے

اور میں کو رے کاغذوں کو ہکا بکا ہو کر ٹکنے لگا، پھر کمرے کی نیم تاریک فضا سے الفاظ پھدک پھدک کر کو رے کاغذوں پر جم رہے تھے، ایک لفظ نے ہمت کر کے کہا: ہم قائم مقام وجود کے حامل ہیں، ہم صرف زندگی کی نشاندہی کرنے والے ہیں، اصل حقیقت ان راستوں پر بکھری ہوئی ہے جنہیں تم چھوڑ آئے ہو۔ میں نے کہا: میں لفظ زندگی سے عاجز آ گیا ہوں میں نے جلدی سے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور ذہن نے کہیں دور سے ڈھولک کی آواز کو قبول کیا، میں نے اس آواز سے بچنے کے لئے کانوں کو کتابوں سے ڈھانپ لیا، کتابوں کے الفاظ کھلکھلا کر بننے لگے، میں نے جھنجھلا کر دونوں کتابیں فرش پر دے ماریں اور ڈھولک کی بے ہنگم آواز رک گئی، پھر ایک دم ساری فضا مبہم سناٹے میں جکڑی ہوئی تھی، میں نے نیند کی آمد کے لئے اتنی زیادہ کر دئیں بدلیں کہ جسم چھوڑے کی طرح دکنے لگا تھا، سناٹا کہنے لگا: میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں، مگر میں فوراً بدک گیا، سناٹا موت کی دعوت ہے، یعنی میں اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دوں؟ غنودگی کی صورت میں موت اپنا جال پھیلا رہی ہے، میں نے اس کش مکش کو ختم کرنے کے لئے ہپوٹیمک کا سہارا لینا چاہا لیکن میری انا آڑے آئی اور میں نے کہا: فارن ایڈ میری ہتک ہے میں اپنی ہر کمزوری سے مقابلہ کروں گا چاہے خوف مجھے پھیل کر رکھ دے۔ زندگی یا موت میں نے چیخ کر کہا، آواز آئی: کچھ نہیں، میں نے کہا: میں اس طرح پیچھے نہیں ہٹوں گا، میں ابھی تک محو نہیں ہوا، میں جاگتا ہوں، میں جاگتا رہوں گا رالوں، صدیوں، روزِ خشرنگ، ہر گھڑی جاگ کر گزاروں گا۔ اس طرح صبح ہو گئی، رات کا جلا ہوا ٹکڑا، یہ منجمل صبح میرے حصہ میں آئی ہے، اس شرویدہ صبح کے ساتھ مجھے آج کے دن کا آغاز کرنا ہے۔ گذشتہ رات واقعی بے معنویت کی رات تھی میں کبھی اتنا مضطرب نہیں تھا، میری راتیں اور دن دونوں معنوی اعتبار سے ایک ہی طرح کے ہیں صرف فرق سیاسی اور تاریخی ہے۔ ۲۹ ستمبر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ میرے من کا ذائقہ بدل گیا

کی طرح سارے بدن پر چھائی ہوئی ہے، سورج کی بیتابی نے رات کو سمٹنے پر مجبور کیا ہے، رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے پھلنی ہو چکی ہے اور میں دن اور رات کے درمیان ایک لپسی ہوئی حقیقت ہوں، رات اپنا اثر چھوڑ گئی ہے۔ میں آج صبح بہت جلد بیدار ہوا تھا، معاف کیجئے میں سو باہی کب تھا، دن کی روشنی نے اپنی آمد کا اعلان روشن دان کے شیشوں پر کیا ہے، میں نے ایک دم غنودگی کو جھٹک کر کہا: میں بیدار ہوں لیکن میں تو ایک مدت سے بیدار ہوں، نیند تو جسمانی عمل ہے، ان معانی میں میں کبھی نہیں سویا ہوں۔ میں بیدار ہوں اور بیداری کا شعور رکھتا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی شعور ہے کہ میں بیداری کا شعور رکھتا ہوں۔

یہی شعور ہی میرا عذاب ہے جس سے میں نعمات حاصل نہیں کر سکتا، اس ہزار پایہ عفریت نے میرے جسم و جان کو جکڑ لیا ہے، شاید کبھی کوئی شخص بھی ایسی صورت حال سے دوچار نہیں ہوا ہو گا کہ بیکار کی سوچ نے اس کی ہڈیوں کا براہہ بنا دیا ہو۔

علی الصبح جسمانی تقاضوں کی یلغار شروع ہو چکی ہے، جسم کیفین اور نکوٹین کی لیے تھاشا طلب سے سسک رہا ہے، کبھی سوچتا ہوں کہ نیچے باورچی خانے میں جا کر خود ہی چائے بناؤں لیکن کسی انہونی سوچ نے قدم روک لئے ہیں، کتنے ہمیں گزر چکے ہیں اور میں نے گھر کی کفالت نہیں کی اور نہ کسی سے پوچھا ہے کہ کسی چیز کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اب کس منہ سے جا کر چائے کا مطالبہ کروں؟ فی الحال چائے کی خواہش کا گلو گھونٹ دینا مناسب ہے اور نہ ہار منہ سگرٹ پی کر پیسنے کی جلن میں اضافہ کرنا چاہیئے، اوہ ہسگریٹ کا پکیٹ تو رات ہی خالی ہو گیا تھا، سگرٹ اور چائے کی خواہش بتدریج بڑھتی جا رہی ہے، میں چلنے کے بغیر تو صبر کر سکتا ہو سگرٹ کے بغیر رہنا محال ہے، سگرٹ میری شخصیت کا لازمی جزو بن چکا ہے، وہ لوگ جو سگرٹ نہیں پیتے وہ کس طرح سوچتے اور کام کرتے ہیں؟ کیا ہر چند منٹوں کے بعد ان کے بدن میں بے چینی نہیں رہی گئی؟ مجھے ایک مرتبہ سکندر نے کہا تھا:

تم سگڑ پینا پھوڑ دو کیونکہ تمہارے دل کی دھڑکن تیز ہے اور ویسے بھی خون کی گردش میں کمی اہل ہے، میں نے حقارت سے اس کی بات کہ درخور اعتنائہ سمجھا تھا، پھر ایک دن اس نے متنبہ کیا: تمہیں کینسر ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا: وہ کیا ہوتا ہے؟ اس نے غصے میں کہا: جب ہو گا پھر تمہیں پتہ چلے گا۔ سگڑ پینا میرا داخلی مطالبہ ہے، صبح سے یہ خواہش مجھے اپنی جبریت کی لپیٹ میں لے آئی ہے اور میں اس کے ہاتھوں مجبور سے مجبور تر ہوتا جا رہا ہوں میں نے اسی خواہش کی تکمیل میں تمام تیلونوں اور قمیضوں کی جیبیں ٹٹولی ہیں لیکن کسی جیب سے ایک پیسہ بھی برآمد نہیں ہوا، اس سے بڑھ کر اور کیا بے بسی ہو سکتی ہے؟ یہ کیا ہوا؟ خواہش کی یلغار ایک دم ایسے پسپا ہونے لگی ہے جیسے ساحل کی طرف بھاگتا ہوا پانی آگے بڑھتا بڑھتا رک جائے، بدن کی بے چینی اور جڑوں کا تشخ ڈھیلی رسی کی طرح کھلنے لگا ہے، میری خواہش کی سزا ختم ہو چکی ہے، میں طلب کی مجبوری سے آزاد ہوں، میں اب کبھی سگڑ کی خواہش کے لئے بے چینی کا اظہار نہیں کروں گا۔ دن مکمل طور پر دہک چکا ہے، مجھے شیوہ کرنی ہے، منہ کے بال بوڑھے برگد کی جڑوں کی طرح پھیل گئے ہیں، کوئی دیکھے گا تو خواہ مخواہ طرح طرح کے سوال کرے گا، میں اس طرح اپنی پریشانی کا اظہار کرنا نہیں چاہتا کہ میں اپنے ہاتھوں بے دست دپا ہو چکا ہوں، میں نے اس سرعت کے ساتھ منہ پر صابن کی جھاگ بکھیر لی ہے کہ شیشے میں اپنا منہ دیکھ کر ہنسی آتی ہے، بالکل سناٹا کروڑ کی شکل لگ رہی ہے۔ میرے کپڑے بھی کافی میلے ہو چکے ہیں، تبدیل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن مجھے کہاں جانا ہے؟ کالج میرے لئے ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے، ابھی تک اخبار بھی نہیں آیا کہ کسی ملازمت کا اشتہار دیکھ کر گھر سے باہر نکلنے کا کوئی جواز فراہم کر سکوں، میں کھینا ہوا کر آم کر سی پر نیم دراز ہو گیا ہوں اور مجھے اپنی نام نہاد مصروفیت پر ہنسی بھی آرہی ہے کہ میں نے مصروف رہنے کے لئے مصروفیت کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے، میں غالباً خود

فریب سے کام لے رہا ہوں۔ اور میں تو بھول ہی گیا آج تو حفیظ نے آنا ہے، پرسوں میری عدم موجودگی میں گھر آیا تھا اور ایک نصیحت آمیز خط میرے نام چھوڑ گیا تھا، خط کے ایک حاشیے میں چند پوائنٹس لکھے ہوئے ہیں کہ ایک صنعتی ادارے میں پاکٹ یونین کا قیام کیوں ضروری ہے اور اس کے اغراض و مقاصد کیا ہونے چاہئیں؟ حفیظ چاہتا ہے کہ میں اس یونین کا منشور لکھوں اور آج صبح نو بجے اس نے ڈرافٹ لینے آنا ہے، میں نے کاغذ کپڑ کر فوراً ابتدائی لکھنا شروع کیا ہے کہ آج کل کی طوائف الملوکی میں مزدور کے حقوق..... چند جملے لکھنے کے بعد ایک عجب طرح کی بیزاری نے دماغ کو جکڑ لیا ہے، ایک دم یہ سوال سوالیہ نشان بن گیا ہے کہ میں نے یہ ذمہ داری کیوں قبول کی ہے، جب کہ میرا تعلق مزدور طبقے سے نہیں ہے؟ اور نہ میں ان کے مسائل سے آشنا ہوں، ہاں البتہ حفیظ نے اس تحریر کا کچھ معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ مجھے اس کا کتنا معاوضہ دے سکتا ہے؟ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے، مجھے پہلے کسی گروہ میں شریک ہونا چاہیے، اس کے بعد کسی قسم کی تحریری ذمہ داری قبول کرنا چاہیے! اُنہیں نے بے دھیانی میں کیے گئے خیالات کا اظہار کیا ہے، کبھ پر غلط طور پر شک نہیں کیا گیا ہے، آج کل مجبوری زوروں پر ہے ہر شخص دوسرے پر بستت لے جانا چاہتا ہے تاہم اس دور میں حفیظ جیسے باضمیر شخص بھی موجود ہیں جنہوں نے ہر چیز کو ایک نظریے کی نظر کر دیا ہے، مجھے سکندر کے اس شبے پر قطعاً یقین نہیں آتا کہ حفیظ اپنے کنبے کی کفالت ڈبل کراٹنگ کے ذریعے کر رہا ہے، مزدوروں اور مختلف انتظامیوں کے درمیان درمیانی وسیلہ بنا ہوا ہے، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، یہ درست ہے کہ آج کل جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے، غیر حقیقت کو اصل حقیقت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے اور زندگی ایک صرفیہ تجربہ بن چکی ہے!..... یہ زوال سلطنتِ روم، فکرِ فردا اور فکرِ حال نے راتوں کی نیند چھین لی ہے، اس خلفشار میں میری سلامتی کی سب دیواریں منہدم ہو چکی ہیں،

اس ناامیدی میں خون کے رشتوں پر موم ہوم سا نگہ کیا تھا وہ بھی کل سے ذہن زیادہ منہموم ہے۔ ہر مکان کی شخصیت مکینوں سے مرتب ہوتی ہے، ہر ایک مکان کو اپنے مخصوص طریقے سے استعمال کرتا ہے، جس مکان کا میں مکین ہوں کبھی اس کا ہر کمرہ آباد تھا۔ ابتدا میں تو یہ مکان بند رہتا کیونکہ وہ بسلسلہ ملازمت میں اپنے ساتھ لئے ہوئے شہر شہر گھومتا رہا تھا۔ پنشن پانے کے بعد یہ گھر صحیح معانی میں آباد ہوا تھا اب یہ کٹنا وہ مکان چار نفوس پر آباد ہے، کل ہی سے ایک اور کمرہ مقفل کر دیا گیا ہے۔ میں نے متعدد مرتبہ رشید کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس مرحلے پر اس کا اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جانا درست نہیں ہے، گھر کے ہر فرد نے تم سے بہت امیدیں لگائی ہوئی ہیں، تمہاری تعلیم کے لئے میں نے اور امجد نے کافی تکلیف اٹھائی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ تم باہر مت جاؤ، بلکہ کچھ مہینے اور رک جاؤ، رضیہ بھی کافی بیمار ہے تمہاری موجودگی سے کافی مدد مل سکے گی۔ رشید نے بڑے بے دریغ طریقے سے جواباً کہا ہے: رضیہ کے علاج معالجے کے لئے شہر میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں، یہ میرے مستقبل کا مسئلہ ہے۔ لیکن رشید یہ ہماری زلیت کا مسئلہ ہے، چند دنوں میں تمہاری پریکٹس چمک اٹھے گی۔ آپ کس دنیا میں رہتے ہیں؟ پریکٹس کے لئے سرمائے کی ضرورت ہے اور ہم لوگوں کے پاس ہزاروں ڈاکٹر بیکار بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے۔ رشید کے جانے کے بعد گھر میں خلا کی کیفیت اور بڑھ گئی ہے، گزشتہ رات ماں نے روتے ہوئے گزاری، کوثر پہلے سے زیادہ خاموش ہو گئی ہے اور رضیہ کو رشید کے جانے کا علم نہیں کیونکہ سچے چند دنوں سے وہ زیر علاج ہے، میں اسے وہاں بھیجنے کا مخالف تھا لیکن رشید کے مشورے سے داخل کرایا گیا تھا۔ رضیہ کا زندگی کے بارے میں باہوش رویہ ہے، اس کا ارد گرد میں ہر طرح کے بند دسلال میں حواس کا کھونا بالکل منطقی ہے، دماغی شفا خانے کے منہم ہوش مندوں کا مسخرہ اڑنے ہوں گے کہ ہوشمندوں نے انہیں دیوانہ سمجھ کر پابند کر دیا ہے، انہیں

دنیا ایک پاگل خانہ معلوم ہوتی ہوگی۔ کل شام میں جب رشید کو الوداع کہنے ائرپورٹ پر نہ گیا تو ماں اور کوثر نے شدید احتجاج کیا، میں نے صرف اتنا کہا تھا: ہر کوئی قربانی دینے کا اہل نہیں ہے۔ کوثر نے قدرے تحمل سے جواب دیا تھا: بھائی جان، شاید آپ کو علم نہیں ہے کہ رشید کو ایک ہسپتال میں نوکری مل گئی ہے، وہ وہاں سے ہماری مدد کرے گا۔ شاید تمہیں علم ہے کہ فریدہ کے باپ نے ہی اسے کٹ لے کر دی ہے اور وہاں لندن میں شادی رچانے کا ایک منصوبہ بنایا گیا ہے۔ تم تو رشید کے خون کے پیاسے ہو۔ سارا دن بیکار رہ کر تم بہن بھائیوں کے خلاف سوچتے رہتے ہو۔ میں یہ سنتے ہی سنڈے میں آگیا تھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے میں آکر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر دماغ کی ساری رگوں کو بھیجنے لگا تھا۔ ہمیشہ اور ہر معاملہ میں مجھے مجرم کیوں بنایا جاتا ہے؟ مجھے ہر جگہ نہ کردہ عوامل کی ذمہ داری قبول کرنا ہے اور کچھ نہ کہے بغیر بھی مجھے ہمیشہ یہی احساس رہتا ہے کہ مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے اپنی ماں اور بہن بھائیوں سے کوئی کہ نہیں اور ان کے ساتھ کوئی ایسی محبت بھی نہیں ہے، میرا اور ان کا رشتہ تراحم کا ہے کیونکہ میرے نزدیک ہر شخص کو اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کا حق حاصل ہے، مجبوری اور حالات کا تشدد انسانی طبیعت کی تمام صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ رضیہ اپنی نام نہاد بیماری کے ہاتھوں پریشان ہے کوثر ان تمام حالات کی اسیر ہے جن سے وہ اپنی تمام کوششوں کے باوجود باہر نہیں نکل سکتی، مجھے یاد ہے کہ وہ جب سکول میں پڑھتی تھی اس کے طرح طرح کے منصوبے تھے مگر وقت اس تیزی سے گزرا کہ اس کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا، انسانی زندگی منصوبوں کی تعمیر اور ان کی تکمیل کا درمیانی سفر ہے۔ بچپن میں وہ گھر کے ہر فرد کی طرح اس کی سختی کے نیچے دبی رہی تھی، حالات کے پیش نظر ہر ایک نے اس کی اعلیٰ تعلیم کی مخالفت کی تھی مگر میں نے اس کی حمایت کے بعد اس کی کفالت کی ذمہ داری لی تھی۔ کوثر کو اس کے برعکس یہی احساس غالب رہا

کے سب اس کو کچلنے پر تلے ہوئے ہیں، اس کی وفات کے بعد اس کا ہر ایک سے رویہ بدل گیا تھا، وہ بیشتر وقت مطالعہ میں صرف کرتی، ماں اس کو گھر کے کام سرانجام نہ دینے پر کستی تو وہ کوئی جواب دیئے بغیر مطالعے میں مصروف رہتی، اس کے برعکس ضیہ اپنی بیماری کے باوجود ماں کا ہاتھ ٹاتی ہے۔ اس آفت سے قبل میں نے زندگی کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی، اوہ، میں صبح صبح کس بحث میں الجھ گیا ہوں اب تو نائنٹے کا وقت ہو چکا ہے اور ابھی تک کوثر کمرے میں میرا ناشتہ نہیں لائی، چلو آج بھوک سے دست بردار ہو جانا بہتر ہے۔

میں اپنے مکان سے باہر کھڑا صبح کے آغاز سے لطف اندوز ہو رہا ہوں، ننھے منے سفید اور میلے کپڑوں میں ملبوس بچے، ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے بچے، خاکی اور نیلی وردیاں پہنے ہوئے بچے، پڑھنے جارہے ہیں، میں انہیں سکول جالے سے نہیں روک سکتا، میں بہتے ہوئے وقت کو نہیں روک سکتا، میں ان بچوں کو کس طرح ان کے تاریک مستقبل سے مطلع کروں کہ وہ آبادی کے غیر معمولی پھیلاؤ کے منظر ہیں؛ تمہارے ہاتھوں کے لئے کام نہیں ہے، تمہارے شکموں کے لئے صرف قحط اور خیراتی گندم ہے جس کے کھانے سے تو ان کی سبائے بھوک کا احساس قوی ہوتا ہے، جاؤ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ، سکولوں کے مدرس سکولوں میں صرف تنخواہ لینے آتے ہیں، ان کے شکم اور ذہن دونوں خالی ہیں، جاؤ، اپنے والدین سے اپنی وجہ تولید پوچھو کہ تم ذاتی ملذذ کا نتیجہ ہو یا تمہاری ضرورت کو محسوس کیا گیا تھا..... بچو پیارے بچو! علم میں کوئی برکت نہیں ہے یہ نہ حقیقت کا روپ دکھاتا ہے اور نہ زندگی کرنے کا فن سکھاتا ہے، انہیں بتانا کہ میں بھی کبھی..... اے بچو تم اس زمین پر بوجھ ہو، ماتھس کی تھیوری باطل ہے، اب جنگ نہیں ہوگی، اب زلزلے نہیں آئیں گے، تمہاری تعداد بڑھتی جائے گی اور بڑھاپے کے وقت تمہارے وجود سے تمہارے والدین پریشان ہوں گے اور اپنے

آپ کو نام پائیں گے کہ انہوں نے چند ساعتوں کی مسرت کے لئے ایسے جسموں کو جنم دیا جو محض پریشانی کا موجب ہیں۔

کچھ دیر کے بعد ٹرک پھر ویران ہو گئی ہے، بالکل ایسے ویران ہے جیسے کبھی آباد نہیں تھی۔ میں اپنے مکان کے باہر بے مقصد کھڑا ہر آنے جانے والے کو دیکھ رہا ہوں۔ خلاف توقع مکان کے اندر سے ماں اور کوثر کے ہنگڑے کی آواز آرہی ہے: امی آج میرے داخلے کی آخری تاریخ ہے۔ میں کیا کروں، میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے، گھر کا سارا خرچہ ادھار پر چل رہا ہے۔ کسی سے لے دیں میں ادا کر دوں گی۔ میں کہاں سے لے دوں جس نے تمہارے پڑھانے کی حامی بھر لی ہے وہ باہر کھڑا ہے اس سے تقاضا کرو، اس گفتگو کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی ہے اور کچھ دیر کے بعد کوثر چند کتابیں اٹھائے ہوئے کالج جانے کے لئے باہر نکلی ہے: کوثر بات سنو، تمہیں داخلے کے لئے کتنے پیسے چاہیئے ہیں؟ جی تمہیں، ہاں ہاں بتاؤ میں بندوبست کر دوں گا۔ نوے روپے۔ اچھا تم گھر بارہ بجے آکر لے جانا، کوثر میری بات کا جواب دیئے بغیر چلی گئی ہے۔ میں کالج داخلہ جمع کرانے جا سکتا ہوں لیکن اس کالج میں نہیں کیونکہ اس کالج میں کوثر نفیات کا ایم اے کر رہی ہے جس میں کبھی میں پڑھایا کر یا تھا، کس منہ سے وہاں جاؤں؟ کوثر کے جانے کے بعد مجھے خیال آیا ہے کہ میں نے کوثر کا داخلہ جمع کرانے کی حامی نہ بھری ہے لیکن ادائیگی کہاں سے کروں گا؟ ذہن نے ایک دم ساتھ چھوڑ دیا ہے اور نگاہ ایک دم اپنی کلائی پر بندھی سنہری گھڑی کی طرف اٹھی ہے، پل بھر کے لئے دل نے ملامت کی کہ جذبات کے معاملے میں میں بڑا مطلبی اور سفاک ہوں، پچھلے سال نہ بہت نے میری سالگرہ پر اس قیمتی گھڑی کا تحفہ دیا تھا اور میں نے کسی قدر تامل کے بعد اسے قبول کر لیا تھا۔ ابھی ساڑھے آٹھ بجے ہیں میں دس بجے کے قریب بازار جاؤں گا، میرے دل میں نہ بہت کی کوئی یاد نہیں ہے۔ میں وقت کی رفتار کو کیا کروں، میری بلا سے سورج چڑھے یا غروب ہو، میرے لئے

وقت کی اہمیت نہیں ہے، میں مصروفیت کے قید و بند سے آزاد ہوں، ایک بات ہے کہیں دکان دار کو یہ شک نہ گذرے کہ میں گھڑی کیوں فروخت کر رہا ہوں؟ میں اسے کیا جواب دوں گا؟ اسے ہرگز یقین نہ آئے گا اور نہ ہی میرے پاس اس کی رسید ہے کہیں اسے سروقت سمجھ کر مجھے پولیس کے حوالے نہ کر دے؟ ابھی سے میرے روٹنگٹوں میں پسینہ آنے لگا ہے، میں نے کبھی کوئی چیز فروخت نہیں کی ہے، بازار ہمیشہ خریدنے ہی گیا ہوں، اُف کس مصیبت میں گرفتار ہوں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اس بے بسی کا منہ دیکھنا ہے! کیا حال ہے پروفیسر؟ کون ہو تم؟ میں احمد۔ اوہ تم، مدتوں کے بعد شکل دکھائی ہے!

”دیکھ لو زمانہ بدل گیا ہے کہ چار سال تک ایک ہی سکول میں پڑھے اور ایک مدت سے ایک ہی محلے میں رہ رہے ہیں مگر مدتوں سے ملاقات نہیں ہوئی، بس بھی احمد زمانے کا چلن ہی یہی ہے، تم صبح بھر جا رہے ہو؟، دھند سے پرادر کہاں، پروفیسر تم نے تو ملنا ہی ترک کر دیا ہے، بڑے آدمی ہو، منشیوں سے کون ملتا ہے۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، کاروبار کا کیا حال ہے؟ خدا کا فضل ہے وال روٹی چل رہی ہے، پروفیسر تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟ نہیں تو، بس کئی دنوں سے بخمار آ رہا ہے۔ پروفیسر اُس جھجک کیوں رہے ہو؟ پوچھو، میں سمجھ گیا ہوں، میں واقعی بے روزگار ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہے، فکر مت کرو اللہ رازق ہے کسی پر کبھی رزق کا دروازہ بند نہیں ہوا۔

میں بھی سم سم کا درد کر رہا ہوں کہ در کھل جائے ہا ہا۔ یار پروفیسر، ہے تو تمہارا ذاتی معاملہ لیکن ایک دو محلے دار کچھ دنوں سے چہ میگوئیاں کر رہے ہیں! انہیں کرنے دو، کس بات پر؟ اور ایک دو دفعہ میں نے بھی خود دیکھا ہے، رات کے وقت تمہارے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک موٹر رکتی ہے اور کوئی نامعلوم شخص گھر کے باہر

مشکوٰۃ طریقے سے گھومتا ہے۔ میری نگرانی کی جا رہی ہے، میں مشکوٰۃ شخص ہوں۔
 نہیں پروفیسر سمجھنے کی کوشش کرو۔ احمد تمہارے وکیل صاحب کا نام کیا ہے؟
 خواجہ علم دین، گبرگ میں رہتے ہیں بڑے کاریگر ہیں، ان کا سارا کام میرے اشاروں پر
 چلتا ہے۔ تم تو کافی پیسے بنا لیتے ہو گے؟ یا برس الٹ کی دین ہے دس سال میں دو
 مکان بنا لئے ہیں، وال روٹی چلتی ہے۔ ہم نے تو یار پڑھ لکھ کر گنوا یا سنو میں بارہ چمات
 نیل ہوں سارا فوجداری اور دیوانی قانون حفظ ہے، تعلیم کو کون پوچھتا ہے۔ تم بالکل ٹھیک
 کہتے ہو پھر تو تم بڑے زبردست آدمی ہو، پروفیسر خواجہ صاحب تو نام کے وکیل ہیں سارا
 کام میرے ہاتھ میں ہے دراصل میں نے انہیں وکیل کے طور پر ملازم رکھا ہوا ہے،
 سارا کام میں ہی کھینچ کر لاتا ہوں خواجہ صاحب تو صرف پیش ہوتے ہیں، باقی ہر چیز
 کی طنائیں میرے ہاتھ میں ہوتی ہیں، پروفیسر تم اب بزنس کیوں نہیں کرتے ہیں
 ہا ہا ہا۔۔۔۔۔ بزنس، کس چیز سے؟ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں۔ نہیں شکریہ!
 واہ، اس میں شکریے کی کون سی بات ہے انسان انسان کے کام آتا ہے یہی تم میری
 مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟ تمہارے اور میرے کبھی اتنے گہرے تعلقات نہیں رہے!
 کچھ بھی ہے ہم نے سکول کے زمانے میں چند سال اچھا وقت گزرا ہے اور اس کے علاوہ
 تم میرے محلے دار بھی ہو، مجھے احساس ہے کہ تم میرے پیشے کی وجہ سے مجھے حقیر سمجھتے
 رہے ہو۔ نہیں ہرگز نہیں غلط فہمی ہوتی ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات، تم چاہو تو میرے ساتھ
 شریک ہو سکتے ہو، آج کل ہمارا کام کافی بڑھ گیا ہے، خواجہ صاحب ایک ٹاؤٹ نمائشی
 رکھنا چاہتے ہیں میں نے انہیں صاف کہہ دیا ہے کہ اگر کسی اور کو رکھا تو میں ساری
 پریکٹس الٹ دوں گا، پروفیسر تم ڈرافٹنگ وغیرہ کر سکتے ہو نا؟ کیا؟ یعنی میں بھی تمہارے
 ساتھ نمائشی گیری کروں؟ لوگ کیا کہیں۔۔۔۔۔ نہیں میرا مطلب ہے کہ میرے کام کی نوعیت
 کیا ہوگی اور مجھے اس کا کیا معاوضہ ملے گا؟ ہا ہا۔۔۔۔۔ میں تمہاری حقارت اور الجھن

کو سمجھتا ہوں، دیکھ پر دیکھ کوئی کام ذلیل نہیں ہوتا، تم جس کام کو باعزت سمجھتے تھے اس نے تمہیں قبول نہیں کیا ہے۔ لیکن میرے کام کی نوعیت کیا ہوگی؟ یہ صغیر راز میں رہے گی، ہی ہی ہی اچھا مجھے دیر ہو رہی ہے، تم مجھے فیصلہ کر کے بتانا کہ تمہیں یہ آفر قابل قبول ہے یا نہیں خدا حافظ ... آج شام دیکھنا کہ کون تمہارے گھر کی نگرانی کر رہا ہے؟ گلگلا سا چھوٹا موٹا احمد اپنی شیطانی سوچ کے دھاگے بکھیر گیا ہے، رات کو کون ہو سکتا ہے؟ نہیں مجھے مداخلت کا کوئی حق نہیں لیکن وہ کوئی غلط قدم نہ اٹھالے، نہیں، کوئی بھی نہیں ہے۔ مجھے نگرانی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں خود زیر نگرانی ہوں، ہو سکتا ہے وہ کسی اور روپ میں میری حرکات و سکنات کا جائزہ لینا چاہتے ہوں، میرے گھر کا کوئی فرد میرے خلاف اطلاع نہیں دے گا لیکن آج کل میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا اور کچھ نہ کرنے پر بھی نگرانی ضروری ہوتی ہے، انہیں چاہیے کہ میرے سر کے گرد آہنی خول چڑھا کر اسے مقفل کر دیں احمد نے جو آفر دی ہے نہ جانے اس میں کوئی سنجیدگی بھی ہے؟ کیونکہ دلا سے دینے والے تو لاکھوں ہیں لیکن ایسا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ لوگ کیا سوچیں گے کہ میں لیکچرار سے ایک منشی بن گیا ہوں؟ لوگوں نے مجھے کیا دیا ہے؟ تم سخر اور ملاقات سے گریز! میرا ملاقاتی بوجہ ملاقات مشکوک قرار دیا جاسکتا ہے۔ چلو، میں نے لوگوں کو رد کر دیا ہے لیکن میں اپنی تمام ذہنی اور تربیتی ساخت کو رد کر کے چوروں اور بد معاشوں کی جیبوں سے رزق چھین سکتا ہوں؟ کیوں نہیں، چور اور شریف کی حد فاصل مٹ چکی ہے، فی زمانہ کون دیانت دار ہے؟ میں کن اخلاقی ضابطوں میں الجھا ہوں، مجھے جلد اجلہ فیصلہ کرنا چاہیے کیونکہ اب زندہ رہنے کے تمام وسائل ختم ہو چکے ہیں، رضیہ کئی دنوں سے کس میسرسی کے عالم میں ہسپتال میں ہے، قرض پر گھر کا سودا سلف آتے دو ماہ سے زائد ہو چکے ہیں، رشید اور امجد نے ایک دھیلہ تک نہیں بھیجا، میں بیکار ہوں، گھر میں کوئی قابل فروخت

چیز نہیں ہے جس کے سہارے کچھ دن اور چل سکیں، رشتہ دار اور عزیز دوسرے شہر میں ہیں اور اگر اس شہر میں ہوں بھی تو ان سے امداد لینا ویسے بھی ہتک ہے، میری انا کا کیا ہے؟ کسی نے اس کو دیکھا تک نہیں اور یہ بالکل ذاتی سے چیز ہے، اسے ہر حالت میں سہارا ہونا چاہیے، کسی کام میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیے، میں نے تمام دکھوں اور ذلتوں کے باوجود زندگی کے حق میں فیصلہ صادر کیا ہے۔ شہر بہت مصروف ہے اس کا حافظہ محو ہو چکا ہے، کسی کو کیا خبر کہ میں کیا کر رہا ہوں ویسے بھی میں کافی گناہم شخص ہوں۔۔۔ اب دکانیں کھل چکی ہوں گی۔ میں نے اب آخری مرتبہ اپنی گھڑی پر وقت دیکھا ہے، کلائی کا نشان جلد محو ہو جائے گا۔

آج اکتوبر کی کوئی تاریخ ہے، صبح سے بادل اور تیز ہوا کا رقص ہے، بند کمرے میں تیز ہوا کی آواز بڑی دھلانے والی ہے، جب ذہن میں کوئی یاد ہو تو یہی آواز تنخیل کو نہ جانے کہاں سے کہاں لے جاتی ہے اور جب ذہن میں مایوسی کا خلا ہو تو یہی تیز ہوا سارے بدن میں خوف کی لہر رواں کرتی ہے۔ اکتوبر کی یہ ہوا بڑی پریشان کن ہے، دل میں گھٹن، ذہن میں پڑمردگی اور بدن میں تشنچ۔۔۔۔۔ صرف تنفس کا زبردیم، زندگی اور موت میں حد فاصل، میں سارا ہفتہ اپنے کمرے میں چھپا رہا ہوں، زیر زمین ہوں بہت کچھ بیت چکا ہے زمانہ تیزی سے واقعات کو اپنی لپیٹ میں لئے آگے بڑھ رہا ہے، غالباً سکے بدل گئے ہیں، زمانہ میرے لئے نورمبرگ کا مقدمہ ہے اور میں اپنے ناکردہ جرائم کے خوف سے پچھنے کے لئے کمرے میں ہوں، میں بذات خود عہد حاضر کی پھپی ہوئی حقیقت ہوں، نہیں میں کسی کے خوف سے نہیں ہوں بلکہ زمانہ میرا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں دراصل اعتکاف میں ہوں، اپنے لئے چلہ کاٹ رہا ہوں۔ کون پیچ پیچ کر مجھے میری تنہائی سے بیدار کر رہا ہے، یہ بدبخت اخبار فروش ہے جو گذشتہ دو ماہ کے بل کا تقاضا کر رہا ہے، جواب میں گھر کا

ہر شخص خاموش ہے، کسی کے پاس کوئی جواب ہو تو دے، وہ بد لحاظی پر اتر آیا ہے کہ آج سے اخبار بند! اوہ اس کا مطلب ہے کہ میرا خارجی دنیا سے رابطہ کٹنے والا ہے، لیکن اخبار تو خود گنگے بہرے ہیں مجھے باہر کی خبر کیا دیں گے، میرے لئے باہر کی دنیا کا چراغ گل ہو چکا ہے! میں صرف اپنے الجھا دے میں اتنا الجھ چکا ہوں کہ کچھ اور سمجھائی نہیں دیتا۔ مجھے اخبار سے صرف اتنی دلچسپی تھی کہ اس میں ملازمت کے اشتہاروں کا مطالعہ مصروفیت کا باعث تھا، شہر میں ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے، میرے گھر میں بھی آج دھوبی، ملازم اور پیاری لے ہڑتال کر دی ہے، اور میں غاصبوں کی طرح ہر ایک کے واجبات دبائے بیٹھا ہوں۔ مجھے صبح صبح ان کی بلند بانگی بہت بری لگی لیکن بصورت مجبوری خاموش رہا۔ اوہ اس کمرے کا پیٹ کتابوں سے پھولا ہوا ہے، کم و بیش ۵۰۰ کتابیں ہوں گی، مجھے بچپن سے ہی کتابیں خریدنے کا بہت شوق رہا ہے جو جیب خرچ ملتا انہیں کتابوں کی نذر کر دیتا، دیکھتے دیکھتے کافی کتابیں اکٹھی ہو گئی ہیں، میں نے تمام کی تمام کتابیں پڑھی ہوئی ہیں، اب تو محض انہیں دیکھتا ہوں، سب کتابیں ایک ہی کتاب کی شرح ہیں، خواہ مخواہ ان کتابوں نے جگہ گھیری ہوئی ہے، سکیڈ بینڈ کے کم سے کم ۸ آنے تول جائیں گے اس اعتبار سے میرے پاس کم و بیش ۲۵۰ روپے جمع ہو سکتے ہیں، دراصل نئی زندگی شروع کرنے کے لئے مجھے تمام پرانی چیزوں سے سببات حاصل کرنا چاہیے، شکریہ وہ گھڑی مجھ سے رخصت ہو چکی جس کا وجود خواہ مخواہ میرے ذہن کو رومان اور تصور کی طرف لے جاتا ہے اور میں ایسے خواب دیکھنے لگتا ہوں جن کے دیکھنے کا مجھے حق نہیں ہے! آج اتار کا دن ہے اور میں کسی قدر سکون محسوس کر رہا ہوں، آج کوئی کام نہیں ہے، میں بالکل فارغ البال ہوں، لیکن اتوار کو آرام کرنا پرانی عادت ہے، صبح تقاضا کرنے والوں نے کسی قدر پریشان کیا تھا مگر کچھ دیر بعد طبیعت سنبھل گئی تھی، اب میں

خفت اٹھانے میں کافی ماہر ہو چکا ہوں! درنہ اتوار کے تصور سے اعضا کا تناؤ کسی قدر کم ہو گیا ہے۔ اتوار کے دن میری روٹین ذرا مختلف ہوتی تھی۔ صبح کے وقت بستر ہی میں شیواورناشتا کرنا پھر کافی دیر تک بستر میں لوٹتے رہنا، ایک ناویدہ زمانے کی فتوحات کے کچھ دیر کے لئے خواب دیکھنا اور پھر ایک دم بستر سے کود کر فرش پر کھڑے ہو کر بھرپور جمائیاں لینا، جلدی جلدی تیار ہو کر کوئی ناول نعل میں داب کر رستوراں کی راہ لینا، اور رستوراں میں اپنی مخصوص جگہ پر جانے کے ساتھ ناول کا لطف اٹھانا۔۔۔ کیسی سوچا گزروٹین تھی۔۔۔۔۔ کتابیں، کتابیں حقیقت سے فرار! میں نے ساری کتابیں دو ڈھیروں میں تقسیم کر کے ایک چادر میں باندھ لی ہیں، شیف کتنے ننگے اور بوڑھے نظر آ رہے ہیں، کمرے کی دیواروں میں بھی دراڑیں پڑنے لگی ہیں، میری طرح اس کا زوال شروع ہو چکا ہے، وقت کمینہ خصلت کسی سے رعایت نہیں کرتا، ایک ہی وقت میں بچے اور بوڑھے کا روپ دھائے ہوئے ہے، بچے کے لئے درختہ مستقبل کا امین ہے اور بوڑھے کے لئے گریز پائی کا صدمہ ہے، ایک ہی تسلسل میں بڑھاپے اور بچپنے کا تضاد۔۔۔۔۔ گریز پائی اور بے بسی میرے عضو عضو کو توڑ رہی ہے، میں اپنے آپ کو اس لئے زیادہ محبت نہیں دیتا ہوں کہ میرے ارد گرد میں مجھے اور کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس لئے کہ میں کائنات کے ادراک کا ایک حوالہ ہوں، اس کوئی جہت سے منکشف کر رہا ہوں، اگر میں نہیں ہوں تو یہ دشت و دمن، یہ لہلہاتے کھیت، شہر اور بستیاں نہ ہونے کے برابر ہیں، یہ نہیں کہ میرے نہ ہونے سے ان کا وجود ختم ہو جائے گا بلکہ میری اور ان کی معنویت ایک دوسرے کے ذیلے منہدم ہو جائے گی۔ یہ سب موجود ہیں کہ میں انہیں دیکھتا ہوں۔۔۔۔۔ ادہ تم کوثر؟ کیا بات ہے؟ مجھے کوئی ملنے آیا ہے؟ تم نے میری باتیں سن لی ہیں؟ ہی ہی ہی۔۔۔۔۔ اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے؟ کچھ نہیں بھائی جان میں آپ کے خط دینے آئی تھی، میز پر رکھ دو، رضیہ سے ملنے۔۔۔۔۔ جی وہ کل ڈسچارج

ہو رہی ہے۔ اسے چند دن اور ہسپتال میں رہنے دینا چاہیے، کیوں؟ ڈاکٹر کے مطابق اس کی دماغی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے، میرا مطلب ہے کہ اسے اچھے ماحول اور خوراک کی ضرورت ہے اور یہ دونوں چیزیں اس گھر میں نہیں ہیں، ویسے بھی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ کوئی کسی قدر غصیلے لہجے میں یہ احتجاج کر کے کمرے سے باہر نکل گئی ہے۔ رضیہ کی کل گھر والیسی ہے مجھے خوش ہونا چاہیے کہ وہ پہلے سے بہتر ہے لیکن میں کتنا کینہ ہوں اس کی آمد کو بوجھ سمجھ رہا ہوں، وہ بھی میری ذمہ داری ہے، میں بے بس کبوتر کی طرح دینا کے خفائی سے منہ نہیں موڑ سکتا، مجھے ہر مصیبت کو مقدر سمجھ کر سینہ سپر ہونا چاہیے، مانتا ہوں کہ مسلسل ناامیدی ہر امید کی قسمت ہے، قسمت سے میری مراد ہر وہ واقعہ ہے جو فرد کے دائرہ اختیار سے باہر ہے جس کی تاثیر کی قبولیت ناگزیر ہے مگر جسے متاثر نہیں کیا جاسکتا، ایک صورت حال میں میری حیثیت مشغول کی ہے اور دوسری طرف میں رضیہ کا قاتل ہوں، میری رگ رگ میں قاتل اور مقتول دونوں کا درد سما یا ہوا ہے، مجھے درحقیقت اپنے ہر فعل کا جواب دینا ہے، عجب اتفاق ہے کہ مجھے دوسروں کے عوامل کا جواب بھی مانگا جا رہا ہے، اس میں میرا کیا قصور ہے کہ رضیہ ضعیف العقل ہے اور پیدائشی مرگی کا روگ ساتھ لئے ہوئے ہے؟ اف میں اس کا قاتل نہیں ہوں میں نے صرف اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا لیکن ہر حقیقت کا اظہار اور اقرار اتنا تلخ کیوں ہے؟

آج میری ڈاک کافی زیادہ معلوم ہوتی ہے، تین خط اور ایک اخبار . . . اور آخری اخبار کل سے لائبریری جانا پڑے گا، بھاڑ میں جائے دنیا اور سیاست، میں گونگی بہری دنیا میں رہنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، اخبار سے دنیا کی خبر تو ملتی ہے لیکن اپنی خبر نہیں ملتی۔ یہ جہازی سائنہ کا لفافہ؟ کوئی بدبخت مجھے مدعو کرنا چاہتا ہے؟ نہایت کی شادی! وزارت خارجہ؟ نہیں بزنس میں . . . انقلاب، ایشیمن، اور عمومی فلاح

پیٹی بورڈرا... اقتدار اور قبول... مجھے کراہت آتی ہے میں نے یہ باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے، ذہن کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ آئندہ اس سوچ سے احتساب کرے... دوسرا خط: بینک کی طرف سے نوٹس: دس ہزار، جمع سود در سود، قانونی چارہ جوئی، غالباً امجد نے گذشتہ تین چار مہینوں سے قسط دینا بند کر دی ہے... تیسرا خط: ڈیئر... امجد کے خط کا جواب ملنے پر تمہیں خط لکھنا ضروری سمجھتا ہوں! ابا جان کی وفات کے بعد مجھے اپنی مصروفیت کی وجہ سے بہت سے مسائل طے کرنے کا موقع نہیں ملا میں کویت سے ہمیشہ کے لئے پاکستان آ گیا ہوں اور چند دنوں کے بعد یہاں آؤں گا... تمہارا بھائی رحیم... ادھر محبتوں کی تثلیث نے مجھے پھر آگھیرا ہے... میں سوچتا تھا کہ یوں میری تمام مصیبتیں محض واجبے ہیں اور میں فریب نظر میں مبتلا ہوں، آج اس کا لطلان ہو چکا ہے، اب سر چھپانے کا مسئلہ درپیش ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ مکان پر میرا تصرف بجا نہیں ہے، میں تو صرف ایک کمرے میں رہتا ہوں، یہ اس مکان کے میسنز کو بے دخل کرنے کی سازش ہے، اس میں امجد اور رحیم برابر کے شریک ہیں، نہیں، اس میں بینک بھی برابر کا شریک ہے۔ اب اس مکان کو خالی ہی کرنا ہوگا، نیلی پھت کے نیچے آوارہ گردی کے بعد کھلے میدان میں سونے میں لذت ہوگی، کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا... نہیں، نہیں، میں یہ گھر کبھی خالی نہیں کروں گا، یہ میری عاقبت پر حملہ ہے، مجھے بے گھر خانہ بدوش بنانے کی سازش ہے کہ موسموں کی سختیوں سے میری ہڈیاں چٹخ جائیں، میری بے بسی اب مجھے تقویت دے رہی ہے، میں بے بس ہو کر ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔ میں مکان کا انچلا حصہ کرانے پر دسے دوں گا، بینک کی قسطیں ادا کروں گا، امجد اور رحیم کے خلاف دیوانی عدالت میں دعویٰ دائر کروں گا... میں نے اپنے آپ کو مسلح کر لیا ہے!

آج کا اخبار حسب دستور بے مزہ ہے، کوئی چونکا دینے والی خبر کہیں نظر نہیں آ

رہی، غیر اہم خبروں کو خواہ مخواہ اہم بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اخبار کے کوئے کھردوں میں ہڑتالوں، جلوسوں اور تالا بندیوں کا نہایت ہی غیر اہم طریقے سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ زرد صحافت یہ اخبار والے بھی تو اسی معاشرے کی پیداوار ہیں

(نمائندہ خصوصی کے قلم سے) کل لیبر لیڈر حفیظ ملک کو چند نامعلوم افراد نے قتل کر دیا، ابھی تک قاتل لاپتہ ہیں، خیال ہے کہ ملک حفیظ کا قتل کسی سازش کا نتیجہ ہے۔ مقتول کی جیب سے ایک خط ملا ہے جس میں نامعلوم افراد نے مقتول کو رات کو بارہ بجے ریوے پل کے نیچے کسی میٹنگ کے لئے مدعو کیا تھا۔ قریبی معلقوں کا قیاس ہے کہ قتل میں کسی مخالف ٹریڈ یونین کا ہاتھ ہے۔ قاتلوں کی تلاش ابھی تک جاری ہے

آف، اس نے چند دن پہلے میرے گھر آنا تھا لیکن میں اس کا انتظار کرتا رہا تھا، وہ نہیں آیا تھا سکندر کا شک درست نکلا ہے، میں حفیظ کے اس روپ کے بارے میں سوچ تک نہیں سکتا تھا، اس کا نظریاتی جوش اتنا شدید تھا کہ کبھی گمان تک نہیں گذر سکتا تھا کہ حفیظ وہ نہیں ہے جو نظر آ رہا ہے۔ ادہ! ہر ظاہرہ حقیقت مسخ ہو چکی ہے حفیظ ایک پند تھا، سکندر ایک پوز ہے۔ میں خود ایک پوز ہوں، اہم سب حقیقت کی مسخ شدہ شکلیں ہیں، اب اپنے پر اعتبار نہیں رہا کہ جو کچھ کر رہے ہیں کیوں کر رہے ہیں؟ کون سی قوت کچھ کرنے پر اکسا رہی ہے؟ یہ ایک بین الاقوامی سازش ہے نہیں ایک بالعد الطبیعیات سازش ہے !

آج وہ سب کچھ جو کمزوری کی صورت میں میرے اندر حائل تھا منہدم ہو چکا ہے۔ میں نے بہت سہا ہے، اب مجھے حملہ کرنا ہے۔ انتقام میرے حملہ کی پشت پناہی کر رہا ہے، اس کی برش میں تیزی پیدا ہو چکی ہے۔ میں قد آدم آئینہ کے سامنے اپنی تقلیب کا اعلان کر رہا ہوں، اپنے عکس یعنی آئینے کے سامنے اعلان کرتا ہوں، اس کی سرسئی دلواری میں سے میری شبیہ کے مختلف زاویے باہر نکل کر میری صورت میں مجتمع ہو رہے ہیں۔ اہل

وجود آئینہ ہے اور میں اس کا عکس ہوں، اس کی سیمائی سطح پر میرے سانس کی رطوبت جم چکی ہے۔ بادلوں کی سرسختی آئینے کی سنان دیواروں پر پھیل رہی ہے۔۔۔ میری تبدیلی پر کون ہنس رہا ہے؟ اندھے ہو دیکھتے نہیں ہو میں نے انسان کا اصل روپ دھار لیا ہے میرے دانت خون آلودہ ہیں، ماضی کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے میں نے اُسے طلاق دے دی ہے، میں اس روپا سے بیدار ہو چکا ہوں جس نے مجھے یہ بشارت دی تھی کہ میرے لمس سے ہر چیز سونے میں تبدیل ہو جائے گی، میرے لمس سے بدن کی رگوں میں دوڑتا ہو نہرا پانی بن جائے گا، اور میں ساری کائنات کے پراسرار خزانوں کو اپنے بدن میں محفوظ کئے ان سارے لوگوں کا تسخیر اڑاؤں گا جنہوں نے سراسر رزق چھینا میرے اندر بھیجی جانت کو بیدار کیا، اور میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ میں اپنے آپ کو تصور میں بھی نہیں لاسکتا تھا، میں انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ میری مجبوری خود مختاری میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اب احتیاط کی ضرورت ہے، میں یہ راز اپنے آپ کو بھی نہیں بتاؤں گا۔ اب کوئی اخلاقی ضابطہ مجھے حراست میں نہیں لے سکتا، کیونکہ میرے پاس اس تغلیب کا جواز موجود ہے۔ تمہیں چند دنوں کے بعد اس تغلیب پر حیرت ہوگی، پھر تمہاری حیرت احمقانہ ہنسی میں تبدیل ہو جائے گی اور تم اتنا ہنسو گے کہ حلقوم کی ساری رگیں خشک ہو جائیں گی، میں بے برکتی کے دور کا معجزہ ہوں، تم میری قوت کا اقرار کر دو گے۔

(۶)

میں یقیناً یہ جنگ ہار چکا ہوں، میرے جلد وسائل دم توڑ رہے ہیں، اب شدید مالی بحران، مایوسی اور دل گرفتگی ہے۔ یہ تمام دوڑ تعلقات کی ہے، رزق کا حصول میرا حق نہیں ہے، اب یہ ایک مراعت بن چکی ہے، یہ میرے امتحان کی گھڑی ہے، صبر اور صبر! مجھے پیٹ پر پتھر باندھنا چاہیے۔ مجھے اس اخلاقیات کا گلا گھونٹ دینا چاہیے جو ہر راہ میں میرے راستے کا پتھر ہے، میں نے زندہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے، اگر یہ فیصلہ واقعی زندگی کے حق میں صادر کیا ہے تو مجھے تمام مسدود راستوں کی ناکہ بندی توڑ کر نیا راستہ بنانا چاہیے، اس وقت مسئلہ میری سالمیت کا ہے کہ اگر میں نہ رہا تو یہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، کچھ بھی نہیں ہوں، میں صرف اکیلا ہی نہیں تین چار افراد کا مقدر میرے ساتھ وابستہ ہے، میں نے امجد سے جھگڑ کر ان کو اپنی ذمہ داری کے طور پر قبول کیا ہے۔ گداگری ایک اچھا پیشہ ہے، اس کے لئے بڑی جرأت کی ضرورت ہے، اس کے ذریعے اپنی خواہش یا حاجت کا اظہار بڑی مہیا کی سے کیا جاسکتا ہے۔ میں گداگر نہیں بن سکتا تو مجھے سمگلنگ کرنی چاہیے، حوصلہ ہمت، ہمت، میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں مگر کچھ کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جا رہا ہے۔ میں بے قصور ہوں، بے قصور ہوں! سچ کہتا ہوں، مگر میں لوگوں کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں وہ نہیں ہوں جو مجھے سمجھا جا رہا ہے۔ مجھے کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہے، اور اس فیصلے کے لئے ہر ایک چیز کی قربانی ضروری ہے۔ میں پریسیکوشن مینیا کا شکار ہرگز نہیں ہوں، اپنے اور دنیا کے بارے میں صرف یہی جانتا ہوں کہ ایک قوت میری مخالفت کی قسم کھائے ہوئے ہے، مجھے نرغے میں لیا جا چکا ہے، میں دیوار کی طرف پشت کئے ہوئے لڑ رہا ہوں، لڑوں یا جان دے دوں، یہ آخری راستہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صورت حال عارضی

ہے، کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ ابھی تک نہ بہت نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا ہے، توقعات خارج کر کے غیر جانب دارانہ طریقے سے زندگی کا سامنا کرنا چاہیے۔ انسانی زندگی میں تمام غم اور مزاج امید کی بدولت ہے، امید مایوسی کو جنم دیتی ہے۔ مایوسی اور فقط مایوسی بے یار و مددگار تنہائی اصل حقیقت ہے، میں اسے قبول کر چکا ہوں:

میں ایک رجحان ہوں یا ایک فرد ہوں؟ اگر میں واقعی ایک ایسا فرد ہوں جو محض افراتفری میں ایک اتفاقی حادثے کا شکار بنا ہے تو پھر میری حالت زیادہ تشویشناک نہیں ہے، لیکن اگر میرا وجود واقعی خطرے کا باعث بن سکتا ہے تو پھر اس کی درست طور پر نشاندہی کی گئی ہے۔ دراصل مجھے خود اپنے وجود کی سنگینی کا کبھی احساس نہیں ہوا ہے، کیا میں کچھ کئے بغیر بھی کافی مہلک ثابت ہو سکتا ہوں؟ میرا ادراک ایک رویے کے طور پر کیا گیا ہے اسی لئے میرے ارتداد کا مکمل بندوبست کیا چکا ہے۔ میں بھی تضاد کا تضاد ہوں۔ اب پہلی مرتبہ مجھے سنجیدگی سے سمجھنے کا موقع ملا ہے، اپنے بارے میں ان تمام قوتوں کے بارے میں جنہیں ابھی تک غیر حاضر سمجھتا رہا ہوں۔ کسی آنکھ کا محدب شیشہ کافی دیر سے میرا مشاہدہ کر رہا تھا، میں اس کے وجود سے بے خبر تھا مگر وہ میرے وجود سے باخبر تھا، میں نے بہت غفلت برتی ایک طرح کی سبکدوشی کو زندگی کا کامیاب رویہ تصور کیا مگر حقیقت نے مجھے اچانک ہی آلیا ہے۔

مجھے اس شہر سے جلد نکل جانا چاہیے، کسی اور جگہ پناہ لینی چاہیے، یہ میرا شہر نہیں ہے، میرا رابطہ کسی سے نہیں ہے، مجھے اس شہر نے کبھی عافیت نہیں دی، ہمیشہ سوتیلے ماں کا سلوک کیا ہے، یہاں مصیبت تنہائی اور وحشت ہے۔ یہ مصریوں کا شہر ہے، میرا خروج یقینی معلوم ہوتا ہے، یروشلم نے بنی اسرائیل کو قبول کیا تھا اور مجھے ابھی تک کوئی خطا عرض اپنی پناہ میں لینے کے لئے تیار نہیں ہے، شاید میں بوجھل ہوں۔ نہیں، نہیں، میں کبھی ہجرت نہیں کروں گا، میں مصریوں کے درمیان رہ کر ہر طرح کے انسانی اور غیر انسانی مظالم برداشت کروں گا، میں اپنے آپ کو تشدد کے لئے پیش کرتا ہوں: ارے سفاک! مجھے اتنا مار دے کہ میرا بدن شل ہو کر ریت کی

پوری بن جائے، اتنا مار دے کہ تہارے ہاتھوں میں سکت نہ رہے! شہر لہو! رک جاؤ تم میری قوت سے آشنا نہیں ہو، میں ایک علامت سے زیادہ مضبوط ہوں، حصول زر، نعیش اور دغا بازی نے تمہاری آنکھوں کا نور چھین لیا ہے تمہارے کانوں میں جیسے بھرا ہوا ہے۔ انسانی تاریخ پر ایسا وقت کبھی نہیں آیا، یہ قیامت نہیں تو اور کیا ہے! یہ زمانہ جاہلیت ہے، انسانی ضمیر کی عصمت دری کا مرحلہ ہے، زوال عصر کے سائے ساری کائنات پر پھیل رہے ہیں، انسانی ہوس گدھوں کی صورت میں منڈلا رہی ہے۔

باہر واقعی کافی حدت ہے یا اس ریسٹواں کا ایمرکنڈیشنز کام نہیں کر رہا ہے۔ ہونٹوں پر پٹریاں جم گئی ہیں، میں پوری قوت سے پھیپڑے پھیلا کر مرطوب ہوا کی رطوبت سے ہونٹوں کو نم کرنے کی سپہم کوشش میں مصروف ہوں۔ صبح سے مسلسل سیڑھیاں چڑھنے کے بعد سارا جسم چوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ ابھی تک کسی بیرے نے میرا آڈر نہیں لیا، غالباً میرا حلیہ دیکھ کر مجھے نظر انداز کر رہے ہیں کہ کوئی تھکا مارا مسافر صرف ٹھنڈی ہوا میں ستانے کے لئے چند لمحوں کے لئے گاہک کا روپ دھار کر بیٹھا ہوا ہے۔ میرا بیرا... جی صاحب... اتنی دیر سے چیخ رہا ہوں کوئی سنتا ہی نہیں، بھائی میں یہاں مفت بیٹھنے نہیں آیا ہوں... فریائے یہ لیجئے مینو کارڈ... نہیں مجھے چائے چاہیے ہے... صاحب یہ کھانے کا وقت ہے... تم مجھے زبردستی کھانا کھانا پاتے ہو، کس بات پر تنس رہے ہو... صاحب معاف کیجئے آپ پنچ کی ٹیبل پر بیٹھ گئے ہیں، چائے کی میز ادھر ہے۔ بیرا دائیں ہاتھ سے طنز یہ انداز میں اشارہ کر کے لالہ داد میزدن اور کریسوں میں گم ہو گیا ہے، میں اسے کم سے کم پانچ روپے ٹپ دوں گا کہ اس کی غلط فہمی دور ہو جائے کہ میں وہ نہیں ہوں، نہیں نہیں ہرگز نہیں، میں کچھ بھی نہیں ہوں میں اسے بالکل ٹپ نہیں دوں گا تا کہ اسے میری اہل حقیقت کا پتہ چل سکے۔ میں آج اپنے اند وختہ کی آخری قسط مبلغ تیس روپے لے کر نکلا تھا، یہ علی الصبح ملازمت کی تلاش میں نکلنے سے پہلے بنک سے نکلوائے تھے، یہ میرا آخری سراپہ ہے، اور اس کے بعد خالی جیب کا ہول ہو گا، جو مجھے نہ سونے دے گا نہ کسی سے سینہ تان کے ملنے دے گا اور نہ چین سے

بیٹھنے دے گا۔ کئی مرتبہ دل کو تسلی دی ہے کہ خالی جیب سے غلو فان تو نہیں آجائے گا، انسانی مخلوق کا نصف حصہ اسی طرح پھرتا ہے، ذہن اس دلیل سے مطمئن نہیں ہے، خالی جیب کا خلا بتدریج بوجھ بنتا جا رہا ہے، میں نے کئی مرتبہ اپنے آپ کو مادہ پرست کہا ہے مگر روح نے کبھی میرا پیٹ نہیں بھرا، اس پہلے میں اپنے آپ کو تمام تر فکری اور خیالی منصوبوں اور ارفع خیالی کسے باوجود اتنا ہی مجبور پاتا ہوں جتنا بھوک اور پیاس سے بلکتا ہوا حیوان! مجھے فی الحال اپنے جسم کی تمام قوتوں کو اس بنیادی ضرورت کے حصول کے لئے استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ تمام انسانی عوامل کا انحصار اسی ضرورت کی تکمیل کے گرد گھومتا ہے، انسان اس کو فتح نہیں کر سکتا، اس کی برابر ہوسا نہ لینا کی حد بندی نہیں کر سکتا ہے....

یہ ریتوران نہ جانے آج کیوں ویران ہے، اکا دکا گاؤں ہی نظر آ رہا ہے۔ آج وہ یہاں نہیں ہو سکتا، اس کی آنکھیں مجھے یہاں تلاش نہیں کر سکتیں، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوگی کہ میں کس کش مکش سے دوچار ہوں، وہ سمجھ رہا ہوگا کہ میں کہیں تحریری منصوبوں میں مصروف ہوں! چائے بے حد تلخ اور بد مزہ ہے، ریتوران میں کھانے کی پھیلی خوشبو سے اشتہا زور پکڑ رہی ہے، جیب میں پیسے بھی ہیں مگر... دراصل گرمی کی شدت اور ہزیمیت سے پیدا شدہ اضمحلال نے مجھے اس تعیش پر آمادہ کیا ہے۔ ریتوران کے قد آدم بیٹھے گرمی سے دھکنے لگے ہیں، شیشوں سے باہر جھوم اور جھوم میں اضطراب ہے، شیشے کی دیوار نے باہر کی ہر صد اکوا نذر آنے سے روک دیا ہے، تمام رگ گونگے اور بہرے معلوم ہوتے ہیں، نقص امن کی صورت معلوم ہوتی ہے، یقیناً خطرہ ہے، مسلح افراد کے لئے ہجوم خطرہ ہے اور ہجوم کے لئے مسلح افراد خطرہ ہیں، دونوں ایک دوسرے کے روبرو ہیں اولنڈر امن قائم کرنا چاہتے ہیں ثانی الذکر اس امن کو قبول کرنے پر آمادہ معلوم نہیں ہوتے۔

بے کیف چائے ختم ہو چکی ہے مگر باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا ہے، باہر دھواں ہی دھواں ہے، غالباً انسو گیس پھیل چکی ہے، وقت گزرتے ہوئے پتہ نہیں چلتا، تاریخ جمود کی قائل نہیں ہے، مورخ انبساط کا اظہار کر رہے ہیں... ریتوران کی آبادی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے، البتہ ال کے وسطی ستون کے عقب سے دو آنکھیں میری طرف متوجہ ہوئی ہیں، ایک

دم بدن میں خنک بھر جھری اٹھی ہے، نہیں یہ وہ آنکھیں نہیں ہیں جن کو رستوران میں بیٹھنے سے قبل میں نے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی مجھے یقین ہے کہ وہ رستوران سے باہر نجوم کے ساتھ مصروف ہوں گے لیکن مشعل نجوم کے قرب میں میری موجودگی تشویشناک ہو سکتی ہے، کوئی اس سے غلط معافی لے سکتا ہے، باہر نکلنا بھی کسی قدر خطرے سے خالی نہیں ہے۔ وہ آنکھیں کیوں دیکھ رہی ہیں؟ میں یقیناً انبیائی طور پر بیمار ہوں، میں نہیں پسند کرتا ہوں کہ کوئی مجھے مسلسل دیکھتا رہے، یہ آنکھیں خواہ آدمی کی ہوں یا عورت کی، ان کا ارتکا ز میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ فرائیڈ کے مطابق خطرے اور خوف میں جنسی خواہش تقویت حاصل کرتی ہے لیکن وہ دونوں آنکھیں میرے بدن میں کسی خفیہ خواہش کو ترغیب نہیں دے سکی ہیں عورت خواہش کا محرک نہیں ہے، خواہش کے ذریعے عورت کی تلاش کی جاتی ہے، عورت عورت! میں اس لفظ سے تنگ، آچکا ہوں ہر جگہ موجود نظر آتی ہے مگر اس کے باوجود اس کی عدم موجودگی کا ذکر کیا جاتا ہے، ستم بالائے ستم یہاں کی عورتیں نسوار کی پڑیا ہیں۔ شاریات کے مطابق عورت کا تناسب مرد کی نسبت کم ہے، یہاں ایک نئے قتال کی ضرورت ہے کہ یہ تناسب بدل جائے، صاحب اور چائے لاؤں؟ نہیں۔ بل لاؤں؟ جیسی تمہاری مرضی، پیرامیری روانگی پر مصر ہے کیونکہ میں نے چند سکوں کے عوض کافی سستا لیا ہے۔ اس وقت ہر دو عہد چوکڑی مچی ہے رستوران سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ذہن کسی فیصلے پر آمادہ نہیں ہوا ہے، اس میں ذہن کا بھی اتنا قصور نہیں ہے کیونکہ فیصلہ کرنا اتنا مشکل نہیں ہے، اس پر عمل پیرا ہونے میں طرح طرح کی دقتیں حائل ہیں۔ درحقیقت میرے سامنے دو راستے ہیں: زندگی میں دیانت اور محنت کے اصول پر کار بند رہ کر تمام سختیاں برداشت کروں، اس صورت میں میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں، یعنی ایک تجریدی اصول کو حقیقت سمجھ کر صبر اور ایثار سے کام لوں اور ایک ایسے مستقبل کا انتظار کروں جس میں انسانی اور معاشرتی انصاف کا وعدہ ہے؛ دوسرا راستہ ہے کہ میں اپنے آپ کو مسمار کر کے آج کل کے عام انسان کی طرح زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے

ہر چیز کی بازی لگا دوں؛ بے وقوف کس سوچ میں الجھے ہوئے ہو؟ ذرا سی ہمت کی ضرورت
 ہے، تمہیں کون دیکھ رہا ہے؟ ابھی نہیں ابھی نہیں شیشے سے باہر دھواں پھیل
 ہوا ہے، تمام کتے منتشر ہو چکے ہیں، ہر طرف دھوئیں کے ستون اٹھ رہے ہیں اور میں ایک
 خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھ رہا ہوں، ایک خوف مجھے باہر جانے سے روک رہا ہے
 میں اب کسی کی ملازمت میں نہیں ہوں، کسی کو میری سوچ، زبان اور دماغ پر کوئی اختیار
 نہیں ہے، غالباً میں مستقبل سے خائف ہوں۔ ذہن ایک بددیانت مورخ کا سپاہ روزنامہ
 بنتا جا رہا ہے جس میں ہر واقعہ اور واردات کو چھپانے کا رجحان ہے، بغیر شرکت کے تاریخ
 لکھی نہیں جاسکتی، نہیں تو وہ یو این او کا چارٹر بن جاتی ہے۔ میں اپنے آپ سے شرمندہ
 ہوں، اپنی نسل سے شرمندہ ہوں، میری نسل دور تداخل کی پیداوار ہے، یہ نسل اس
 وقت بلوغت کی طرف روانہ ہوئی جب برطانوی سامراج کا سورج غروب ہو رہا تھا، اور جس
 نے ہوش اس وقت سنبھالی جب عملاتی سازشوں کا عروج تھا، میں اپنی نسل کے انخطاط کی علامت
 ہوں، ایک اور نئی نسل کا سورج طلوع ہو چکا ہے طالب علموں نے جرأت کے ذریعے قیادت
 اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے۔ میں دلدل میں پھنسا ہوا ہوں، میں کاہلی اور نامردی کا شکار ہوں،
 کیا میرے نصیب میں مشکوکی کا اشتہار ہے؟ میرے مسوم سانس کی حفاظت ضروری ہے، میری
 سرزنش کو بطور تشبیہ استعمال کیا گیا ہے اُف، میری ناک اور آنکھوں میں کسی نے
 سرخ مرچیں پھینک دی ہیں، رستوران میں موجود دوسرے گاہک بھی اسی اضطراب کا اظہار
 کر رہے ہیں، ادئے، باہر کا دروازہ بند کرو، اندر گیس آرہی ہے، ایک دم دوشخص کھانتے
 ہوئے اور رٹکھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوئے ہیں، انہیں دیکھتے ہی میں نے پاس رکھا ہوا
 اخبار اٹھا کر خبریں پڑھنے کے بہانے منہ چھپا لیا ہے۔ دونوں اپنے چہرے رومال سے
 صاف کرنے کے بعد مجھ سے کچھ فاصلے پر رکھی ہوئی لچکدار میز کے گرد بیٹھنے کے لئے اپنی توند
 پر جمی ہوئی پیٹیوں کو ڈھیلا کر رہے ہیں، ان کو دیکھتے ہی دو بیرے آگے بڑھے ہیں، وہ دونوں

اڈر دینے کے بعد مجھے گھورنے لگے ہیں۔ بدبخت میرا ابھی تک بل لے کر نہیں آیا ہے،
 خواہ مخواہ نئی مصیبت گلے پڑ جائے گی، ان میں غالباً ایک وہی ہے جو میرے علاقے کا حاکم
 ہے۔ خطرہ بتدریج بڑھ رہا ہے، خوش قسمتی سے میرا بل لے آیا ہے اور لالچی نگاہوں سے
 میری جیب کی طرف دیکھ رہا ہے، میں نے ہر پڑا کر دس روپے کا نوٹ رکابی میں پھینک
 کر اسے ہاتھ کے اشارے سے تمام بقایا رقم اٹھانے کے لئے کہا ہے، وہ جواباً گوفش بجا کر
 میزوں سے ٹکراتا ہوا مال کے کسی گوشے میں معدوم ہو گیا ہے۔ میں جلدی سے اپنی جگہ
 سے اٹھنے لگا ہوں کہ سامنے بیٹھے ہوئے منکر نکیر میں سے ایک اٹھا ہے، میں فوراً اپنی
 جگہ پر دوبارہ بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا ہوں، وہ دونوں آپس میں کھسکھس کر رہے ہیں، وہ یقیناً
 جائے وقوعہ کے پاس میری موجودگی کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، مجھے یہاں جلد از جلد
 اٹھ جانا چاہیے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ مجھے کوئی روکنے والا بھی نہیں ہے اس کے باوجود
 میں اٹھتے ہوئے بھی نہیں اٹھ سکتا، میں انہیں صاف صاف بتا دوں گا کہ میں یہاں کسی خاص مقصد
 کے تحت نہیں بیٹھا ہوں، میں تو یہاں دونوں کرویوں کے انٹرویو دینے کے بعد ستانے کی غرض سے
 آیا ہوں، اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ میرے پاس اپنی تمام ڈگریاں اور سفارشی
 سرٹیفکیٹ ہیں، لیکن وہ ناٹے قد والا مجھے مسلسل کیوں گھور رہا ہے؟ پلک جھپکتے ہی وہ میری طرف
 آگے بڑھا ہے اور دونوں کولہوں پر ہاتھ رکھے مجھے گھور رہا ہے؟ فرمائیے، آپ کیا چاہتے
 ہیں؟ میں یہاں کسی خاص مقصد کے تحت نہیں آیا تھا، میری یہاں موجودگی محض اتفاقیہ ہے اگر
 آپ مزید تفتیش کے لئے کہیں لے جانا چاہتے ہیں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں لیکن
 آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟ کچھ نہیں؟ پروفیسر صاحب، آپ مجھے پہنچاتے ہیں؟ کیوں نہیں، مجھے
 صرف کسی قدر منالطہ ہوا تھا، میرا بھائی آپ کا ہمشکل تھا، کس کالج میں پڑھتا تھا؟ جس میں آپ
 پڑھاتے تھے، پرسوں ایک جلوس میں ہلاک ہو گیا تھا، شکریہ تشریف رکھیے۔ یہ کہہ کر وہ ناٹا
 معدوم چہرہ بنائے والپس اپنی سیٹ پر چلا گیا ہے، دونوں پھر مجھے گھور رہے ہیں، ہو سکتا ہے

کہ اس نے مجھے بے وقوف بنایا ہو؟ یہ تو خود اس کا بھائی کیسے ہو سکتا ہے، اب رستوران میں بیٹھنا بالکل محال ہو چکا ہے، آنسو گیس نے آنکھوں اور حلق پر شدید حملہ کیا ہے، میں ہوا کی سبائے گیس نکل رہا ہوں، رستوران کے باہر دھواں ہی دھواں ہے۔ لوگ منتشر ہو چکے ہیں، میں تازہ ہوا کی تلاش میں دیوانہ وار شرک پر بھاگ رہا ہوں۔ —

اپنے آپ کو بچانے کے لئے؟ نہیں ان کی تلاش میں بھاگ رہا ہوں جنہوں نے کبھی مجھے تلاش نہیں کیا، اس زمانے کے لئے جس نے کبھی میری ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔ ادہ، میں پسینے سے برابر ہو چکا ہوں اور دل ایک نوبت کی طرح بچ رہا ہے۔ اس شاہراہ کا یہ حصہ دیران ہے، اور میرے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ میں تو ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو چکا ہوں، نہیں محض عادتاً ڈر گیا تھا وہ میرا کیا بگاڑ سکتے تھے؟ مجھے بے شک اندر بھیج دیتے۔ ویسے بھی احمد نے مجھے ہر طرح کی تسلی دی تھی۔ میں خواجہ رستوران میں آ بیٹھا تھا۔ گھر سے نکلا کسی اور کام سے تھا لیکن بہکی ہوئی سوچیں کہیں اور لے نکلیں۔ مجھے حفیظ کے قتل کا افسوس ضرور تھا، میں شاہد اور حمید کو ساتھ لے کر حفیظ کے گھر افسوس کے لئے جانا چاہتا تھا۔ پل بھر کے لئے سوچا : میں ان کو ساتھ کیوں لے کر جاؤں، افسوس کیا ہوتا ہے؟ ہم سب نے زندگی کا ایک حصہ اکٹھے بسر کیا تھا، اب باقی ماندہ حصہ الگ الگ بسر کر رہے ہیں، ہم میں وجہ تعلق ختم ہو چکی ہے، اس لئے سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اس قسم کی سوچ مجھے رستوراں میں لے آئی تھی۔ اب مجھے کدھر جانا ہے؟ مجھے خود بھی کچھ پتہ نہیں۔

(۷)

احمد کا مکان میرے مکان سے سو گز کے فاصلے پر واقع ہے۔ میرے مکان کے سامنے سے ایک نہتا بے آبادی سڑک گزرتی ہے، مکان کے عقب میں ایک گنجان محلہ آباد ہے جس کے مکینوں کو میں ایک مدت سے آباد دیکھ رہا ہوں، لیکن بہت کم افراد سے واقف ہوں کیونکہ کبھی کسی سے واقفیت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، نہ وہ کبھی میرے دکھ درد میں شریک ہوئے ہیں اور نہ میں نے کبھی ان کا حال دریافت کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے! اس علاقے کے تمام چہرے آشنا ہیں اور اس کے باوجود میں کسی کو نہیں جانتا ہوں۔ احمد دو منزلہ مکان میں رہتا ہے، مجھے اپنے مکان کے باہر دیکھ کر خوش ہو گا، میں کبھی اسے دیکھ کر کئی کاٹ جاتا تھا اب اسی کا دست نگر ہوں۔ اکثر میری اور اس کی ملاقات صبح کے وقت کالج جاتے ہوئے ہوتی، وہ مسکراتا ہوا احمد سے سلام کرتا اور میں سر کی جنبش سے اس کا جواب دیتا۔ احمد کی شخصیت بڑی کھردری ہے، موٹے بدن پر پھوٹا فوسفید رنگ اور چپٹا ناک، عمر میں مجھ سے ایک دو برس بڑا ہو گا۔ اس کا باپ میونسپل کارپوریشن میں جوئینر کلرک تھا اور اسی عہدے پر ریٹائر ہوا تھا۔ چند سال پہلے اس کے والد کی وفات کی خبر سنی تھی لیکن میں اظہار افسوس کے لئے اس کے گھر نہیں گیا تھا۔ کالج کی تعلیم کے دوران غالباً سیکنڈ ایئر میں احمد نے یک لخت کالج میں آنا بند کر دیا تھا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ کسی وثیقہ نویس کے پاس بطور شاگرد کام کیے لگا تھا۔ اسی دوری کی وجہ سے احمد نے کبھی تفصیلی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

میں اس سے زیادہ احمد کے بارے میں نہیں جانتا ہوں، صرف کالج کے زمانے کی کچھ

دھندل باتیں ہیں جن کی اس وقت باز آفرینی تفسیح و قات ہے۔ یہاں مجھے ایک نامعلوم عزم کھینچ لایا ہے، اسے عزم کی بجائے ضرورت کہنا زیادہ موزوں ہے، ضرورت انسان کی کمزوری ہے اور یہی اس کی محرک ہے۔ بعض ضرورتیں ناگزیر ہیں جن کی تکمیل کے بغیر انسانی زندگی ممکن نہیں ہے اور بعض انسانی انا کی پیدا کردہ ہیں جنہیں اضافی ضرورت کے طور پر نامزد کیا جاسکتا ہے۔ عموماً اضافی ضرورتیں بنیادی ضرورتوں پر فائز رہتی ہیں۔

میں اس وقت احمد کی بیٹھک میں بیٹھا کسی قدر خفت محسوس کر رہا ہوں، بالکل ایک امید دار کی طرح دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ادھر ادھر دیکھ رہا ہوں، اس دن احمد نے ضمناً ذکر کیا تھا، میں اسے مدد کا مخفی اشارہ سمجھ کر غیر شعوری طور پر طرح طرح کی توقعات کا جال ذہن میں بن رہا ہوں۔ اس نے میری طرف رخ نہیں کیا، شاید اس لئے کہ میری معاشرتی افادیت ختم ہو چکی ہے، میں کسی کے کیا اپنے کام بھی نہیں آسکتا۔ وہ لوگ جو معاشرتی افادیت کے حامل نہیں ہوتے عموماً درخور اعتنا نہیں سمجھے جاتے کہونکہ زندگی بہت مصروف ہے، جہاں تک میرا تعلق ہے زندگی کی ریل پیل میں میری عدم افادیت کو بھانپ لیا گیا ہے اور میں مفروضہ مزایافتہ کی طرح چھپتا پھرتا رہا ہوں! اس سفر میں کامیابی شرط نہیں ہے لیکن میری مساعی کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، میں ہر ناممکن کوشش کر چکا ہوں، میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی شخص بھی بنیادی طور پر افادیت کا حامل نہیں ہوتا، وہ رسمہ گیزی کے ذریعے اپنی افادیت کو قائم کرتا ہے، معاشرتی افادیت، تعلقات اور حصول کے ذریعے کامیاب زندگی کا تصور جس منفی معاشرتی عدل کی پیداوار ہیں اس کے پس منظر میں عدم تحفظ اور شارٹ کٹ کی واردات ہے۔ عدم تحفظ . . . عدم تحفظ . . . یہ ایک بھوت ہے جس سے ہر طبقے کے لوگ ڈرتے ہیں، بلکہ اس کی پرچھائیں اتنی واضح، کہ ہر فرد

دوسرے سے ہر اسان ہے، ہو بڑ کی تھیوری محض ایک مغالطہ ہے کہ عدم تحفظ کے خوف لے کر وہوں کی صورت میں زندگی کرنے کی بنیاد رکھی، یہ مغالطہ انسانی تاریخ کے کسی دور کے بارے میں شاید کسی سچائی کا حامل ہو لیکن موجودہ صورتحال اس کے برعکس ہے، آج کے دور کی سراسیمگی بعض کے نزدیک اداریاتی شکست و ریخت کا نتیجہ ہے، بعض اسے اقدار کے زوال کا نتیجہ سمجھتے ہیں، لیکن اس سے پوچھا جائے کہ انسان کس دور میں نیک نیت رہا ہے؟ کس دور میں اس نے پامالی اور اتار کی کی بنیاد نہیں رکھی؟ کس دور میں اس نے اپنے ہمنفسوں کو سراسیمہ نہیں کیا؟ عدم تحفظ کے بھوت نے تحفظ کی خاطر انسان سے بہت سی توقعات وابستہ کر دی ہیں، انسان انسان کا تضاد ہے..... میں اس بدبخت کا کافی دیر سے انتظار کر رہا ہوں مگر ابھی تک اس کا غسل نہیں ہوا، اس کا لڑکا مجھے بیٹھک میں بیٹھا کر نہ جانے کہاں دفعہ ہو گیا ہے؟ یہاں بھی میرے صبر کا امتحان لیا جا رہا ہے، میں یہاں انٹرویو دینے نہیں آیا ہوں، اسے کم سے کم یہ تو خیال کرنا چاہیے کہ میں اس کے گھر چل کر آیا ہوں۔ احمد کی شخصیت کی طرح اس کی بیٹھک بھی بے تنگم ہے، دبیز قالین پر بھدی ساخت کے صوفے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ہیں۔ پتیل کے گلدانوں میں سرخ اور سبز رنگ کے پلاسٹک کے پھول اداسی سے میرا منہ تک رہے ہیں، دیواروں پر فارسی کے قطعے اور نیم برہند تصاویر فریموں میں سجی ہوئی ہیں، کمرے میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے مکین کی خوش مذاقی کا ثبوت دے سکے۔ ہر چیز دوسری سے مربوط معلوم نہیں ہے۔ کمرے کے ایک گوشے میں ایک سفید رنگ کی میز دھری ہے جس پر خاکی لفافوں کے انبار لگے ہوئے ہیں، غالباً یہ وہی لفافے ہیں جو احمد بغل میں دالے ہوئے مجھے اس گلی کی نمکڑ پر ملا کر اتھا، ان لفافوں پر کچھ مہل سی فلاں بنام فلاں کی عبارات لکھی ہوئی ہیں اور ان کے نیچے دفن درج ہیں، یہ لفافے کتنے بے رنگ سے ہیں لیکن ان کے پیٹ میں طرح طرح کی دار دائیں چھپی

ہوتی ہیں، یہ طبع انسانی کے اعمال نامے ہیں، کون بتا سکتا ہے کہ ان میں بے قصور کون ہے اور مجرم کون؟ ان میں وہ جواز موجود نہیں ہوگا جس نے کسی کو کسی فعل پر اکسایا، ان میں صرف حقائق اور واقعات درج ہوں گے کہ فلاں فلاں نے یہ یہ کیا، یہ پیشہ کافی گھناؤنا ہے، اب مجھے بھی ایسے لوگوں کے درمیان شب و روز بسر کرنے ہوں گے! میں احمد سے کس طرح بات شروع کروں گا؟ ہو سکتا ہے کہ اس دن اس نے مجھے صرف دلاسا دیا ہو اور میں اسے سچ مچ کا وعدہ سمجھ کر اس کے گھر آ بیٹھا ہوں، خیر یہ اس بات کو سوچنے کا وقت نہیں ہے، ہاں اس سے ملاقات کا ایک جواز تو نکل آیا ہے کہ میں بینک کے قرضے کے سلسلے میں خواجہ صاحب کا مشورہ چاہتا ہوں، اس کے بعد بات سے بات نکل آئے گی، مجھے بینک سے مزید ہلت مانگنی چاہیے یہ رقم بالاقساط اتاری جاسکتی ہے لیکن مکان تو بینک کے پاس رہن ہے اور قرضہ اترنے کے بعد مکان کا تقسیم ہونا لازمی ہے، یہ بعد کی بات ہے، یہ سارے مسائل پیچیدہ تر ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے برعکس میرے وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں، یہ میری بقا کا مسئلہ ہے، میں ہر چیز سے ٹکرا باؤں گا، مجھے جوابی حملہ بھی کرنا ہے، مجھے ٹوٹی ہوئی تلوار سے مشین گن کا مقابلہ کرنا ہے، یہ کم سخت! ہر کیوں نہیں نکلتا کہیں غسل مرگ میں مصروف تو نہیں؟ میرا اضطراب بڑھتا جا رہا ہے میں اس سے زیادہ تحفیز برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا ہوں... نہیں، اب میں حصول مقاصد کے لئے ہر ذلت کو برداشت کروں گا، میں اب زندگی سے دوچار ہوں، میں زندگی سے رو برو ہوں، میں بھی اب نئی اخلاقیات سے روشناس ہوا ہوں، میں برہنہ ہوتے ہوئے بھی نئی اخلاقیات کے لباس میں ہوں، مجھے ہرگز اپنی تقلیب پر حیرت اور تاسف نہیں ہے، میں کل رات ایک عام انسان کی طرح اچھا بھلا سویا تھا اور صبح ہوتے ہی انسانی بدن میں ایک ہزار پاؤں عفریت نے جنم لیا ہے۔ یہ کوئی محیر العقول واقعہ نہیں ہے، کافکا کا سیلزمین بھی تو آدمی سے ہزار پاؤں بن گیا تھا ایسے

بہت سے واقعات دیکھنے اور سننے میں آئے ہیں، میں خوش ہوں کہ میں نے تمام
بندشیں توڑ دی ہیں، میں نجیبوں اور شریفوں کے درمیان کافی وقت بسر کر چکا ہوں
مجھے وہ اتنے ہی کیئے اور حریف نظر آئے ہیں جتنے مجرم ہو سکتے ہیں لیکن میں نے تو
ابھی تک ان سے ملاقات نہیں کی، ہو سکتا ہے کہ وہ ان نجیبوں اور شریفوں کی بدولت
ہی مجرم بنے ہوں یا دوسری صورت میں انہوں نے اپنی کثافت کو چھپانے کے لئے اپنوں
میں ہی سے کم عقلوں کو مجرم کا لقب دے کر خود وعدہ معاف گواہ بن گئے ہوں، باطن
کا حال جاننا بہت مشکل ہے۔۔۔۔ میں بھی اب بغافے اٹھائے مجرموں اور ملزموں
کے ساتھ آواز پڑنے کا انتظار کر دوں گا۔ میں زنا کاروں اور سنگردوں کے ساتھ مل کر زندگی
کو مکروہ دریافت کر دوں گا، اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے مقدمے کی پیروی بھی کر دوں گا !
میرے مقدمے کا عنوان کچھ عجیب و غریب قسم کا ہے، نہ نوعیت جرم کا علم ہے اور نہ کوئی
منہ بولا عینی شاہد موجود ہے، اس کے فیصلے سے قبل ہی مجھے نامعلوم مدت کے لئے
سزا دی گئی ہے، میں کہتا ہوں: میں اگر ملزم یا مجرم ہوں تو مجھے بھی بتایا جائے کہ میں ملزم
یا مجرم کیوں ہوں؟ یہ احساس جرم کیوں روز بروز میرے اندر تقویت پکڑ رہا ہے؟
کس نے میرے لئے یہ جہنم تعمیر کیا ہے؟ میرے حواس سٹھیا گئے ہیں، فرد اپنی تمام تر
آزادانہ فعلیت کے باوجود نامساعد حالات میں مجبوری کی تصویر ہے، اصل مسئلہ فرد
اور اجتماع کے متناسب ربط کا ہے کہ ایک مخصوص قسم کے معاشرے سے فرد کس قدر
مفاہمت کر سکتا ہے؟ جہاں اجتماعی سطح پر منفیت کا دور دورہ ہو وہاں قطع تعلق
ضروری ہے، بہت سی گنگا میں ہاتھ دھونے آسان ہیں، میں نے بڑی دیر تک ضبط اور
تخل سے کام لیا ہے لیکن اب صبر کی سب طماہیں ٹوٹ چکی ہیں۔ منفی صورت حال میں
اعلان حق کا وقت لہ چکا ہے، ہر ڈان کہوٹے کا اسلوب بے وقت کی راگنی ہے، میں
فرض محال صداقت کا اعلان کر دوں تو کس کے لئے؟ ان کے لئے جنہیں صداقت کی ضرورت

الف

نہیں ہے؛ اشیاء اور قربانی کی مثال دہاں بار آور ہوتی ہے جہاں منفی اور مثبت میں تمیز کا سلیقہ ہو اور جرأت مفقود نہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ لوگ میری تقلید کا مذاق نہیں اڑائیں گے اور نہ ہی ہمدردی کا اظہار کریں گے کیونکہ رائے عامہ فاداریوں کی طرح بدلتی رہتی ہے۔ میں صرف ایک اور وضاحت چاہتا ہوں، میرے ساتھ اخلاقی مجرموں کا سلوک کیوں کیا گیا؟ میری نیت پر کیوں شک کیا گیا ہے؟ شک، بے یقینی اور بد اعتمادی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ میں نے ایک مشکوک معاشرے کے رحم سے جنم لیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میری دیانت پر شک کیا جائے، فلسفہ کے میدان میں شک دریافتوں کی کلید ہے۔ لیکن جب حاکم و محکوم میں شک اور بدگمانی ابھرنے لگے تو ساری فضا آلودہ ہو کر ہر چیز کی معنویت کو مشکوک بنا دیتی ہے، میں نے اس مشکوک آب و ہوا میں معنویت کی ایک نئی جھلک دیکھ لی ہے کہ ہر حالت میں زندہ رہنا چاہیے، میں اب کبھی اپنے آپ کو معاشرتی احتساب کے حوالے نہیں کروں گا، مجھے یقین ہے کہ میں دوبارہ لالیعیت کی طرف سفر نہیں کر رہا ہوں؛ نہیں نہیں، میری زندگی میں امید ہے، اس لئے میں لالیعنی آدمی نہیں ہوں، میں تصوراتی آدمی نہیں ہوں، صرف ایک آدمی ہوں۔

شیخ صاحب، شیخ صاحب، بیٹھک سے باہر کوئی نسوانی آواز احمد کو یاد کر رہی ہے، جواب کا انتظار کئے بغیر بیٹھک کا دروازہ دھڑام سے کھلا ہے، ایک سڈول جسم کی عورت خوشبو میں نہائی ہوئی اور زیورات سے مرصع اندر داخل ہوتے ہی پوچھنے لگی ہے: شیخ صاحب کدھر ہیں؟ وہ ہمارے، میں نے قدرے گھبراہٹ سے جواب دیا ہے، وہ میرے جواب پر زیادہ توجہ کئے بغیر صوفے پر بیٹھ گئی ہے۔ نووارد عورت چالیس کے پچیر میں ہے۔ اس کی آمد سے احمد کے کمرے کی بے رنگی ختم ہو گئی ہے، اس کے زیورات کی کھنک ریشمی لمبومات کی سرسراہٹ اور عطریات کی مہک اس کے بدن سے نکل کر میرے بدن میں سرایت کر رہی ہے۔ اس کی تمام تہذیباً نش اس کے اصل روپ کو چھپانے کی ایک کوشش ہے، وہ وہ نہیں

ہے جو وہ ظاہر کرنا چاہتی ہے۔ وہ بڑی بے اعتنائی سے اپنی طلائی چوڑیوں سے کھیل رہی ہے، میں نے کنکلیوں سے اسے کئی مرتبہ دیکھا ہے، مگر اس نے مطلقاً کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا، غالباً میری وضع قطع کچھ بالورس کن ہے، دبے پتلے بدن پر بالکل معمولی نوعیت کے کپڑے اور کئی دنوں کا بڑا ہوا شیو، وہ یہی سمجھ رہی ہو گی کہ میں بھی کسی بھنگ یا چرس کے مقدمے میں ماخوذ ہوں۔ احمد کا پیشہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے، ہر رنگ ڈھنگ کے آدمی اس کے سامنے اپنا پیٹ بکا کرتے ہیں، ابھی اسی وقت ایک سابقہ پروفیسر اور ایک مشکوک عورت اس منتظر ہیں۔ دونوں میں ایک لفظ فروخت کرتا تھا اور ایک بدن، دونوں کو اپنی جنس سے رغبت معلوم نہیں ہوتی، اس اعتبار سے دونوں مکروہ ہیں، یہ عورت بھی بہت جلد ریٹائر ہونے والی ہے، میں یہاں سے کبھی کا اٹھ کر چلا گیا ہوتا لیکن اس نامعلوم عورت کی کشش نے مجھے کچھ دیر اور بیٹھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

کھٹ سے دروازہ کھلا ہے، احمد اپنے موٹے پیٹ پر تہہ بند کے بلوکتا ہوا کمرے میں داخل ہوا ہے، اور نووارد عورت کو دیکھ کر کچھ جھجک سا گیا ہے: ادہ بیگم صاحبہ آپ ہیں! آداب شیخ صاحب۔ بیگم صاحبہ آپ نے اپنے آنے کی اطلاع نہیں بھیجی۔ میں ذرا بلدی میں ہوں، آپ کے لئے چائے منگواؤں؟ نہیں بس شکریہ۔ ادہ پروفیسر کیا حال ہے؟ تم سے ملنے آیا ہوں، احمد کچھ جواب دیئے بغیر حریفانہ نگاہوں سے نوار د بیگم کے جسم کے تمام اعضا کا بڑی بے حیائی سے جائزہ لے رہا ہے، وہ بھی غالباً نگاہوں کا مطلب پہچان گئی ہے، دونوں ایک دوسرے کو اس طرح دیکھ کر مسکرا رہے ہیں جیسے میں بڑی میں کباب ہوں۔ اچھا احمد میں چلتا ہوں۔ یا تم سے کس بات کا پردہ، بیگم صاحبہ ان سے بیٹھے یہ میں میرے پرانے کلاس فیلو پروفیسر ہی ہی ۱۰۰۰ اس عورت نے اس تعارف کے باوجود کسی رغبت کا اظہار نہیں کیا ہے، اس کے پرمکنت رویے نے مجھے ٹھنیف کر دیا ہے، اچھا احمد میں چلتا ہوں نہیں بیٹھو اس سے کیا پردہ! شیخ صاحب پہلے میں خواجہ صاحب کے پاس چلی تھی پھر سوچا

آپ سے ملتی جاؤں، واہ بیگم صاحبہ خواجہ صاحب کے پاس کون سی گیڈر سنگھی ہے، میں آپ کا بہانہ مند ہوں ہر خدمت کے لئے تیار، شیخ صاحب، بھیکے مت، ہمارا پروفیسر بڑا بے ضرر انسان ہے۔ شیخ صاحب میں بڑی پریشان ہوں، ہاں آپ کے مقدمے کی تاریخ بھی کافی نزدیک ہے، اس ماہ کی ۲۵ تاریخ ہے، بیگم صاحبہ آپ نے اپنی ضمانت کے سلسلے میں معجزہ کر دکھایا، مجھے امید نہیں تھی کہ آپ کی ضمانت ہوگی۔ ضمانت کرانا کون سی شکل ہے، سارے جاننے والے ہیں کہ شہر کا کون میری زد سے بچا ہوا ہے ہی ہی ہی

میں نے بڑی ریاضت سے یہ فن سیکھا اور سکھایا ہے۔ نازلی اور سانولی تو بالکل آپ کی یاد تازہ کر دیتی ہیں، کیا مطلب میں بہت بوڑھی ہو گئی ہوں؟ خدا نخواستہ ابھی تو آپ کی بھرپور جوانی ہے نازلی اور سانولی کو کون پوچھتا ہے، یہ سب آپ کے منہ کو ہے اور آپ کو بلانے کے لئے تو بڑا دل گر وہ چاہیے، بیگم صاحبہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اسی لئے تو یہاں آئی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس پیشی کے بعد آپ کا مقدمہ سیشن سپرد ہو جائے گا، اور آپ کی ضمانت منسوخ ہو جائے گی۔ نہیں، نہیں شیخ صاحب کچھ کیجئے۔ آپ کے مقدمے کا انسداد اب خدا بخش کی شہادت پر ہے، وہ حرامی سیٹھ یاسین کے بھائیوں سے ملا ہوا ہے، وہ موقعہ کا اکلوتا گواہ ہے۔ اسی کے بند و بست کے لئے یہاں آئی ہوں۔ ہی ہی ہی یہ بہت مشکل ہے۔ آپ کے لئے کون سی شکل ہے۔ وہ تو ٹھیک ہے بیگم صاحبہ لیکن بغیر روپے پیسے کے کام نہیں بنے گا۔ میں چار پانچ سو دینے کو تیار ہوں۔ واہ، کم سے کم دو ہزار روپے لگیں گے۔ شیخ صاحب آج کل میرا ہاتھ تنگ ہے۔ آپ روپے پیسے کی پرواہ نہ کریں اس کے چند لفظوں پر آپ کی زندگی کا دار و مدار ہے آپ کو موت سے خوف نہیں آتا، خدا کا واسطہ ہے کچھ رحم کیجئے، شہر میں جلوس جلتے ہو رہے ہیں اس رقم کو اپنی جان کا صدقہ سمجھیے، آپ کو واقعات کی نزاکت کا احساس نہیں ہے کیونکہ موت سے قبل

سیٹھ یاسین آپ کے مکان پر تھا، یکایک اس کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور خدا بخش ہی ڈاکٹر کو بلانے گیا تھا اور سنا ہے یہ بالکل غلط ہے مجھے زہر دینے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ میری آمدنی کا ذریعہ تھا۔ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ تو وہیں ہو گا لیکن یہ بتا دوں کہ خدا بخش ٹھوک کر آپ کے خلاف شہادت دے گا۔ شیخ صاحب میں ابھی مرنا نہیں چاہتی، اخباروں نے یہ قصہ بڑے غلط رنگ میں بیان کیا ہے۔ بیگم صاحبہ حوصلے سے کام لیجئے، روپے کا کیا ہے، یہ آتا جاتا رہتا ہے، زندگی سلامت تو سب کچھ سلامت۔ میں اپنا زیور گروی رکھنے کو تیار ہوں۔ دراصل سچے گواہ کو توڑنا سنگین جرم ہے آپ کی وجہ سے میں خواہ مخواہ مصیبت میں گرفتار ہو سکتا ہوں۔ بس کرو شیخ صاحب! میں اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتی میں کل تک ادھی رقم بھیجا دوں گی۔ نہیں پوری رقم کا بندوبست کیجئے، یہ لیں پانچ سو روپیہ باقی کل سہی۔ ہی ہی شکریہ، میں اس بدبخت کو مایہ کی چمک سے پھسلاؤں گا، آپ آج ہی خدا بخش سے ملیں اچھا خدا حافظ کمرے میں کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی ہے کسی قدر خنکی کے باوجود احمد کا منہ پسینے سے شرابور ہے، وہ ایک دم بے تماشا ہنسنے لگا ہے اور ہنستے ہنستے ایک دم سنجیدہ ہو گیا ہے: پر لیر کیا حال ہے؟ ٹھیک ہے، یہ کون تھی؟ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، کسی زمانے میں کافی مشہور تھی اب ایک بدھو سے سیٹھ پر پل رہی تھی محض لالچ نے یہ دن دکھائے۔ احمد تم بڑے سفاک ہو، بھائی رحم کا فلسفہ کلیاؤں کے لئے ہے اگر اس طرح سوچنا شروع کر دوں تو روٹی کہاں سے کھاؤں؟ تم واقعی خدا بخش کو درغلا سکتے ہو، کیوں نہیں یہ اسی کے ایما پر ہی تو سب کچھ ہو رہا ہے!، بلیک میلنگ؟ وہ کیا ہوتی ہے؟ یعنی دونوں طرف طرفداری کرتے ہوئے بھی کسی کی طرف داری نہ کرنا، یار پروفیسر تم کیسی باتیں کرتے ہو اسی لئے تم زندگی میں ناکام ہو، یہ کون سی میری رشتہ دار

ہے خواجہ بے چارے کو یہ مقدمہ میری وجہ ہی سے تو ملا تھا کہ میں گواہوں کو توڑنے کا فن جانتا ہوں۔ تم بھڑیے نما انسان ہو۔ نہیں میں نے صرف بھڑک کھال پہنی ہوئی ہے ہی ہی ہی۔ تم بے رحم ہو۔ اس لئے کہ قانون خود سفاک ہے دیکھو پروفیسر قانون کا تعلق رحم اور جواز سے نہیں ہے کیونکہ دنیا میں ہر ایک چیز کا جواز تلاش کیا جاسکتا ہے۔ احمد کیا ہر انسانی عمل کے لئے سزا مقرر ہے؟ ہر فعل کی سبائے ہر جرم کی سزا مقرر ہے، انگریز نے کیا قانون بنایا ہے کہ ۵۱۱ دفعات میں ساری انسانی خباثت کو مقبید کر دیا ہے۔ . . . پروفیسر اپنے اندر لچک کی صلاحیت پیدا کر دے، ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجھتی، خم کھانے کا فن سیکھو اچھا کیا تم آگئے ہو۔ دراصل میں تم سے ایک قانونی مشورہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ کس نوعیت کا؟ دراصل وہ دیوانی مقدمہ ہے اور میرے رہائشی مکان سے متعلق ہے۔ اچھا کل تمہیں خواجہ صاحب کے پاس لے چلوں گا، اب تو یہ گھر کی بات ہے، بس اب تم نے زیادہ سوال جواب نہیں کرنے، جمعہ کے دن سے تم نے میرے ساتھ جانا ہے، کہاں؟ تمہیں اس سے کیا، لیکن احمد تم میری مدد کرنا کیوں چاہتے ہو؟ میں تمہاری مدد تو نہیں کر رہا تمہیں ساتھ رکھ کر اپنی مدد کر رہا ہوں کیونکہ میرا کام بہت بڑھ گیا ہے، اکیلے پٹانا بہت مشکل ہے۔ تمہارے کام کی اصل نوعیت کیا ہے؟ بابا بہت وسیع کام ہے سوکلوں کو اپنے نرغے میں لانا، رسہ گیری کرنا، دونوں فریقین سے جوڑ توڑ، گواہوں کو حسب ضرورت پھسلانا، منشی گیری، مجرموں کو پکڑنے میں مدد دینا۔ تم اتنے کام بیک وقت کیسے کرتے ہو؟ اسی لئے تمہاری ضرورت ہے! نہ بابا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ بھئی یہ کام تم کر بھی نہیں سکتے اس کے لئے بڑے تجربے کی ضرورت ہے تم بس فوجداری کا کام سنبھال لو باقی کام میں خود پٹیا لوں گا۔ یا کوئی کام ایسا نہیں جو دفتر میں بیٹھ کر کیا جاسکے۔ میں بھی شروع شروع میں کچھ ہتک سی محسوس کرتا تھا کہ ایک دم کالج سے اٹھ کر منشی کا شاگرد بن گیا تھا۔ تم میری

مدد کرنا اور ان چکروں سے بچا کر کچھ پرائیویٹ ٹیوشنیں ڈھونڈ دو، یہ میرے بس کا
 روگ نہیں ہے۔ تم مجھے مجبور سمجھ کر اپنے چکر میں الجھانا چاہتے ہو؟ تم شریفوں کی دنیا میں
 رہنے کے عادی ہو جرائم پیشہ لوگوں سے گھبراتے ہو؟ نہیں ہرگز نہیں، پروفیسر جرائم
 پیشہ لوگ عموماً شریفوں سے اچھے ثابت ہوتے ہیں، تمہارے جیسے شریف لوگ چھپ کر کم و
 بیشتر ہمارے واردات کرتے ہیں جو عادی ہیں علی اعلان کرتے ہیں۔ احمد زندگی نے تمہیں
 عملی فلسفی بنا دیا ہے لیکن مجھے اس کام سے کچھ گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے۔ رائے عامہ سے
 مت ڈرو کوئی مجھے کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ نہیں آواز سگان سے میرے رزق میں کوئی فرق
 نہیں پڑتا ہاں یہ لو ایک سو روپیہ، یہ کیسے روپے؟ اس خوشی میں کہ دس پندرہ سال بچھڑنے
 کے بعد دو پرانے کلاس فیلوز کی طرح پھر زندگی کا سفر اکٹھے شروع کر رہے ہیں۔ نہیں،
 نہیں، میں تم سے بھیک مانگنے نہیں آیا۔ پروفیسر اب ان تعلقات کو غلط رنگ مت دو،
 اسے میرا تحفہ سمجھو، نہیں، بس پروفیسر تمہارا حساب چلتا رہے گا۔

اچھے، اچھے، اچھے، باہر سے کسی نے گرج دار آواز میں آواز دی ہے، سنتے ہی
 احمد کا رنگ کسی قدر فق ہو گیا ہے، میں احمد کی گھبراہٹ بھانپ کر جانے کے لئے اٹھنے لگا
 ہوں کہ کسی نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ زور سے کھولا ہے، ایک بھاری بھر کم شخص
 شلوار قمیض میں ملبوس جناح کیپ پہنے ہاتھ میں بید لئے ہوئے اندر داخل ہوا ہے۔
 آئیے سچو بدری صاحب بیٹھے۔ نووارد میری طرف دیکھے بغیر دھڑام سے صوفے پر بیٹھ گیا ہے۔
 اُف، یہ وہی بدبخت معلوم ہوتا ہے یہ یہاں کیسے آگیا؟ اسے کیسے معلوم ہے کہ میں احمد کے
 مکان پر کسی منصوبے کی تکمیل میں آیا ہوں؟ ہو سکتا ہے احمد بھی مجھ پر میں جے
 دہم سمجھتا رہا ہوں وہ حقیقت ہے، وہم نہیں ہے جس کی تردید سر جھٹک کر کی تھی، یہ وہی
 ہے جو ہر شام ریستوران میں آکر اخبار پڑھا کرتا تھا ایک نہ ایک دن آنا سامنا ہونا تھا، چلو
 روز روز کی جھک جھک ختم ہوئی یہ میرا کیا کر سکتا ہے۔ آج اس سے تفصیل گفتگو ہوگی . . .

چوہدری صاحب لسی منگواؤں، نہیں، مٹھائی نہیں۔ تو مجھے خوش کرنا چاہتا ہے، میں تیری انکوائری کرنے آیا ہوں، میری، میری کیسی انکوائری؟ تجھے ابھی مجھ سے پالا نہیں پڑا۔ میں تو کئی مرتبہ آپ کے دیر سے پر سلام کرنے آچکا ہوں۔ مجھ پر کوئی احسان کیا ہے؟ نہیں جناب یہ تو میرا فرض ہے کوئی خدمت ہو تو؟ تیرے خلاف پھر بہت سی درخواستیں آئی ہیں اور میں نے اس میں تمہارے بیان لکھنے ہیں۔ کیسے بیان؟ لوگ تمہارا دماغ داخلہ نہ کرنا چاہتے ہیں، سنا ہے کہ تم سودے بازی کرتے ہو، اور تم نے خراجہ کو تین سو روپیہ مہینہ پر ملازم رکھا ہوا ہے؟ استغفر اللہ، میں تو ان کا پروردہ ہوں، لوگ خراجہ صاحب سے ملتے ہیں۔ دیکھو میں تمہیں ایک بات بتا دوں، کبھی میرے گواہ مت توڑنا، میں بڑا خطرناک آدمی ہوں، بہت جلد بدل لیتا ہوں۔ توبہ، توبہ، میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا ہے۔ نہیں میں سب کچھ جانتا ہوں سب علاقوں کے گواہ تمہارے قبضہ میں ہیں۔ ہی ہی ہی میرا ان سے کیا تعلق ہے؟ چوہدری صاحب آپ کی مدد سے علاقے میں میں سب کو تنہ ڈال دوں گا۔ آپ تو علاقے کے بادشاہ ہیں جس کو چاہیں بند کر دیں مجھے اس علاقے میں آئے ایک مہینہ ہو چلا ہے لیکن تیرا بار ملک ابھی تک طے نہیں آیا، اس کی کیا مرضی ہے؟ چوہدری صاحب آج کل بیمار ہے۔ دیکھ احمے میں یہاں ترقی پر آیا ہوں اور اس علاقے میں اپنی دھاک بیٹھانا چاہتا ہوں کیونکہ یہاں جو دھاندلی مچی ہوئی ہے مجھے اس کو ختم کرنے کے لئے یہاں بھیجا گیا ہے، مجھے یہاں ایک دوا ایسے اعتمادیوں کی ضرورت ہے جو میرے اور عوام کے درمیان رابطے کا کام کر سکیں! چوہدری صاحب شکر ہے کہ آپ سب کچھ سمجھ گئے ہیں آپ کے آنے سے پہلے جعفر اور صادق ملک صاحب کے منہ لگے ہوئے تھے اور انہیں بہت بدنام کیا تھا، ہر مرتبہ کچھ لے کر منحرف ہو جاتے تھے۔ اے میں سب کچھ سمجھتا ہوں مجھے اعتمادی گواہ چاہیے ہیں ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن چوہدری صاحب مفت کوئی شہادت نہیں دیتا۔ میرے پاس کوئی خزانہ تو نہیں ہے البتہ میں مدد

ہر چھوڑوان باتوں کو۔ دیکھو پروفیسر میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ تو پھر مجھے انسان سمجھ کر گفتگو کی جلے میں نے تمہیں زیادہ پریشان نہیں کیا ہے، مجھے ایسا کرنے کے لئے کہا گیا تھا، میرے فرض سے پہلے بھی یہ سلسلہ جاری تھا، میں نے صرف کاغذوں کا پیٹ بھرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح آپ میرا پیٹ خالی کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ پروفیسر پرانی باتوں کو چھوڑ دو چوہدری صاحب بڑے رحم دل واقع ہوئے ہیں۔ میری ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ پروفیسر تم سمجھا رہے ہو۔ چوہدری صاحب مجھے ایک بات بتائیں کہ میں جب کچھ بھی نہیں کرتا تو کاغذات میں کیا لکھا جاتا ہے؟ بالکل اچھا نہیں وہاں صرف یہی درج تھا کہ تمہارا تعاقب ضروری ہے۔ کیا اب بھی میری نگرانی کی جا رہی ہے؟ معلوم نہیں! پروفیسر تم جیسے ذہین لوگوں کو ہماری مدد کرنی چاہیے، ہمیں بھی احساس ہے کہ زمانہ بہت بدل گیا ہے اب لوگوں سے پیار محبت ہی سے کام لیا جاسکتا ہے، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں! بہت کچھ جرائم کے انسداد میں ہماری مدد کرو، مشکوک لوگوں کے بارے میں ہمیں کچھ بتاؤ۔ یعنی جو کچھ میں نے نہیں دیکھا ہے اس کے دیکھنے کی شہادت دوں؟ بس کچھ سمجھ لو تمہیں ہماری امداد کرنی چاہیے۔ اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ چوہدری صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ سنو سنو، تم اپنے بچے ہو گھبراؤ نہیں، تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے، میں اس علاقے میں نیا آیا ہوں اور میں کسی ایسے شخص کو اعتماد میں لینا نہیں چاہتا جو میاں کا بھیدی ہو، میں بڑا محتاط ہوں میں تمہارا ماضی صاف کرادوں گا، اور کچھ عرصے کے بعد تم دوبارہ پروفیسر بن سکو گے۔ چوہدری صاحب میں معافی نہیں چاہتا اور نہ ہی دوبارہ پروفیسر بننے کی خواہش ہے، میں نے جو کچھ کھویا ہے اسے دوبارہ نہیں پاسکتا آپ مجھے تعاون کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ سوچ لو پروفیسر تم اتفاق سے اس علاقے میں رہتے ہو جہاں میری حکومت ہے، چوہدری صاحب یہ مجھ پر چھوڑ دیں میں اسے رام کر لوں گا یہ ابھی نا سمجھ ہے۔ اسے سمجھا دینا کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں اہاں ملک تمہارا یا رہے رہے گیری کر رہا ہے

اسے میرا پیغام دینا کہ کیا مرضی ہے؟ یہ کہہ کر چوہدری ڈولتا ہوا اپنی سیٹ سے اٹھا ہے اور احمد کو کاندھے سے پکڑ کر کمرے کے ایک گوشے میں لے گیا اور دونوں سرگوشی میں کچھ باتیں کر رہے ہیں، کچھ صاف سنائی نہیں دے رہا وہ کچھ اس قسم کی بات کر رہا ہے کہ کوئی جابر بد معاش اس کے زرخے میں ہے اور اس کی ضمانت کا بندوبست کیا جائے، احمد نے بڑے برخوردانہ انداز میں سر ہلا کر اسے تسلیم ہی ہے اور وہ کسی قدر مطمئن ہو میری طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا ہے۔ احمد اسی طرح بے ستھان بننے لگا جیسے وہ نووارد عورت کی روانگی کے وقت ہنسا تھا، وہ ہنسنے ہنسنے ایک دم سنجیدہ ہو گیا ہے: احمد تم بڑے خوفناک آدمی ہو۔ کیوں؟ یہ کیا چکر ہے؟ تم دور رخ انسان ہو، پروفیڈ تم اس سے خواہ مخواہ الجھ رہے تھے یہ بڑا مادر چوہ قسم کا آدمی ہے تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟ تمہیں آہستہ آہستہ پتہ چل جائے گا۔ احمد اس کے ساتھ مل کر کہیں مجھے کسی نے چکر میں الجھا تو نہیں رہے؟ بابا، اسے کیسے پتہ چلا کہ میں تمہارے پاس ہوں؟ مجھے کیا پتہ؟ مجھ پر شک کیوں کرتے ہو؟ شک تو نہیں کرتا اس اتفاق اور توار پر کسی قدر حیران ہوں لیکن کیا تم میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح ہنسو گے جیسے اس عورت اور چوہدری کے جانے کے بعد پاگلوں کی طرح ہنسنے لگے۔ شاید میں تمہاری باتوں کا برا نہ مناؤں، لیکن تم میرے پاس چل کر آئے ہو۔ تمہارے پاس وہ دونوں بھی چل کر آئے تھے۔ تم میرے کلاس فیلو اور محلے دار ہو تم سے معاملہ ذرا مختلف ہے، تم مجھے دوسرا احمد پاؤ گے۔ احمد پھر مجھے خراجہ صاحب کے پاس؟ بس ایک دو روز میں بیگ والا قصہ بھی طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ احمد کیا میں گراہی کی طرف جا رہا ہوں؟ بابا جیسا دیس دلیا بھیجیں! تم کس چکر میں الجھ رہے ہو؟ تلاش رزق کا تعلق گراہی سے نہیں ہے تم ایک دو دن مزید سوچ سوچ کر کے مجھے اطلاع دو، میرے پاس جو کچھ ہے وہ حاضر ہے باقی تمہاری مرضی! تمہاری آفر کا شکریہ، بد و فیس میں بھی تمہاری طرح اس بات میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی کسی کا امداد نہیں ہوتا مگر بعض دفعہ انسان کا وسیلہ بن جاتا ہے۔



اس دیوار کے پیچھے کون ہے ؟ کوئی نہیں ، میرا سایہ ہے ، یہ ریت کی
 نہیں وجود کی دیوار ہے ۔ میں اس دیوار کا سایہ ہوں جو مجھ سے اوجھل ہے ۔ مجھے
 مابعد الطبیعات سے نفرت ہے ، اس سے ابھی تک کسی کو کیا ملا ہے ، ایک تسلی ،
 ایک فریب نظر ۔ اگر یہ دیوار واقعی دیوار وجود ہے تو پھر میں یقیناً ایک سایہ ہوں جو اس
 کے پیچھے چھپا ہوا ہے ۔ انسان یعنی وجود یعنی دیوار یعنی حقیقت اس دیوار سے ماورا
 نہیں ہو سکتی ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آپ سے ماورا نہیں ہوں ، اور
 میرے سامنے جو کچھ ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔ کائنات کی ہر ایک چیز اپنے
 معانی سے عاری ہوتی جا رہی ہے ، میرا وجود ایک لالینی صورت حال بنتا جا رہا
 ہے ، اور اس سے فرار کیونکر ممکن ہے ؟ ادھ ، راتوں کی تیرگی مجھے اپنی پناہ
 میں لے میں ہر ایک چیز سے ٹھک گیا ہوں ، اپنے آپ سے بھی اودان سے بھی جن
 کے درمیان مجھے رہنا ہے ! اے آتش سیال مجھے اس طور منتشر کر دے کہ پھر
 مجھے اکٹھا نہ کیا جاسکے ، اور پھر میں ہوش سے عاری ایک بچے کا ذہن لے کر انہیں
 مڑکوں پر دیوانہ وار پھروں اتنا کہ شناخت کے سب قرینے محو ہو جائیں ، شعور اور
 وجود کے درمیان کھنچی ہوئی لکیر کو منہدم کر دوں ، ہر اثبات سے انکار کروں
 اور ہر انکار سے اثبات کا قرینہ اخذ کروں ۔ اے راتوں کی رات تو میرے
 ماضی کو مجھ سے میرے مستقبل سے میری سوچ کو ہمیشہ کے لیے جدا کر دے کہ دوسرے
 میرا جہنم ، اور میں ابتر ہوں ایک باغ کی طرح جس کے برگ و بار تیز آندھی سے الجھ

گئے ہوں۔ میں اور کچھ نہیں دیکھنا چاہتا کہ دیکھنا تجربہ کرنا ہے، میں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے اور دیکھنا نہیں چاہتا جو کچھ دیکھ چکا ہوں اس میں صرف اتنی معنویت ہے کہ اس میں کوئی اور معنویت نہیں ہے۔ میں اسی دن ہی سمجھ گیا تھا کہ اب مصلحت کا دور گزر چکا ہے۔ ایک ہجوم کا بلج سے باہر شور و شغب کے سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا ان کی دیکھا دیکھی لڑکوں نے بھی احتجاج کے طور اس طرح آوازوں کو ایک ہی لے کے کورس میں تبدیل کیا جیسے یونانی المیوں میں سنائی دیتے ہیں۔ پھر کیا تھا، آنا نانا وہ مسلح گروہ کی صورت میں لائٹیاں لہراتے ہوئے اندر آئے، معلم اور طالب کے سب قرینے مٹ چکے تھے، لڑکے بکھر چکے تھے اور وہ کالے چنے پہنے ہوئے مطمئن تھے کہ انہوں نے سوائے اس کے کوئی اور جسم نہیں کیا کہ وہ اس علم کی ترسیل کرتے تھے جو شعور کی بجائے گریز کا درس دیتا تھا۔ دیکھتے دیکھتے ان پر اشک اور گیس اور لائٹیوں کا سیلاب تھا کہ ان پر اکسانے کا الزام تھا۔ اس کے بعد میں نے کلاسوں میں جانا کم کر دیا اور اسی سوچ میں رہتا کہ کس طرح اس چار دیواری سے فرار حاصل کروں، قسمت نے خود ہی ایک موقع پیدا کر دیا۔ لیکن اس موقع میں تہذیب نہیں تھی، مجھے کان سے پکڑ کر باہر نکالا گیا ہے، ہر ایک کو اچنبھا ہوا ہے، ہر ایک نے حیرت سے یہی کہا ہے کہ میں ایسا تو نہیں تھا جیسا ثابت ہوا ہوں۔

میرے مرحوم دوست نے کئی مرتبہ مجھے اشارۃً سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میں اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کروں، میں نے اس کی بات ہنسی میں ٹال دی تھی کہ میں کس بین الاقوامی سازش میں مصروف ہوں؟ ایک دن اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا تھا: تم خطرے میں ہو! کیسا خطرہ؟ میں نے تنک کر جواب دیا تھا۔ پھر میں نے ایک دن اس سے کہا تھا: حضرت پہلے ہی منکر نکیر

میری نگرانی پر معمور ہیں ، اس کے علاوہ میرا شعور میری مراقبت میں ہے اور پھر آپ بھی میری دیکھ بھال پر لگے ہوئے ہیں ! اس نے خفارت سے منہ موڑ لیا تھا ۔ میرا تخیل بھی کتنا محدود ہے ، میں صرف گزرے ہوئے وقت کے بارے میں سوچتا ہوں ، اپنا تماشا ٹی خود بن گیا ہوں ، میرے اندر عظمت کا کوئی جوہر نہیں ہے ، میں ایک عام ذی نفس کی طرح کسی الجھن کے بغیر زندہ رہنا چاہتا ہوں ، ایک ایسے شخص کی طرح جس کی زندگی کی کلی کائنات چند ضروریات کی تکمیل ہے اور بس میں اس خواہش ، اس ارادے کے باوجود اضطراب میں ہوں جس کی نوعیت ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہوں ۔ اوہ ، کیسا بے اجر عہد ہے جو مجھے ایک اضطراب کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکا اس میں میرا کوئی تصور نہیں ہے ، میں اس عہد کی قید میں ہوں ، میں اس قید سے نکل سکتا ہوں لیکن اس راستے پر میرا سایہ ہی ایک تریف کی طرح راستہ روکے ہوئے ہے ۔ میری قید اندر ہائی میں اس سارے عہد کے سوالات چھپے ہوئے ہیں ۔ ان سوالات کو کون ایک علم کی طرح اٹھائے کہ عہد زوال ہے ! کیسا زوال ؟ ایک نظام کا جو ایک مرتے ہوئے آدمی کی مٹھی کی طرح کھلتا جا رہا ہے ۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی ، یہ جانتے ہوئے بھی ، یہی سمجھا اور سمجھایا جا رہا ہے کہ عقیدے کا زوال ہے ، سرشت کی تبدیلی نہیں ہے ۔ میرا ذہن پہلے سے زیادہ الجھ گیا ہے ، بے اجر عہد میں میری بصارت بھی اندھیرا بن چکی ہے ، اوہ ، میں نے ضرورت سے زیادہ ”جن“ پی لی ہے ، مجھے اس خلط مجٹ سے کیا ؟ میں نہ لیڈر ہوں اور نہ فلسفی ، ایک حقیر بندہ بشر جو ضرورتوں کے ہاتھوں ایک تنگ کی طرح بہتا جا رہا ہے ۔ کچھ دن پہلے احمد نے چند روپے دیئے تھے جو ہر ضرورت کے لیے قلیل تھے اور ہر ضرورت کے لیے سب کچھ قلیل ہوتا ہے ، قلت کو

بہتات میں تبدیل کرنے کے لئے ضرورت کو عدم ضرورت میں تبدیل کیا جاتا ہے، یہ ایک لمبی بحث ہے، نفس انسانی اور اقتصادیات کا الجھاؤ ہے، دونوں ایک دوسرے کا تناقص ہیں۔ مجھے یہ روپے ماں کو دے دینے چاہیئے تھے لیکن میں نے خود غرضی کی، اسے اپنی ملکیت سمجھا، مجھے اکلویں کی ضرورت ہے، اور میں مغلوب ہوں، میں اختر شیرانی نہیں بننا چاہتا، یہ مجھے انتخاب کا حوصلہ دے رہی ہے، یہ مجھے اپنی تقلید کا جواز فراہم کر رہی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے کس طرح جدا کیا ہے، یہ عمل حیران کن بھی ہو سکتا ہے اور غیر متوقع بھی، نہیں جب تک انسان زندہ ہے ہر ایک بات متوقع ہے، کسی وقت کچھ ہو سکتا ہے، اس کا انحصار لمحات پر ہے، پیرس کے گڑگاں نے تاجی جزائر میں جا کر کپڑے اتار دیئے، اس نے اپنی شخصی تہذیب کے ہر تار کو ادھیڑ کر وہاں کے باشندوں ایسی زندگی بسر کی، اس کا سفر تہذیب سے عدم تہذیب کی طرف رجعت کا عمل تھا۔ میرا عمل اس سے مختلف ہے، میں دانستہ طور پر یہ سب کچھ کر رہا ہوں، میرے گرد جو نرغہ قائم کیا ہے میں اسے توڑ دوں گا، میں نے اپنی قیمت لگا دی ہے۔ اودہ، رات کا ایک بج چکا ہے، مجھے اس منحوس کمرے سے نکل جانا چاہیئے، باہر شہر میرا منتظر ہے، زوال کا وقت ہے، خواہشیں شکست خوردہ سپاہیوں کی طرح پسپا ہو رہی ہیں۔ تمام اہل خانہ مجھ خواب ہیں، تمام کمرے خاموش ہیں، رخصت کے کمرے میں مدہم روشنی جل رہی ہے، وہ کرسی پر بیٹھی ہوئی غنودگی کے عالم میں ہے، وہ لا علاج ہے، مرگی، ہسٹریا وغیرہ کی سب تشنصیں غلط ہیں، وہ اپنے عورت ہونے کے عذاب میں مبتلا ہے، یہاں اس کی رہائی ممکن نہیں ہے۔ صحن میں تاریکی ہے۔ تمام چار پاٹیاں الٹی کھڑی ہیں، یہ نحوست کی علامت ہے، آسمان پر مدار ستارہ مجھ سفر ہے، ساری کائنات ایک ازلی نحوست میں

جکڑی ہوئی ہے۔ کون؟ رضیہ نے خواب آلود آواز میں پوچھا ہے۔ سوتی رہو، میں
 تے جلدی سے جواب دے کر صحن سے باہر نکلنے کی کوشش ہے، وہ یک لخت
 زور سے ہنسنے لگی ہے، مجھے پتہ ہے تم کہاں جا رہے ہو، مجھے بچا لو،
 بچا لو، وہ آ رہے ہیں۔ گھر کے دوسرے کمرے کی روشنیاں جلنے لگی ہیں۔ باہر
 تاریکی ہی تاریکی ہے، مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ مجھے کہاں جانا ہے اور کیا سوچنا ہے؟
 رگوں میں اٹکوں کی نصف بوتل کے باوجود سردی کا احساس بدستور قائم ہے۔ میں
 مجرم نہیں ہوں، میں نے کچھ نہیں کیا، یہ میرا پیدائشی احساس جرم نہیں ہے، میں
 اس کی بیماری کا ذمہ دار نہیں ہوں، میں تو خود بیمار ہوں، یہ سارا مہمہ بیمار ہے اور
 کسی کو یہ بھی نہیں پتہ کہ کون کیوں بیمار ہے؟ یہ شہر بیماروں کا ہسپتال ہے، یہ طاعون
 ہے، بیٹھے بیٹھے ایک دم جسم پھکنے لگتا ہے اور ذہن کی ٹناہیں ٹوٹ جاتی ہیں۔
 قابیل نے خدا سے کہا تھا: میری سزا برداشت سبباہر ہے، خدا نے اسے معاف نہیں
 کیا اور کہا: جو قابیل کو قتل کرے اس سے سات گنا بدلہ لیا جائے..... اور
 خدا نے قابیل کے لیے ایک نشان بٹھرایا کہ کوئی اسے پا کر مار نہ ڈالے....
 قاتل کا تحفظ کیا گیا لیکن میں منکر ہوں میرا کوئی ساتھی نہیں ہے، کوئی ضابطہ میری
 حفاظت کے لیے آمادہ نہیں ہے، ہر طرف خلا ہی خلا ہے، میں نے اسے مقدر
 کے طور پر قبول کیا ہے۔ میرے جرائم کی فہرست آج کے بعد طویل ہوگی، اب کسی
 کے دکھ درد میں میری آنکھیں غم نہیں ہوں گی، میں نے ضابطوں اور اقدار کا طوق
 گلے سے اتار دیا ہے، میں ایک قدیم وحشی کی زندگی بسر کروں گا۔ میں نے بازی
 بحیثیت لی ہے، میں نے گزرے ہوئے اور آنے والے کل کے درمیان خطِ فاصل
 کھینچ لیا ہے۔ میں اب وہ نہیں ہوں جو کل تھا۔

چلتے چلتے بدنِ شل ہو چکا ہے اور تیز تنفس میں اٹکوں کی بو چھی ہوئی ہے،

آج کی رات بڑی گھمبیر ہے ، الکوہل کا سمندر پینے کو جی چاہتا ہے ، میں سارا لہو
بلڈ بینک کے حوالے کر کے رگوں میں آتش سیال بھرنے چاہتا ہوں ۔ واٹن شاپ
کبھی کی بند ہو چکی ہے ۔ دکان سے باہر مالک کا ایجنٹ شراب کی بلیک کرنے
کے بعد جا چکا ہے ۔ نہ جانے کیا وقت ہے ؟ جب میں یونیورسٹی کے ٹاور کے
پاس سے گزرا تھا تو اس وقت بارہ کا عالم تھا اب زیادہ سے زیادہ ایک بج رہا ہوگا ،
کچھ آخر شب اور کچھ موسم کی بے یقینی نے مالک کے ایجنٹ کو جلدی گھر جانے
کی تلقین کی ہوگی ، چلو کٹری میڈ کے اڈے کا رخ کرتے ہیں لیکن وہ کس جگہ فروخت
ہوتی ہے ؟ کسی سے معلوم کر لوں گا ، کیسی احمقانہ بات ہے ، کبھی کسی نے کسی سے
پوچھا ہے کہ شراب کہاں ملتی ہے ؟ ایسی دکانوں پر ہر شخص پوری چھپے جاتا ہے ،
دکانوں کے باہر کھڑے لوگ اندر جانے والے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ،
خریدنے والا لرزہ بر اندام ہوتا ہے کہ کہیں کوئی موجود نہ ہو ، اگر واقعی وہ دکان کے
اندر موجود ہے تو فروخت کنندہ بڑی درشتی سے اجازت نامہ مانگتا ہے اور نفی کی
صورت میں صاف مگر جاتا ہے ، جب میدان صاف ہو تو منہ مانگی قیمت وصول
کرنے سے دریغ نہیں کرتا ۔ کبھی سنا تھا کہ سینماؤں کے چوک میں لال پری ملتی
ہے لیکن اس کے اس طرف کا رخ کرنا خطرہ ہی خطرہ ہے کہیں گشت
پارٹی سے مڈ بھیڑ ہو گئی تو خوا مخواہ مصیبت آ جائے گی ، میرا علیہ بھی اس وقت
آوارہ گردوں ایسا ہے ، وہ میرا منہ سونگھیں گے ، پھر میری قے اور پیشاب
کا نمونہ لے کر کیمیائی تجزیے کے لیے کسی لیبارٹری میں بھیجیں گے ، ثوب مل
جائے گا اور مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا ، میرے پاس اس کے حصول کا اجازت نامہ
نہیں ہے مجھے کہہ رہا ہے ؟ میں شہر کی مرکزی شاہراہ کے چوک
میں سفید روشنی کے نیچے کھڑا سوچ رہا ہوں ، سر میں بے تحاشا درد ہے اور

طبیعت متلا رہی ہے، جو کچھ معدے اور دل و دماغ میں ہے اسے ایک ہی جھٹکے سے الٹ دوں اور سارے شہر کو دکھا دوں کہ میرے ذہن اور معدے میں کیسی غلاظتیں ہیں، انہیں بھی یقین آ جائے کہ میری طرح وہ بھی خوشنما جلد کے اندر اتنی غلاظت چھپائے ہوئے پھر رہے ہیں، معدہ سکڑ چکا ہے، ٹانگوں میں نقاہت اور ارتعاش اور دل کی دھڑکن بے سناشائیز ہوتی جا رہی ہے، یہ جسمانی کیفیت ناقابل برداشت ہے، ہسپتال بھی کافی قریب ہے، نہیں وہ میرے ناک میں آکسیجن کی نالی لگا کر سانس دینے کی بجائے سارا اہو چوس لیں گے اور کسی ضرورت مند کو دینے کی بجائے قیمت وصول کریں گے، لیکن اس وقت زندہ رہنے کے لیے اتنے تردد کی ضرورت ہے؟ میں جسمانی عذاب سے قدرے گبھرا گیا تھا۔ اس چوراہے کے چاروں طرف سڑکیں ہی سڑکیں ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہو سکتا، یہ شاہراہ کتنی راز دار ہے، اس کے سینے میں صدیوں کے راز پنہاں ہیں، صبح سے شام تک قدم، پھیسے اور ٹائٹل اس کی سینہ کوئی کرتے ہیں، یہ کتنی متحمل ہے کہ ہر ایک کی نیتیں جانتے ہوئے بھی خاموش رہتی ہے، اب بھی کوئی اکا دکا کارفرمائے بھرتی ہوئی پاس سے نکل جاتی ہے، چاروں سڑکیں سفید روشنی میں چمک رہی ہیں، یہ صبح تک کسی کی منتظر نہیں ہیں، اس شاہراہ کے اوپر تاریکی کا دبیر خول چڑھا ہوا ہے اور تاریکی کے خول میں آسمان کو کاٹتی ہوئی بجلی کی کمان ایک پل کے لئے نمودار ہو کر غائب ہو جاتی ہے، نہیں یہ قوس قزح ہے، رات کے وقت قوس قزح؟ میرا دماغ چل گیا ہے، روشنی کی کمان اس مرتبہ گرج کے ساتھ نمودار ہوئی ہے سارا شہر کانسی کے کٹوے کی طرح لرز رہا ہے، یہ زلزلہ ہے، شاہراہ کے سینے پر دبی ہوئی تاریکول ابٹنے لگی ہے، زلزلہ ہیما کی سوٹیاں ٹوٹ چکی ہیں، زمین قدموں کے نیچے سے سرک رہی ہے، شہر کے مکان روٹی کے گالوں

کی طرح اڑ رہے ہیں ، زمین کا سارا بدن شگافوں سے بھر گیا ہے ، ہرے بھرے
درخت زقوم میں بدل گئے ہیں ، ٹھنڈی ہوا میں بلا کی گرمی ہے ، شاہراہ کے
درمیان میں آگ کا شعلہ اوپر ابھرا ہے اور شعلے پر پانی کی دیگ ابل رہی ہے ،
عوام الناس اپنے اعمال نامے تعویذوں کی صورت میں حمان کے الاؤ کی طرف
آگے بڑھ رہے ہیں ، سونے کا تخت نشینوں سے خالی ہے ، تاریک فضا
الاؤ کی لو سے سرخی اور سیاہی کی خونا بن رہا بن گئی ہے ۔ اچھا خاموشی صدائے
اسرافیل ہے ، دماغ گرم ہانڈی کی طرح ابل رہا ہے ۔ مجھے بار بار تنبیہ کی
جا رہی ہے کہ میں گمراہی کی طرف جا رہا ہوں ، میرا فیصلہ انسانیت کے لیے جھک
ہے ، میں بے گناہوں پر ظلم کی بارش برسا کر جبر کی بارات کا دلہا بن جاؤں گا ،
دلہوز پتھروں کی آواز بانسری کی طرح سرلی ہے ، یہ میری شب زفاف ہے ، یہ
دھماکے کیسے ہیں ؟ ہیرو شیا ! ویتنام ! انسان کشی کی روایت ابھی زندہ ہے ،
انسانیت کی آخری رات زوال پر ہے ، بجلی کی کمان پھر آسمان پر نمودار ہوئی
ہے ، یہ عہد ہے ، یہ وعدہ ہے لوگوں کے ساتھ جو ابھی تک پورا نہیں ہوا ۔ گرانی ،
بے روزگاری ، استحصال ، انسان کشی اور فسطائیت کا سیلاب — کمان
درمیان میں رکھی گئی تھی اور عافیت وعدہ تھا ، عذاب کی یہ شکلیں صریحاً بدعہدی
ہے ، سیلاب چڑھا ہوا ہے ، کشتی ریزہ ریزہ ہو چکی ہے ، بادل سنو: ابن آدم
مقرب نہیں تھا ، انکار ابلیس حسد کا نتیجہ نہیں تھا ، اس نے اس کی آنکھوں میں
جابرانہ جبروت کی جھلک دیکھ لی تھی کہ وہ نظریات کے اصنام کدوں پر انسانی
لبو کی قربانی دے گا ، وہ ہم نفسوں کا دشمن بن کر ہمیشہ خنجر بکف رہے گا ،
طبقات تخلیق کر کے برادر کشی کا ثبوت دے گا ۔۔۔۔۔ میں پھینتا ہوں ! میں
احتجاج کرتا ہوں ! میری صدا سے بام و درگوش اٹھیں گے ! میں بادل بن کر منحوس

شہروں پر آگ کی بارش برسائوں گا ! میں روندے ہوئے کسانوں ، مزدوروں ،
اور بے گناہ مجرموں کا نوحہ بن کر بجھے پریشان کروں گا میرے اندر کس کی
صدا گونجی ہے ، مجھے مت روکو میں نے خطرناک راستہ اختیار کر لیا ہے وہ کیا
ہے ؟ وہ کیا ہے ، ٹونزو ، اولوتزد

بارش کا پہلا قطرہ آگ کے گولے کی طرح سر پر پھٹا ہے ! یکے بعد دیگرے
بارش کے قطرے میرے جسم پر دیوانہ وار گر رہے ہیں ، مجھے اس برگد کے نیچے
پناہ لینی چاہیے ، اس کے نیچے روشنی تلاش کی گئی تھی ، اسے نردان نہیں ملا تھا
کیونکہ اگر اس نے کچھ دیکھا تھا تو وہ اسے بیان کرنے سے قاصر تھا ۔ اسے دیوار
دہود کے پیچھے روشنی کی چھاؤں نظر آئی تھی ، لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے
کیونکہ میں صرف ظاہری حقیقت پر یقین رکھتا ہوں ، میں سوچ رہا تھا کہ ایک دیوار ہوں میرے
اندر شعور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ، ڈھونڈنے والو روشنی دیوار اور برگدوں
کے نیچے نہیں ہے ، محنت روشنی ہے ۔ ہر ایک کو روشنی دریافت کرنے کا حق
ہے ، سونا ، علم اور سکون سب روشنیاں ہیں ، بعض کم عقل روح کو روشنی
کہتے ہیں ، انہیں کیسے بتاؤں ؟ عین حیات بدن کی آفرینش اور پرورش ہے
اور روح بیچاری تو بھٹکے جسموں کا آسیب ہے ، جسم سے پہلے خاموشی ، جسم کے بعد
خاموشی ، باقی سب مفروضے ! میں آج کی رات دیوار دہود پر ہاتھ رکھ کر وعدہ
کرتا ہوں ، میں ذہن کی ہر تہ میں سے اندازی پہچان کو منہا کر دوں گا ، میں
زندہ رہوں گا پتھر کی طرح ، گھاس کی طرح ۔ میں موت سے ہرگز خائف نہیں
ہوں ، اس کی لالچیت مجھے پریشان کرتی ہے ، مادہ اشکال بدلتا رہتا ہے ، میرا
موجودہ وجود مادے کی جمالیاتی شکل ہے اس کی انتہا میرا شعور ہے ، شعور کی
بے ترتیبی کے بعد میں دوسری دھاتوں کی طرح زمین میں دفن ہو جاؤں گا ، میری

شناخت کا حوالہ بدل جائے گا ، میں ادراک نہیں کر سکوں گا بلکہ میرا ادراک کیا جائے گا ، سکول کے بچوں سے ماسٹر کہے گا : دیکھو بچو، مادہ اپنی ہیئت کس طرح بدلتا ہے، زندہ انسان نباتات اور جمادات کا حصہ بن جاتے ہیں !

بارش اس قدر تیز ہو چکی ہے کہ گھنے برگد کے پتے اس کے شعلوں کو سنبھالنے سے قاصر ہیں ، دوزخی شہر پر بارش کے لئے کس نے دعا مانگی ہے ؟ اس بارش سے کھلیاں کبھی نرو تازہ نہیں ہو سکتے ، یہ شہر اس کے باسیوں کی آفت میں ہے ، اس تاریخی شہر کی ناموس کو محفوظ کیا جاسکتا تھا ، میں آج اس شہر کی عظمت سے منکر ہو چکا ہوں ، اس شہر نے ہمیشہ چڑھتے سورج کو سلام کیا ہے ، مجھے یاد ہے کہ ۱۸۵۷ء میں بھی اس شہر نے ان کا ساتھ دیا تھا ، مجھے یاد ہے کہ اس میں یونینسٹ حکومت کا بول بالا تھا۔ اس شہر کی تمام بڑی عمارتیں ناجائز آمدنی کی پیداوار ہیں ، یہ بارش اس شہر کو اس نہیں آئے گی اور گرد و نواح کے مضافات کی فصلیں برباد ہو جائیں گی ، بارش ، بارش میرے دل میں بارش ! شاعروں کے شہزادے ورلین میں تجھے سلام کرتا ہوں۔ میں نے برگد کی ٹہنیوں میں سلگتے قطروں میں کچھ دیکھا ہے ، میں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے بیان کر سکتا ہوں ، میری بشارت مکمل ہو چکی ہے ! میں نے جو دیکھا ہے وہ میرا فیصلہ ہے۔ اس دوزخی شہر کے رہنے والوں تمہارے گوداموں میں میرے لیے اناج کا ایک دانہ بھی نہیں تھا ، تمہاری تجوریوں میں میرے لئے ایک سکہ تک بھی نہیں تھا ، تمہارے دلوں میں میرے لئے رحم کا ایک قطرہ تک بھی نہیں تھا ، میں بارش کی پردہ کٹے بغیر تمہارے خزانے لوٹنے آ رہا ہوں ، مجھے پہچانو ! میں تمہارے فاسد مددے کی قے ہوں تمہیں اے دوبارہ چاٹنا پڑے گا ، میں خنکی اور نمونیت سے ہرگز خائف نہیں ہوں ، اب میں حملہ آور ہوں ، بجلی بن کر تمہارے اوپر گروں گا اور تم مجھ سے پناہ مانگو گے ، میں تمہارے

بدن پر باغ اقسام کے کوڑھ کے جرائم پھیلا دوں گا۔ آسمان پر کمان نمودار ہو کر ٹوٹ گئی ہے، گیدڑوں کی طرح مت وادبلا کر د..... شاہراہ کی روشنیاں اچانک بجھ گئی ہیں، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے! بجلی کی کمان تھک کر محو ہو چکی ہے، صرف بادلوں میں گونج، اور ہر سمت اندھیرا ہی اندھیرا ہے!

(۹)

میری کھوپڑی کے لیے میرا ذہن بھاری ہے ، میرے لئے میرا وجود بوہل ہے ، ہم سب ایک دوسرے کے لئے بھاری اور بوہل ہیں ، ہم سب کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے لیکن پھر بھی ہم ایک دوسرے کو اٹھائے ہوئے ہیں ، ایک دوسرے کو گھسیٹتے ہوئے خاک اڑاتے ہوئے چلے جا رہے ہیں ، کسی سوچ کے بغیر ، کسی منزل کے بغیر ، کیا ہر ایک کے لئے منزل ضروری ہے ؟ جنگلوں میں گھاس کسی خواہش اور کسی ایما کے بغیر خود ہی اگتا ہے اور خود ہی خاشاک بن کر اڑ جاتا ہے ، میں گھاس ہوں ، نہیں میں زندہ رہنے کی جبریت کا شکار ہوں ، زندگی سے باہر ہوتے ہوئے بھی اس سے باہر ہوں ۔ دن اپنی نصف مسافت طے کر چکا ہے اور کلاک کی سوئیاں ایک زائر کی طرح طواف پیہم میں ہیں ، اوہ جو کچھ تم ہو ، جو کوئی بھی ہو انسانیت کے نام پر خاموش ہو جاؤ ، خاموش ہو جاؤ میں سونا چاہتا ہوں ، ایک شہتیر کی طرح ، اس میت کی طرح جس کی لحد بھی مٹ چکی ہے ، نیند کے لئے تباہی کی ضرورت نہیں ہے ۔ جب میں کبھی مصروف تھا پچھلے پہر ہی اپنی نیند پوری کر لیا کرتا تھا کہ مجھے رات کی آمد سے خوف آتا تھا ، شام میرے رگ و پے کو اپنے آسیب میں لے لیتی تھی ، اور میں تیسرے پہر ہر طرح کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتا تھا ۔ اس وقت کتاب کا مطالعہ لالینی ہے ، باہر جاؤں تو کس سے ملوں ؟ میرا کوئی دوست بھی نہیں ہے ، اپنے آپ سے کب تک باولے کی طرح باتیں کرتا ہوں ، آخر ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہونی

چاہئے لیکن میرا معاملہ تمام حدوں سے گزر چکا ہے۔ ہو سکتا ہے میری طرح کے اور لوگ بھی ہوں جو بستروں پر، گھروں کی چار دیواریوں میں کسی سے کچھ کہے بغیر یوں ہی گزر جاتے ہوں۔ میں نے کون سی ایسی تاریکی یا شخصی صورتحال قبول کی ہوئی ہے جو مجھے جگائے رکھتی ہے۔ میرا بچپن، نہیں کچھ بھی نہیں تھا، اس لئے کوئی یاد کسی ایک سے وابستہ نہیں ہے، ایک اصطبل کی زندگی تھی جہاں بہت سے مولیشی بندھے رہتے ہیں جنہیں ایک حکم کے تحت ایک جگہ رہنے پر مجبور کیا گیا تھا، اب کچھ آزاد ہیں اور کچھ آزاد ہوتے ہوئے بھی پابند ہیں؛ اس مکان کے مستقبل کے بارے میں امجد بھی درست کہتا ہے اور رحیم کی بات بھی اتنی غلط نہیں ہے۔ رحیم کویت جانے سے پہلے اس مکان میں اپنی وراثت چاہتا ہے، یہ اس کا حق ہے، امجد کے مطابق مکان بینک کے نام رہن ہے، اس لئے اسے تقسیم یا فروخت نہیں کیا جاسکتا، ماں کا فکر بھی اپنی جگہ پر حق بجانب ہے۔ میں اپنی وراثت سے انکاری ہوں، نہ صرف اس مکان کی بلکہ ہر اس صورت حال کی جس نے مجھے وہ بنا دیا ہے جو میں نہیں ہوں، اسی لئے میں نے امجد اور رحیم کی گفتگو میں شرکت نہیں کی، میں صرف اس حد تک مکان کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جب تک اس کے سارے مکین اپنے منطقی انجام کو نہیں پہنچتے۔ وراثت حق نہیں، حادثہ ہے، زندگی یا موت کی طرح، ادھ، کلاک تو مجھ سے پوچھے بغیر ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس ہرزہ خیالی سے بہتر ہے میں کسی کتاب کا مطالعہ کروں، کتابیں میری دوست بھی ہیں اور دشمن بھی، ہر آدمی ایک کتاب ہے، بعض کتابیں مکمل ہوتی ہیں اور بعض ادھوری اور کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے مصنف خود ان سے بیزار ہوتے ہیں۔ دوستوں کی کوراسکا لیتخوف سے محبت تھی وہ اسے ایک عام قاتل نہیں بنانا چاہتا تھا، وگرنہ قتل کے

بعد وہ پیسوں کو خرچ کرنے کی بجائے پتھر کے نیچے نہ چھپاتا۔ لیکن ہر مجرم نہ توڑاں نہ دینے ہے اور نہ راسکا لیتھوٹ ! لال کتاب جرم کی تشریح کرتی ہے، اس کے معاشرتی یا نفسیاتی محرکات سے بحث نہیں کرتی، اس لئے انصاف کو اندھا کہا جاتا ہے۔ میں کسی مفروضے یا مابعد الطبیعیاتی مغالطے کا شکار نہیں ہوں۔ جرم میرا رازق بن چکا ہے ! بن چکا ہے !

آج صبح سے طبیعت کسل مند ہے، کچھ بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا، بس یہی کہ بستر پر لیٹا رہوں، ایک دوسرے ادب و موت کی طرح، کچھ سوچے بغیر، کچھ سمجھے بغیر، ایک بچے کی طرح جسے کچھ بھی نہیں کرنا، احمد ایک اچھا آدمی ہے، نہیں بُرا آدمی ہے، نہیں نہ وہ اچھا ہے اور نہ بُرا، بس ایک آدمی ہے، دوسرے بہت سے آدمیوں کی طرح جو نقصان کی بجائے نفع کے بارے میں زیادہ متفکر رہتے ہیں، لیکن خاص بات یہ ہے کہ اس فکر فردا کی بجائے فکر اس روز رہتا ہے، ہر ایک سے اس طرح گھل مل جاتا ہے جیسے وہ ازل سے اس کا دوست ہے۔ مجھے دراصل آج معمول کے مطابق احمد کے اڈے پر جانا تھا جہاں میرا رزاق یعنی وقت میرا منتظر تھا لیکن میں اس سے گریز کر گیا ہوں، مجھے آج روپوں کی ضرورت بھی تھی، کچھ خانگی تقاضے تھے اور کچھ ذاتی اخراجات، لیکن اس کے باوجود میں نے ان ضرورتوں کو صرف آج کے لئے اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔ میں اس چار دیواری کے اندر احمد کے توسط سے چند ایک سے تعارف ہوا ہوں، وہی چند ایک جمع کی صورت میں بہت سے ہیں جو اُسی چار دیواری میں نہیں ہر جگہ ملتے ہیں اور جن سے تعارف حاصل کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوتی۔ پہلے دن تو میں اس چار دیواری میں اپنے آپ کو اتنا سرشار اور محبوب محسوس کرتا تھا جسے کسی کو پہلی مرتبہ اپنی جنسی خواہش کا شدید احساس ہوا تھا۔

لیکن میں نے اپنے فیصلے کی حمایت میں جملہ استدلال کے ذریعے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھایا تھا کہ میں بخوشی یہاں نہیں آیا ہوں جہاں میں رہنا چاہتا تھا وہاں کی شائستگی کے لئے میرا وجود خطرے کا باعث تھا۔ میری کایا کلپ ہو چکی ہے، میرے اندر کی دیوار لخت لخت ٹوٹ چکی ہے، میں اس طرح آزاد ہوں جیسے میں کسی متمدن اور خواندہ ملک کا رہنے والا ہوں جسے کسی ادارے کی گرفت میں نہیں لیا جاسکتا۔ میں ملازمت کے طوق سے آزاد ہوں اور اس سے وابستہ شائستگی کے تمام تر الجھاؤ کی گرفت سے بھی بری ہوں۔ احمد کا اڈا کافی پر ہجوم ہے، وہ ہر پندرہ منٹ کے بعد پان چباتا ہوا، بفل میں خاکی لغافوں کا گٹھا دبائے ہوئے ہر طرح کے لوگوں سے تیز تیز باتیں کرتا ہوا، اپنے تعلقات کا اعتبار جاتا ہوا جھوٹے تہقہ لگاتا ہے، چائے منگواتا ہے، سانلوں سے بل دلاتا ہے اور پھر معاملہ یک مشت طے کرتا ہے۔ احمد کی نشست کے ارد گرد بھدی ساخت کی بے شمار کرسیاں اور میزیں ایک سمندر کی طرح پھیلی ہوئی ہیں، بالکل ایسی کرسیاں جو عموماً شہر سے باہر دوسرے شہروں کو جاتی ہوئی سڑک کے کنارے کھڑے بوسیدہ ٹی ٹالوں کے باہر مسافروں کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کرسیوں کے ساتھ اسی طرز تعمیر کی میزیں ہیں جن پر ڈسک رکھے ہوئے ہیں اور ڈسکوں کے ساتھ ایستادہ بانسوں پر کچھ اس قسم کی تختیاں ہیں جن پر کلرک آف فلاں فلاں تحریر ہے۔ یہ فرنیچر کسی شخصیت کا حامل نہیں ہے، اس فرنیچر پر بیٹھنے والے بھی کسی شخصیت کا رنگ نہیں رکھتے، وہ فلاں فلاں کے قائم مقام ہیں جو خود کسی اور تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ احاطے کے اس حصے میں جہاں فرنیچر کا ہجوم ہے، ایک مستقل جھنجھٹا ہٹ رہتی ہے، کسی آواز کا لہجہ انفرادی نہیں ہے لیکن یہی آوازیں اجتماعی صورت میں ایک عظیم جھنجھٹا ہٹ کی

صورت میں اپنے آپ کو واضح نہیں ہونے دیتیں۔ میں احمد کی ہدایات کے مطابق ہر صبح کسی ملال کے بغیر، کسی رہنمائی کے بغیر جا رہا ہوں کہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ میں ہر نوار کو غور سے دیکھتا ہوں اور احمد کی ہدایات کے مطابق اس سے بڑھ کر ملنے کی کوشش کرتا ہوں کہ پوچھوں کہ اے کون سی طلب یہاں لائی ہے، لیکن کئی مرتبہ یوں ہوا ہے کہ میں آگے بڑھا ہوں، پر منہ میں کچھ بڑبڑا کر دیں گا وہیں رک گیا ہوں۔ اوہ، نیند مجھے مغلوب کرنا چاہتی ہے، میں اسی طرح کہف کی طرح نہیں سوؤں گا، میں بہت جلد بیدار ہو جاؤں گا اور اس دوران کتے اور حکومتیں نہیں بدلیں گی۔

آسمان اس حد تک ابر آلود ہے کہ دن اور رات کا تعین ممکن نہیں ہے۔ ہوا سرد، فضا سرد، اور سہا ہوا بدن سرد۔ وسیع و عریض تاریکی میں ابھرتا اور گم ہوتا ہوا ایک میدان اور اس کے عین درمیان میں سلیٹی رنگ کی کائی خوردہ اونچی اور بچھڑاؤنی فصیلوں اور برجیوں کے تاج پہننے ہوئے ایک عمارت اور عمارت کے عین وسط میں ایک زنگ آلودہ بہت ہی قد آور اور بہت ہی قدیم پھانک اور پھانک کے سامنے ایک مخمورہ شکل کا شخص ٹوپی پہنے ہوئے کاٹھ کی بندوق تھامے ہوئے نہل رہا ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر تیز خنک ہوا اور ہلکی ہلکی پھواریں پہنے ہوئے لباس میں ملبوس ایک شخص کانپ رہا ہے، یوں لگتا ہے جیسے یہ میں ہوں جس کا سارا بدن ہیبت سے شل اور تلوے چلنے کی سکت سے عاری ہے۔ وہ شخص جو غالباً میں ہوں بھاگتے ہوئے بھی نہیں بھاگ سکتا، میرے قدم حرکت میں ہیں لیکن نیچے سے زمین نہایت تیزی سے پھسلتی ہوئی بھاگتی ہوئی جا رہی ہے۔

میرے دیکھتے دیکھتے فصیلیں زمین میں دھنس کر میرے قدم کے برابر رہ گئی

ہیں، میں ایک دم پنجنوں کے بل کھڑا ہو کر اندر جھانکنے لگا ہوں کہ فلک شگاف
 قہقہے اور زار و قطار رونے کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ کیا ہے؟ یہ کونسی جگہ ہے؟
 میری موجودگی کو یہاں کیوں ضروری سمجھا جا رہا ہے؟ ان دیواروں کے پیچھے کون
 ہے؟ یہ وہم کی دیواریں ہیں یا حقیقت کی؟ میں انہیں چھو کر دیکھتا ہوں، اُف،
 میں نے کس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا ہے؟ کیا دیواریں بھی دھڑکتی ہیں؟ بے بسی
 اور تجبوری کا یہ طلسم کیوں نہیں ٹوٹتا؟ مجھے دھوکہ دے کر یہاں لایا گیا ہے۔ کسی
 نے بھاری بھر کم ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر اپنی طرت متوجہ کیا ہے، اوہ، آپ
 ہیں چوہدری صاحب، چوہدری کچھ جواب دینے بغیر میری طرف دیکھ کر عیارانہ
 طریقے سے مسکرا رہا ہے، اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی بد صورت سی عورت
 ریشمی شکن دار کپڑے پہنے سردی سے کانپ رہی ہے اور کچھ فاصلے پر ایک ایسی
 سواری کھڑی ہے جو کار ہے اور نہ فٹن۔ نامعلوم گنام عورت مجھ سے کچھ کہنا
 چاہتی ہے لیکن چوہدری نے جلدی سے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے
 کا اشارہ کیا ہے۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر میرے کان میں سرگوشی کرنے لگا ہے، ہمیں
 دیکھ کر تنکونی اور مبوتری مسخروں والی ٹوپی پہنے ہوئے محافظ ایک دم فاصلے کے
 ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کر رہا ہے۔ چوہدری اپنی جیب سے دو میلی
 کچلی تصاویر نکال کر میرے سامنے ہوا میں لہرا رہا ہے: یہی وہ دونوں ہیں یہ
 تصویریں دو دھندلے سیالوں کی طرح ہوا میں لہرا رہی ہیں، میں انہیں کیسے شناخت
 کروں؟ میں تو ابھی تک اپنی شناخت نہیں کر سکا ہوں۔ بس تم نے کہنا ہے کہ
 شناخت ہو گئی ہے، وہ ساتوں کے ساتھ اس آہنی دروازے کے پیچھے ہیں۔ خدا
 کا واسطہ ہے میری مدد کرو سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے، نامعلوم عورت نے
 میرے گھٹنوں کو چھوتے ہوئے کہا ہے۔ تم کون ہو؟ ہی ہی ہی تم مجھے نہیں

جانتے؟ دیکھو چوہدری صاحب، پروفیسر صاحب مجھے نہیں جانتے! تم دونوں
 بکواس مت کرو اور آہستہ بولو وقت بہت مختصر ہے۔ خدا کا واسطہ ہے میری
 مدد کرو! چوہدری صاحب میں نے اسے پہچان لیا ہے یہ وہی ہے جو اس رات
 ٹیکسی چلا رہا تھا جب راجیا اور ماناں خورشید کو میرے کواٹر سے لے گئے تھے۔
 نہیں، نہیں، میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہوں، مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ میں ہوں۔
 چوہدری صاحب یہ جھوٹ بولتا ہے یہ ان کے ساتھ تھا جب وہ دونوں خورشید
 کی لاش کو کواٹر کے سامنے پھینک کر گئے تھے، اس نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا
 تھا۔ تم غالباً دیوانی ہو۔ ہاں میں دیوانی ہوں اس لئے کہ میری بہن کے ساتھ
 کتوں نے زنا کیا تھا اور پھر اسے بے حال کر کے پھینک دیا تھا، رحم رحم۔
 چوہدری نے نہایت غصے سے اس عورت کو پیچھے دھکیل کر جیب میں سے
 ایک زنجیر میری کلائی کے گرد لپیٹ کر تیز تیز قدم لیتا مجھے کتے کی طرح کھینچتا
 ہوا فصیلوں میں ہیوست زنگ آلود دروازے پر مدہم دستکیں دینے لگا ہے،
 نکونی ٹوپی والا محافظ دوسری طرف منہ کر کے شعبہ باز کی طرح منہ سے آگ
 کے گولے نکال رہا ہے۔ چوہدری کی دھیمی اور محتاط دستک اس طرح گونجی ہے
 جیسے طوفان بھرے بادلوں کے دو مشتعل ٹکڑے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے
 ہوں۔ کچھ دیر کے بعد زنگ آلود دروازہ پڑ پڑاہٹ کے ساتھ آہستہ آہستہ
 کھلا ہے، دونوں دروازوں کے درمیان میں سے ایک نہایت ہی مضبوط بازو
 باہر نکلا ہے اور کچھ دیر ہوا میں ٹٹولنے کے بعد میری دائیں کلائی میں معلق زنجیر
 کو کھول کر ایک جھٹکے سے مجھے اندر کھینچ لے گیا ہے۔ آہنی دروازہ یک لخت
 بند ہو گیا ہے، اندر وہی اندھیرا ہے جو باہر ہے، آہنی دروازے کے بالمقابل
 اندر کی طرف ایک اور اسی طرح کا آہنی دروازہ ہے جو دوسری طرف کھلتا ہے

لیکن اس میں کوئی دو فٹ لمبا قفل لٹک رہا ہے۔ میں جہاں کھڑا ہوں وہ غالباً ایک ڈیوڑھی ہے جس کے عین وسط میں ایک نہایت ہی مدہم روشنی کا پیلا سا بلب لٹک رہا ہے، ڈیوڑھی کی دیواروں پر غلیظ پیلے کاغذوں پر ناقابل خواند عبارتیں لکھی ہوئی ہیں، ڈیوڑھی کے ایک گوشے میں ایک نہایت ہی دبلا پتلا شخص پلیٹے کی شلوار قمیض اور سُرخ بیری کیپ پہنے منہ میں سلگتی ہوئی بیڑی تھامے دھواں نکالتے ہوئے مری طرف دیکھ رہا ہے، اس نے پیٹی کو پہلے سے زیادہ تنگ کر کے ایک رجسٹر میری طرف بڑھا دیا ہے: میاں اندر جانے سے پہلے اس رجسٹر پر دستخط ضروری ہیں۔ میں جیب میں سے قلم نکال کر نام لکھتے دیکھتے ایک دم کچھ سوچنے لگا ہوں۔ بھئی میں اپنا نام بھول گیا ہوں۔ تم قابل اعتبار آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ٹھیک کہہ رہے ہو یہاں اگر ہر شخص اپنا نام بھول جاتا ہے، تم اپنا دایاں انگوٹھا رجسٹر پر لگا دو۔ ٹھپ سے رجسٹر ایک دم بند ہو گیا ہے اور اندرونی پھاٹک چڑچڑاتا ہوا کھلا ہے اور ایک مضبوط ہاتھ باہر نکلا ہے جس نے مجھے گریبان سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا ہے، اندر داخل ہوتے ہی دروازہ پیچھے سے بند ہو گیا ہے، ایک نہایت ہی طویل قامت شخص مجھے گریبان سے پکڑے ہوئے ہے اس نے بھی ملیشیا کر کپڑے اور سُرخ رنگ کی بیری پہنی ہوئی ہے، میرا گریبان چھوڑو..... ہا ہا ہا اس نے اپنی آہنی گرفت کو بمشکل ڈھیلا کیا ہے اور اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کر کے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا ہے، میں سکول کے بچے کی طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔ دور دور تک فاصلہ اس جگہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہے، ہر فاصلہ آہستہ آہستہ بھاگ رہی ہے، میں ایک دم رُکا ہوں اور فاصلہ بھی ایک دم رک گئی ہے، فاصلہ کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ فاصلے پر پلیٹے اور سُرخ

بیری ٹوپیاں پہنے چند سیاہ فام ایک ہاتھ میں بید اور ایک ہاتھ میں لوہے کا
 پترہ لئے فسیل کے ساتھ چلتے ہوئے ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہیں؛
 جگہ جگہ پر چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں اور لمبی لمبی بیرکس ہیں جن کی سلاخوں کے
 ساتھ بے شمار افسردہ بندروں کی طرح چمٹے ہوئے مجھے اور میرے گاٹیڈ کو دیکھ
 رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ مجھے نہیں پتہ، میرے گاٹیڈ نے بڑی درشتی
 سے جواب دے کر منہ دوسری طرف پھیر لیا ہے۔ مجھے بیحد پیاس لگی ہے، سردی
 کے باوجود حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں، یہاں کوئی ندکا یا کنواں ہے؟ میں نے
 تیز چلتے ہوئے گاٹیڈ سے پوچھا ہے۔ اس نے ہنستے ہوئے انگلی کا اشارہ کیا ہے،
 عجیب و غریب قسم کا کنواں ہے۔ بھٹہرو میں پانی پی لوں، میری آواز سن کر گاٹیڈ
 بڑھ کر درخت کے نیچے سہارا لے کر کھڑا ہو گیا ہے اور ادھ جلی بیڑی سلگا
 کر زمین پر بیعت مار رہا ہے، میں نے لرزاتے ہوئے کنوئیں کے گرد چار دیواری
 میں پیوست دروازہ کھولا ہے، عجیب و غریب قسم کا کنواں ہے نہ کوئی رسہ اور
 نہ کوئی بوکا، یہ ٹیوب ویل ہو سکتا ہے، نہیں یہ موت کا کنواں ہے، میں
 بچپن میں سرکس دیکھنے گیا تھا وہاں بھی اسی طرح کا کنواں تھا جس میں ایک
 موٹر سائیکل سوار چوبی دیواروں پر موٹر سائیکل چلاتا تھا، نہیں نہیں یہ وہ کنواں
 نہیں ہے، اگر اس کنویں میں پانی ہے تو اس کی دیواروں پر بوڑھے گدھ کیوں
 بیٹھے ہوئے ہیں؟ بچاؤ، بچاؤ، کنویں کے اندر سے پتھیں بلند ہوئی ہیں۔ اسی
 برگد کے درخت کے نیچے وہی ادھ بجھی بیڑی متہ میں دباؤ ہوئے مسکرا
 رہا ہے۔ کیوں پانی پی لیا؟ ذیل آدمی تم مجھے موت کے کنویں میں دھکیلنا
 چاہتے ہو؟ یہ کس کی لاش لٹک رہی تھی؟ باغی کی؟ میرا گاٹیڈ پھر تیزی
 سے چلنے لگا ہے اور میں آہستہ آہستہ اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔ اب میری

سمجھ میں آیا کہ میں کہاں ہوں، یہ فضیلیں علیحدگی اور جدائی کی ہیں، ان فضیلوں کے اندر محصور خطرناک قرار دیئے گئے ہیں، دنیا کو ان کے مہلک اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے فضیلیں تعمیر کی گئی ہیں، جنہوں نے سزا دی اور جو سزا یاب ہوئے کیا وہ ایک سے نہیں ہیں؟ کیا انہیں سزا دینے اور انہیں سزا پانے کا حق تھا؟ رہائی کے بعد ان کا وجود امن عامہ کے لئے خطرناک نہیں ہوگا؟ جب یہ ان فضیلوں سے باہر نکلیں گے تو یہ یا تری کہلائیں گے؟ انہوں نے بھی گناہ اور جرائم کی بخشش کے لئے صعوبت کا سفر کیا ہے، نہیں ہرگز نہیں، جب وہ باہر نکلیں گے تو لوگ ان سے تمویز اور تبرک لینے کے لیے رجوع نہیں کریں گے، وہ اپنے پرانے کپڑوں کو بفلوں میں دباٹے چھپتے پھریں گے۔ کال کو محفلوں میں چوہوں کے دانتوں کے زخم پیشاب اور پاخانے کا تعفن بھوک بیماری سردی اور گرمی کا عذاب ان کی بخشش نہیں کرے گا اور لوگ یہی کہیں گے کہ سابق سزائیں گناہ کا وجود مہلک ہے، ان پر ہمیشہ شک کیا جانا چاہئے، اور ان کو بار بار پکڑا جانا چاہئے جب کسی اور پر شبہ ہوگا تو ان کو گھروں سے طلب کر کے طرح طرح کی دھمکیاں دی جائیں گی کہ وہ ناکردہ جرائم کا اقرار کریں..... میرا گائیڈ مجھے اس چار دیواری کے انتہائی گوشے میں لے گیا ہے جہاں ایک خوبصورت نوجوان نیلے سوٹ میں ملبوس ایک کرسی پر بیٹھا میز پر کاغذ پھیلائے ہوئے میرا منتظر ہے، اس کے سامنے سات افراد ایک سالیس پہنے منہ پر منڈلے باندھے میری طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں، ایک آدمی کو سات آدمیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ میرا گائیڈ مجھے نیلے سوٹ میں ملبوس کے سامنے پیش کر کے ایک زوردار سلوٹ مارتا ہوا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی نیلے سوٹ میں ملبوس چیخنے لگا ہے، دیکھو سات آدمیو! اگر تم اپنے اپنے لباس اور حلیے تبدیل

کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے، ساتوں نے یک زبان ہو کر کہا ہے :
 ہمارے حلیے ایک سے ہیں اور تبدیل کیا کریں ؟ نوجوان نے تنک کر تمام کاغذ
 الٹ پلٹ کر دیئے ہیں ، اے سات آدمیو مجھے معلوم ہے کہ تم بے بس ہو
 لیکن اس کے باوجود تمہارے تحفظ کا مکمل بندوبست کیا جا چکا ہے ، یہ کارروائی
 جس جگہ منعقد کی جا رہی ہے اس کا رابطہ خارجی دنیا سے کٹا ہوا ہے ، یہیں یہاں کوئی
 اور نہیں دیکھ سکتا اور نہ کسی قسم کا رابطہ قائم کر سکتا ہے ، تمہارا شناختی ایک زمانے
 کی سیاست کے بعد آیا ہے ، تم میں سے اگر کوئی اعتراض کرنا چاہتا ہے تو اسے
 اجازت ہے۔ ساتوں آدمی کھکھلاتے ہوئے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے
 ہیں اور سب یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں : یہ ہماری کیا شناخت کرے گا اس
 کی شکل ہم سے ملتی جلتی ہے ، اسے ہماری تصویر پہلے دکھا دی گئی تھی ، ایک تصویر
 میں ہم سب تھے۔ بکواس بند کرو ، نوجوان نے چیخ کر کہا ہے اور ایک دم مجھ
 سے مخاطب ہوا ہے : تم ان سات آدمیوں کو دیکھ رہے ہو ؟ جی ہاں۔ ان
 میں سے دو وہ ہیں جو وقوعہ کی رات تمہاری ٹیکسی میں سوار ہوئے تھے ، تم نے
 ان کی شناخت کرنی ہے۔ لیکن میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہوں۔ تو پھر یہاں بھاڑ
 جھوکنے آئے ہو ، تم شناخت کرنے پر مجبور ہو میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے
 لگا ہوں ، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جب میں نے وقوعہ دیکھا ہی نہیں تو کس کی
 شناخت کروں ؟ میرے سامنے کی تفصیل اندر دھنسنے لگی ہے اور دور چوہدری
 دو قد آدم تصویریں لئے مجھے گھور رہا ہے۔ دیکھو تم نے ان سات آدمیوں میں
 سے دو کی شناخت چھو کر کرنی ہے۔ میں یہاں سے بھاگنے کی کوشش میں ہوں
 مگر چاروں طرف تفصیلوں نے راستہ روکا ہوا ہے ، میں سر جھٹک کر ہر ایک کو
 گھور کر دیکھ رہا ہوں ، میں نے وقوعہ دیکھا ہی نہیں تو کیسے شناخت کروں ؟

جان بچانے کے لیے مجھے کسی ایک کے کندھے پر ہاتھ رکھ دینا چاہیے، میں نے آنکھیں بند کر کے تیسرے نمبر پر بیٹھے ہوئے شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہے، وہ شخص کھلکھلا کر اپنی جگہ منڈاسہ اتارنے ہوئے کھڑا ہو گیا ہے، ہائیں، پہچان لیا مجھے؟ وہ شخص ایک ٹانگ پر دیوانہ وار رقص کرنے لگا ہے وہ ہو بہو میری شکل کا ہے یقین نہیں آ رہا کہ میں رقص میں ہوں یا وہ محو رقص ہے، میں نے گھبرا کر دوسرے شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہے وہ بھی پہلے کی طرح منہ سے منڈاسہ کھول کر ناپختہ لگا ہے؛ تو مجھے پہچان لو، نہیں نہیں تم وہ نہیں ہو، تمہاری شکل مجھ جیسی ہے ————— خاموش رہو، نقص امن کی صورت میں مدد طلب کی جائے گی، نوجوان نے چیخ کر کہا ہے، تمام نے اس کی دھمکی ان سنی کر دی ہے، میں جلدی سے آگے بڑھتا ہوا تمام کے منہ سے منڈاسے اتارنے لگا ہوں سب کے سب مجھ جیسی شکلوں کے ہیں اور سب کے سب ایک ٹانگ پر رقص کرتے ہوئے گارہے ہیں؛

ہم اور تم تصویریں ہیں
 کون کسی کی آج شناخت کرے گا
 وہم حقیقت ہے اور حقیقت ان دیواروں سے دور کہیں ہے،
 تم مجرم ہو ہم مجرم اور قاتل ہیں
 ہی ہی ہی ہا ہا ہا
 کوئی اور شناختی لاؤ
 ہو قاتل اور مجرم نہ ہو
 ہو بھوکا اور ننگا راہزن نہ ہو

جو ظالم اور مظلوم نہ ہو

ہی ہی ہی ہا ہا ہا

یہ آوازیں بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہیں، میں ہڑبڑا کر اپنے پلنگ
سے اٹھا ہوں اور میرا دل ڈھونڈنے کی طرح بچ رہا ہے، میں نے ادھر ادھر
دیکھا ہے، میں واپس اپنے کمرے میں کیسے پہنچ گیا ہوں؟ غالباً میرا ہاتھ اپنے
دل پر آ گیا تھا، میں نے کہیں دن کے وقت سونے کی کوشش تو نہیں کی کیونکہ رات
کے خواب اتنے حقیقی نہیں ہوتے

مجھے اپنی روئیداد میں اس عمارت کا ذکر بہت پہلے کرنا چاہیے تھا مگر واقعات نے کچھ اس طرح کی ترتیب اختیار کی ہے کہ میں دیکھتا ہی رہ گیا ہوں، مجھے اس عمارت میں شب و روز بسر کرنے ہوئے کافی جہینے گزر چکے ہیں اور وہ حجاب اور ذہنی لکنت جو شروع میں تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ آج کا دن اور یہ عمارت میرے لئے اہم ہیں۔ یہ عمارت جس کا میں ذکر کرنے والا ہوں "۱۱" شکل کی ہے، لوگ اسے گناہ کی بستی کہتے ہیں، شروع میں مجھے اس لقب پر حیرت ہوئی لیکن بتدریج یہ معدوم ہو گئی۔ اس کے اندر کی دنیا باہر کی دنیا سے مختلف ہے۔ یہ بوسیدہ عمارت قدیم شہر سے باہر اور نئے شہر کے دھانے پر کھڑی ہے، محکمہ عمارات نے اسے بیس سال پہلے انسانی استعمال کے لئے خطرناک قرار دیا تھا لیکن ابھی تک یہ بدستور قائم ہے اور انسان اسے استعمال کر رہے ہیں، یہ نہ گرتی ہے اور نہ نئی بنتی ہے، شہر میں جگہ جگہ فلک بوس عمارتیں اُگ رہی ہیں مگر کسی نے اس کی تعمیر نو کی طرف توجہ نہیں کی۔ غالباً اس لئے کہ یہ گناہوں کی بستی ہے، بوسیدگی اس کی سزا ہے، یہ محض عمارت نہیں ایک صورتحال ہے؛ ضرورت سے زیادہ بھیڑ اور بھیڑ سے زیادہ درخواستیں اور الجھے ہوئے مسائل ہر ایک دوسرے کا اور اپنا ستایا ہوا اور کوئی پرسان حال نہیں۔ عمارت کے اندر بوسیدہ اور شکستہ فرنیچر، چھوٹے چھوٹے تاریک بٹن، کمرے، سچی کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے غسل خانوں کو بھی کمرے میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اسی عمارت میں ایک اور مختصر سی عمارت ہے جہاں اگلی تاریخ کا انتظار کیا جاتا ہے۔

اس مختصر سی عمارت میں زیادہ سے زیادہ سو آدمی سما سکتے ہیں لیکن یہاں لاسحاب لوگ بند کئے جاتے ہیں۔ شنید ہے کہ جب ان بدنصیبوں کا دم گھٹنے لگتا ہے تو وہ جلدی باہر نکالنے والے کو منہ بولی قیمت دیتے ہیں کہ انہیں تاریخ جلدی مل جائے اور وہ پہلی لاری سے واپس ان دیواروں کے پیچھے چھپ جائیں جہاں سے انہیں امید دے کر برآمد کیا گیا تھا۔ اس عمارت کے اندر داخل ہوتے ہی بائیں طرف چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں جن کے دروازوں کے عین ساتھ بوڑھے جوان بیمار اور صحت مند نئی اور پرانی ٹائپ مشینیں سجائے گاہکوں کے منتظر رہتے ہیں۔ اسی سمت میں ان سے کچھ دور لائن اور جھونپڑے ہیں جن میں سے ایک کے نیچے میری اور احمد کی طرح کے سینکڑوں منشی صبح سے شام تک منتظر رہتے ہیں۔ ہر جھونپڑے کی پیشانی پر ناموں کی تختیاں لٹک رہی ہیں جنہیں پڑھ کر سنسی آتی ہے، کسی کے پاس سائنس کی ڈگری ہے اور کسی کے پاس ایم اے فلسفہ کی سند ہے، کوئی سابق عہدے دار ہے اور کوئی پنشن دار، عجب چوں چوں کا مر رہے، یہ ہمیشہ کچھ فالتو سا لگتا ہے، ہر مصیبت زدہ اپنے مفرد کو آزماتے یہاں آیا ہے۔ یہاں کے پیشہ وروں کی عمریں کسی قسم کی قید نہیں، نہایت ضعیف اور نہایت ہی نوجوان، دونوں طرح کے مل جائیں گے۔ یہاں کالے کوٹوں کی اتنی فراوانی ہے کہ سارا سال محرم کا سماں رہتا ہے۔

صبح نو بجے کا وقت، اب بھپلا ہوا ہے، مجھے ایسے موسم سے ہمیشہ خوف آتا ہے کیونکہ بادل دیکھ کر میرا تنفس رکنے لگتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ بادلوں نے ہوا روک لی ہے، ویسے بھی آج صبح سے طبیعت بوجھل سی ہے، سر میں ہلکا ہلکا درد اور گردن میں اینٹھن ہے اور جسم بھی کسی قدر گرم ہے، غالباً خون کا دباؤ بڑھا ہوا ہے۔ خواہ کچھ بھی ہو مجھے اپنے منن، نہیں، اپنے کام پر جانا ہے آج میری تاریخ ہے وہی تاریخ جس کا ذکر کچھ عرصہ پہلے پوہری نے کیا تھا، کل

شام چوہدری کا ہرکارہ آیا تھا اور ایک کاغذ پر دستخط کروا کے اور دوسرا میرے
 حوالے کر کے چلا گیا تھا۔ میں اس کی تعمیل میں یہاں آیا ہوں، میں نے اس کی اطلاع
 کل احمد کو دے دی تھی اور اس نے کہا تھا کہ آج کے دن کا کام وہ خود نپٹالے گا،
 آج مجھے دو تین کمروں میں پیش ہونا ہے، ایک ادھ گھنٹے میں فارغ ہو جاؤں
 گا۔ رات کو بھی میں یہ سوچتا رہا کہ میں چند پیشیوں کے بعد سب کی نظر میں آ جاؤں
 گا، وہ پہچان جائیں گے کہ میں دو ہرا آدمی ہوں۔ پھر کیا ہوا؟ احمد انہیں سنبھال
 لے گا، یہ سارے رسہ گیر ہیں، میرے کون سے رشتہ دار ہیں، اس حمام میں سب کے
 سب ننگے ہیں۔ میں ٹائیسٹوں کے حجروں کے پاس سے گزر رہا ہوں، میرے
 ہاتھ میں طلبی کا پردانہ دیکھ کر ایک ٹائیسٹ نے میرا راستہ روک لیا ہے؛ آٹھ
 آنے فی صفحہ، بھٹی سنو، چلو تم چھ آنے دے دینا۔ ماسٹر مجھے پہچانتے نہیں میں
 بھی..... یہاں کوئی کسی کو نہیں پہچانتا اور نہ ہی پہچاننے کی ضرورت ہے۔
 ماسٹر ناراض کیوں ہوتے ہو میں گواہ ہوں۔ پھر جھوٹے گواہ معلوم ہوتے ہو، اس
 نے نفی میں سر ہلا کے میرا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ بڑا مردم شناس معلوم ہوتا ہے،
 اس نے کیسے مجھے پہچان لیا ہے؟ میں نے آج نسبتاً صاف کپڑے پہنے ہوئے
 ہیں۔ میرے چہرے پر تو نہیں لکھا ہوا ہے کہ میں جھوٹا گواہ ہوں، لیکن اس نے
 کیسے پہچان لیا؟ اس کا چوہدری سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ میں جس کمرے میں
 جانا چاہتا ہوں وہ اسی جگہ سے جہاں میں کھڑا ہوں زیادہ دور نہیں ہے۔ اتنا ہجوم
 ہے کہ اس کمرے تک پہنچنا محال ہے، بابو جی کسی کو کرنا ہے! نہیں۔ دو منٹ میں
 ضمانت کروا دوں گا۔ ہیچے ہٹو۔ کاغذ تصدیق کروانے ہیں۔ نہیں۔ ضمان کی
 ضرورت ہے۔ نہیں۔ بیان حلفیہ کرنا ہے۔ نہیں۔ آف میہ لوگ اور یہ آوازیں مجھے
 پاگل کر دیں گی۔ چلو میں تمہارا کام کروا دیتا ہوں، ایک ضعیف کالے کوٹ نے میرا

بازو پکڑ لیا ہے، میں نے سختی سے بازو چھڑایا ہے : مجھے کوئی کام نہیں ہے۔
 کوئی کام نہیں تو پھر یہاں کیوں دھکے کھا رہے ہو؟ چاروں طرف کالے کوٹ ہی
 کوٹ، چاروں طرف فاکل لفافے ہی لفافے، چاروں طرف دیہاتی اور شہری لوگ
 ہی لوگ، عہدِ حاضر کا میدان حشر۔ میں کم سے کم ایک سو روپیہ فیس لوں گا۔ ایک
 نوجوان کالے کوٹ نے پیشہ وارانہ سختی سے ایک دیہاتی کو ڈانٹ کر کہا ہے۔ صاحب
 اس مرتبہ فصل اچھی نہیں ہوئی میں اتنے پیسے نہیں دے سکتا، میں کیا کروں؟ یہ پیشہ
 ہے دوکانداری نہیں ہے۔ چلو نہ سہی دس پندرہ میں کسی اور کو کر لیتے ہیں، یہاں کون
 سا کال ہے۔ دیہاتی نے اپنے دیہاتی ساتھی سے کہا ہے۔ میرا مطلب ہے۔،
 نوجوان کالا کوٹ کچھ اور کہنے لگا ہے کہ ایک معمر کالا کوٹ بھیڑ کاٹتے ہوئے آگے
 بڑھ کر دیہاتی کو بازو سے پکڑ کر کہنے لگا ہے : آئیے چوہدری صاحب میرے ساتھ
 چلئے، کیا حال ہے؟ پیشتر اس کے وہ کچھ جواب دے سکے معمر کالا کوٹ دیہاتی اور
 اس کے ساتھی کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹ رہا ہے چوہدری
 موضع جنڈیالے سے آئے ہو؟ نہیں، میں پگانوالے سے آیا ہوں۔ دیہاتی نے کاروباری
 انداز میں جواب دیا ہے۔ میرا نام بھی اسی موضع کا رہنے والا تھا، اس انکشاف پر بھی
 دیہاتی نے کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ بھئی ہم جٹ لوگ ہیں، پہلے ہم سے معاملہ
 طے کر لو۔ کام کیا ہے چوہدری؟ میرے بیٹے پر ناجائز پستول ڈال دی گئی ہے۔
 ضمانت کروانی ہے، بیس روپے لگیں گے! نہ بابا اتنے ہمارے پاس نہیں ہیں۔
 چلو دس دے دو اور پانچ منشیانہ۔ نہیں بھئی۔ اتنے میں ادھیڑ عمر کا کالا کوٹ
 بھیڑ کاٹتا ہوا آگے بڑھا ہے : چلو میرے ساتھ دس میں ضمانت کروا دوں گا۔
 دونوں دیہاتی مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ ہوئے ہیں، اونٹے ٹاؤٹ کے بچے
 تو نے میری سامی پھین لی ہے، نیرے پاس تو ڈگری بھی نہیں ہے، معمر کالا کوٹ چیخ

رہا ہے، میں تمہارا داخلہ بند کروا دوں گا، تم منشی ہو یا؟ میں نے دھوکا دینے کے لئے سیاہ کوٹ پہنا ہوا ہے، ضمانت میں کتنے لگیں گے؟ بس دس میں کروا دیں گا۔ صاحب کا منشی اپنا پار ہے۔

میں مطلوبہ کمرے کے باہر انتظار میں کھڑا ہوں۔ یہ کمرہ ایک برآمدے میں کھلتا ہے، ہر طرف ہجوم ہی ہجوم ہے۔ ایک قطار میں بے شمار کمرے، کمروں کے باہر ناموں کی تختیاں آویزاں اور ہر کمرے کے باہر لوگوں کی نمکریاں جمع۔ برآمدے کے آگے رڑا میدان ہے اور میدان میں وردی پوش اور زیر حراست زمین پر بیٹھے لمبے کٹن لے رہے ہیں، ان کے قریب شکن آلودہ برقعوں میں چھپی ہوئی عورتیں ٹفن کیریئر لے بیٹھی ہوئی ہیں، کچھ کچھ دقے کے بعد ہر کمرے کے باہر فلاں بنام فلاں کی آواز بلند ہوتی ہے، ہجوم میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اور چند لوگ بھاگ کر اندر چلے جاتے ہیں، لوگوں کے ہجوم نے ہر کمرے کی ناکہ بندی کی ہوئی ہے کہ اندر جانا محال ہے، میں بھی آواز پڑتے پر اندر جاؤں گا۔ برآمدے میں کوئی پا پڑیچ رہا ہے کوئی سطر فروخت کر رہا ہے اور کوئی پین اور چٹھے مرمت کرانے کی آواز لگا رہا ہے، برآمدے کے ایک کونے میں کوئی بیڑیاں پہننے ہوئے مالٹن کروا رہا ہے اور اس کا محافظ پاس کھڑا اطمینان سے سگریٹ پی رہا ہے۔ برآمدے کے سامنے سے شور بلند ہوا ہے، ادھر یہ ملک مقبول ہے، چوہدری اسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا ہے، میں ایک دو مرتبہ چوہدری کا پیامبر بن کر ملک مقبول کے پاس گیا تھا اس نے مجھے چند نصیحتیں کیں اور چوہدری کو تھیلی بھیجنے کی بجائے بے نقاظ گالیاں دی تھیں، میں نے چوہدری کو صرف اتنا بتایا تھا کہ ملک مقبول کچھ دینے سے انکاری ہے۔ اسے میرے بارے میں سب کچھ علم ہے پچھلے جمعہ اس نے مجھے بلا کر یہ آفر بھی دی تھی کہ میں اس کے گردہ میں شامل ہو جاؤں، وہ مجھے مستقل پانچ سو روپیہ ماہوار دے گا، میں نے اس سے چند یوم کی مہلت مانگی تھی۔ مجھے برآمدے میں دیکھ کر

وہ زور سے چیخا ہے : اونٹے پر دفیستر تیرے چوہدری کی ماں کی ایسی تیزی، خود ہمت نہیں دوسروں سے ریڈ کر دیا ہے، میں اسے تھیلی کی بجائے موت دوں گا۔ ملک مقبول گر جتا ہوا ایک ہاتھ میں زنجیر پہنے ہوئے اپنے حواریوں کے جلوس میں کسی ایک کمرے میں داخل ہو گیا ہے۔ ملک کا نعرہ سن کر چند لوگ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں، میں نے اپنے آپ کو ہجوم میں چھپانے کی کوشش کی ہے۔ اودہ، سامنے سے بد بخت شاہد آ رہا ہے، میں نے جلدی سے دیوار کی طرف منہ کر کے اپنے بوٹ کا قسمہ کھولنا شروع کر دیا ہے، اس نے مجھے کنکمیوں سے دیکھ کر نظریں دوسری طرف کر لی ہیں، شکر ہے وہ بھی جلدی میں پاس سے نکل گیا ہے نہ جانے میرے ذہن میں کیا آئی ہے کہ میں ایک دم ہجوم میں سے نکل کر اسے ڈھونڈنے لگا ہوں پھر کچھ دیر کے بعد اپنی جگہ واپس آ گیا ہوں کہ کہیں آواز نہ پڑ جائے، اس کی ایسی کی تیزی اس سے لے کر تو نہیں کھاتا ہوندا مت محسوس کروں۔ پیچھے ہٹو، پیچھے ہٹو، ہجوم میں پھر شور بلند ہوا ہے اور دو کالے کوٹ آپس میں دھینگا مٹتی کرتے ہوئے ایک دوسرے پر لپک رہے ہیں، اور کچھ کالے کوٹ ان میں صلح صفائی کرانے میں مصروف ہیں۔ ایک نوجوان کالے کوٹ نے قدرے دھیمی آواز میں دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے : خدا کا واسطہ ہے اپنے پیٹے کا دفتار رکھو، ہوں، ایک معمر کالے کوٹ نے نوجوان کالے کوٹ کا کالر چھوڑتے ہوئے جواب دیا ہے : کونسا وقافہ دو ہسینوں سے بیکار ہوں آج کچھ کام ملا تھا وہ بھی اس بد بخت نے چھین لیا ہے۔ بکواس بند کرو۔ لڑنے والے دوسرے کالے کوٹ نے جواب دیا ہے وہ میری آسامی ہے۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ میں تم پر تو بہن عزت کا دعویٰ کروں گا، تم نے پیٹھ وارانہ بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اڈے چل تو خود اپنے منشی کا ملازم ہے، دونوں لڑتے جھگڑتے کسی نتیجے پر پہنچے بغیر اپنے ساتھیوں اور حمایتیوں کے ساتھ چلے گئے ہیں، ہجوم کھلکھلا کر ہنس پڑا ہے،

ایک نے نمرہ لگایا ہے : واہ بھٹی واہ خوب نمونہ دکھایا۔ ادھر کمرے میں سے دھڑا دھڑ
 آوازیں پڑ رہی ہیں۔ ایک دم کسی گوشے سے احمد نمودار ہوا ہے : یار کہاں چلے گئے
 تھے ؟ میں بڑی دیر سے تمہارا منتظر ہوں ، میں کمرے کے اندر مسل معائنہ کر رہا تھا
 میں تے حاجی نائب کو تمہاری حاضری نوٹ کروا دی تھی ، مجھے اندر جا کر کیا کہنا ہے ؟
 حاجی نائب تمہیں سب کچھ بتا دے گا ، چلتا پڑھتا ہے ، ایک دو مرتبہ ایک سائل
 کے ساتھ ہمارے اڈے پر آیا تھا۔ ادئے اچھے ، دو لمبے ٹرنگے ریشمی دھوتی میں بلوس
 مشٹڈ وں نے بیک وقت احمد کی کمر پر دھپے مار کر اپنی آمد کا اعلان کیا ہے ، بالے
 تم ہو ، تمہارا نمبر کب ہے ؟ بس اگلی یاری تمہاری ہے ، آج برآمدگی کے ایک گواہ
 کو طلب کیا گیا ہے ، برآمدگی ؟ ہاں دونوں میں سے بھینگے آنکھ والے نے قہقہہ لگا
 کر ظاہری تعجب کا اظہار کیا ہے۔ میں نے خواب میں ڈکیتی کی تھی ، بھینگے کے ساتھی نے
 تمہارا ڈانے کی کوشش کی ہے ، یار وہ برآمدگی کا گواہ کون ہے ؟ تمہیں اس سے کیا ؟
 یہ میری ذمہ داری ہے ، احمد نے سنجیدگی سے جواب دیا ہے۔ میں نے کہا وہ خواجہ
 صاحب کہاں ہیں ؟ بھینگے نے ادھر ادھر دیکھ کر احمد سے پوچھا ہے ، تمہیں اس
 سے کیا ؟ ادئے فیس دی ہے مفت کام تو نہیں کروا رہے ، بھینگے کے ساتھی نے
 قدرے مشتعل ہو کر کہا ہے : سن یار تجھے بری ہونے سے غرض ہے یا خواجہ صاحب
 سے ؟ بری ہونے سے۔ پھر چپ رہو میں نے سارا بندوبست کر لیا ہے ذرا رقم خرچ
 کرو۔ اب کیا اور لوگے ؟ کھال باقی ہے ، بھینگے نے کسی قدر غصے سے جواب دیا
 ہے۔ میں تمہاری مرضی ، ڈکیتی کا مقدمہ ہے اور سارا دار و مدار برآمدگی کے گواہ پر
 ہے ، اس کی سزاسات سال تک ہو سکتی ہے۔ یار بحث کیوں کرتا ہے بتا اسے کتنا
 دنیا ہے ، بھینگے نے پوچھا ہے۔ پچاس روپے۔ یہ بہت ہیں ، بھینگے نے احتجاج
 کیا ہے ، پھر تمہاری مرضی ! وہ گواہ کو نسا ہے ہم بھی اس کی شکل دیکھیں ، جھگڑا زمین

کا تھا اور چوہدری نے مخالفت میں ہمیں بازو دیا، بھیگنے نے کسی قدر مجبور ہو کر جواب دیا ہے۔ یہ ہے برآمدگی کا گواہ! احمد نے میری طرف اشارہ کر کے تعارف کرایا ہے۔ اچھا میاں تم خدا کو حاضر ناظر جان کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے وقوعہ دیکھا تھا؟ اس کا فیصلہ اندر ہوگا، رقم لاؤ، جلدی کرو۔ احمد نے تیزی سے مطالبہ کیا ہے، بھیگنے نے پچاس کا ایک نوٹ احمد کے حوالے کیا ہے۔ اچھا میاں تمہیں بعد میں پٹ لیں گے، میں ہکا بکا اور کسی قدر خوف زدہ ہو کر کبھی احمد اور کبھی ان دو مشنڈوں کو دیکھ رہا ہوں۔ دیکھو پروفیسر، سٹی —، اچھا سمجھ گیا، چوہدری اس مقدمے کی پیروی کر رہا ہے تم نے شہادت سے بالکل نہیں بیٹھنا سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ کہنا ہے کہ میں نے ملزمان کو دین محمد سے کچھ چھتے، موٹے دیکھا تھا، لیکن چونکہ اس وقت اندھیرا تھا اس لئے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے کیا پھینکا، بس اسی سے کام بن جائے گا۔ احمد مجھے اصل واقعہ کا کچھ پتہ تو چلے کہ میں نے اندر جا کر کیا کہنا ہے؟ اتنے میں حاجی نائب ہاتھ میں کاغذ لئے داڑھی کھجاتا ہوا ادھر دیکھ رہا ہے اور مجھے دیکھ کر چیخنے لگا ہے: لاٹ صاحب حاضری اندر اگر لگوانی تھی، یہ کہہ کر وہ کاغذ الٹ پلٹ کرنے لگا ہے، اتنے میں ایک شخص اندر سے نکل کر آوازیں دینے لگا ہے: فلاں بنام فلاں وغیرہ، میں نے گھبرا کر حاجی نائب کو مخاطب کیا ہے اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور جلدی سے کاغذ الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ حاجی نائب اس چار دیواری میں اپنی عیاری اور دھوکا بازی کے لیے مشہور ہے، سائلوں کو کبھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس کا طرفدار ہے، بنظر ہر تو وہ معمولی سا کارندہ ہے لیکن ہر مقدمے کی چابن اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، لمبا ترنگا دبلا پتلا مالتھے پر محراب اس کے چہرے پر تقدس کی روشنی پیدا کرنے کی بجائے اسے زیادہ ہولناک بنا رہا ہے، اس کا کام گواہوں کی دیکھ بھال ملزموں کو ان کے ڈربوں سے باہر لا کر کمروں میں پیش کرنا، کسی

کو ہتھکڑی لگانا کسی کو بادل ناخواستہ آزاد کرنا ہے : پڑھتے ہوئے ہوں ، یہ رہا تمہارا بیان اسے ایک دو مرتبہ دیکھ لو ، میں اس کے ہاتھ سے فائل لے کر جلدی جلدی سے بیان پڑھ رہا ہوں ، اتنے میں چوہدری اپنا بید ہلاتے ہوئے بھیڑ کاٹ کر نمودار ہوا ہے ، اسے دیکھتے ہی احمد تیزی سے آگے بڑھا ہے اور اسے لمبا سا سلام کرنے کے بعد بازو سے پکڑ کر برآمدے کے ایک گوشے میں لے گیا ہے : چوہدری صاحب میں نے معاملہ طے کر لیا ہے ، نہیں اس وقت ان کی مدد نہیں کی جا سکتی ، میں آگے چل کر ان کی مدد کر دوں گا ، چوہدری صاحب نگہری لسانی ہے ۔ میں اس علاقے میں نیا آیا ہوں میں ان کو سزا دلوانا چاہتا ہوں ، چوہدری یہ کھسر پھسر کرنے کے بعد میری طرف متوجہ ہوا ہے : پروفیسر بیان یاد کر لیا ہے ، تمہیں اگر کوئی ڈرائے دھمکائے تو مجھے بتاؤ ابھی تیرے دوں گا ۔ چوہدری یہ کہہ کر کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر سگریٹ پینے لگا ہے ، میں عجیب گو گو کے عالم میں ہوں کہ اندر جا کر کیا کہوں ؟ احمد کس قسم کی سیاست کر رہا ہے ؟ میرا دماغ الجھتا جا رہا ہے اور دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو چکی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سینے پر کوئی ہتھوڑے چلا رہا ہے ، طبیعت میں اتنی جھنجھلاہٹ پیدا ہو چکی ہے کہ بھاگ نکلنے کو جی چاہتا ہے ۔ کمرے کے اندر سے ایک آدمی باہر نکلا ہے اور دھڑا دھڑا آوازیں دے رہا ہے ، احمد اور اس کے ساتھ دو مشینڈے جلدی سے کمرے میں داخل ہوئے ہیں ، حاجی نائب نے مضبوطی سے میرا بازو پکڑ لیا ہے اور سرگوشی میں کہنے لگا ہے : دوسرے مقدمے کی شہادت میں تم نے صاف کمر جانا ہے کہ تم نے کوئی واقعہ دیکھا ہی نہیں ہے ، حساب کتاب بعد میں ہو جائے گا ، اندر سے بھیگنے کی آواز آئی ہے : خواجہ صاحب کو جرح کے لئے بلاؤ ، کوئی ضرورت نہیں ، میں نے بندوبست کر لیا ہے ، بس اب بالکل خاموش ہو جاؤ ، حاجی نائب نے اندر داخل ہوتے ہی میرا بازو چھوڑ دیا ہے ۔

کمرے میں ہر طرف چہرے ہی چہرے ہیں، اس کثرت میں کسی ایک چہرے کی تمیز کرنا بالکل محال ہے، جگہ کم اور ہجوم زیادہ ہے، شور ہی شور ہے کہ جیسے لاکھوں کروڑوں مکھیاں بھن بھن کر رہی ہوں، یہ مکھیاں کہاں سے آگئیں ہیں؟ میں نے ایک دو مرتبہ سر جھٹک کر نظر کی دھندلاہٹ میں ٹھہرا ڈ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس کے باوجود یوں لگتا ہے کہ سینکڑوں مکھیاں ایک اڑتے ہوئے چھتے کی صورت میں میرے سر کے عین اوپر بھن بھن کر رہی ہیں، میں نے ایک دو مرتبہ سر کے اوپر بازو ہلائے ہیں حاجی نائب نے ایک دم میرا بازو پکڑ کر سرگوشتی میں کہا ہے: تمیز سے کھڑے رہو صاحب دیکھ رہے ہیں۔ میں زندگی میں پہلی مرتبہ اس قسم کے کمرے میں آیا ہوں، اگرچہ کئی مہینوں سے میں اس چار دیواری میں گھوم رہا ہوں لیکن آج اس قسم کے کمرے میں آنے کا موقع ملا ہے، خوف زلزلے کی لہروں کی صورت میں بار بار سارے بدن میں سفر کر رہا ہے، میں کیوں ڈر رہا ہوں؟ یہ پچھلی منڈی ہے یہاں کا دبدبہ مجھ پر حاوی نہیں ہو سکتا، میں ملزم نہیں گواہ ہوں کس چیز کا خوف مجھے نیم جان کر رہا ہے؟ نہیں آج پہلی مرتبہ میرا تعارف ہونے والا ہے کہ میں جھوٹی یا سچی تصدیق کر سکتا ہوں، لوگوں کو آج میری افادیت کا احساس ہوگا، یہی جو مجھ پر ہنس رہے ہیں میرے قدم چومیں گے، مجھ میں کافی خود اعتمادی ہے لیکن اس کے باوجود بدن ساتھ نہیں دے رہا ہے، بنیر کسی وجہ کے تھر تھر کا نہپ رہا ہوں۔ کمرے میں بیحد گھٹن ہے۔ کمرے کے کسی گوشے میں انگیٹھی سنگ رہی ہے اتنا دھواں ہے کہ آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔ پہلے میں یہ سمجھا کہ سب کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لئے تراجم کے آنسو ہیں مگر یہ عقدہ بہت جلدی کھل گیا کہ یہاں تراجم کی بھیک مانگنا بے سود ہے۔ کمرے کے عین وسط میں ایک بیمار سا بلب لٹکا ہوا ہے جو روشنی دینے کی بجائے تاریکی اور گھٹن کے احساس کو شدید تر کر رہا ہے۔ مجھے قربان کیا جا

رہا ہے، حاجی مجھے مذبح میں لے آیا ہے، حاجی نائب کی داڑھی پہلے سے زیادہ لمبی اور ماتھے پر چپکا ہوا محراب اور گہرا ہو گیا ہے، یہ وہ جگہ نہیں ہے میری جگہ ذبیحہ نہیں لے گا، میں نے اپنے آپ کو انصاف کے حوالے کر دیا ہے، میں صاحب کشف ہوں، میری وجدانی قوت عروج پر ہے، میں نے جو کچھ نہیں دیکھا اسے اس طرح بیان کرتے کا ملکہ رکھتا ہوں کہ سنے والے کو یقین آ جائے گا کہ میں صادق ہوں اور راستی کے اظہار کے لیے یہاں آیا ہوں، میری زبان کی گرہ کھلنے والی ہے، میرے الفاظ قول فیصل کا درجہ رکھتے ہیں، چند الفاظ سے یہ دونوں مشنڈے اپنی آزادی کھڑی ہو جائیں گے، مجھے جلدی بولنے کی اجازت دی جائے، میں ہجوم کو کاٹتا ہوا کٹہرے کی طرف جانا چاہتا ہوں لیکن یہاں تو دو کٹہرے ہیں اور مجھے نہ جانے کس کٹہرے کی طرف آگے بڑھنا چاہیے، یہ فیصلہ کرنا اس ہجوم میں بہت مشکل ہے، میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں اور ایک نامعلوم قوت مجھے آگے بڑھنے سے روک رہی ہے، اودھ، میں یہ فراموش کر چکا ہوں کہ میں بمینہ اور نام نہاد خفائق کو چھپانے کی قیمت وصول کر چکا ہوں، میرا منہ بند کر دیا گیا ہے لیکن باہر چوہدری پہرہ دے رہا ہے، ابھی تک کچھ فیصلہ نہیں کر پایا کہ مجھے کیا کہنا ہے، یہ دونوں بے گناہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے یقیناً کوئی جرم کیا ہے، نہیں بھی کیا تو کوئی فسق نہیں پڑتا۔ ہر ایک نے ایک نہ ایک دن کٹہرے میں کھڑے ہونا ہے، ہر کوئی کسی کو جواب دہ ہے، کوئی اپنے ضمیر کا مجرم ہے اور کوئی کسی کا۔ سزا ہر ایک کا مقدر ہے۔ کیسا احمق ہوں، کٹہرے کے پاس کھڑا ہو کر ایک بمینہ حقیقت کے اظہار کے وقت جرم اور سزا کے بارے میں سوچ رہا ہوں، میں نے فیصلہ کر لیا ہے ہر ایک کو سزا ملنی چاہیے، بے رحمی کا جواب بے رحمی سے دیا جانا چاہیے، باہر بھیجنا گا کہہ رہا تھا کہ یہ عمارت اتنی بوسیدہ ہو چکی ہے کہ اس میں سزا دینے کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ مجھے بلاخر ایک کٹہرے میں دھکیل دیا

گیا ہے، کپڑے کی دوسری طرف ایک کشادہ میز پر چڑے کی جلد کی نہایت ہی پرانی اور پٹی ہوئی کتابیں بے ترتیبی کے انداز میں بکھری ہوئی ہیں، میز کے عین وسط میں ایک شکستہ سا شیشہ اور اس کے ارد گرد اور اس کے اوپر بے شمار فائلوں کے ڈھیر پھیلے ہوئے ہیں، میز کے پیچھے ایک نہایت ہی دبلا، گنجا، ضعیف اور معنک شخص بیٹھا ہوا ہے جو ہر منٹ کے بعد اپنے جبرٹوں اور دانتوں کو اس طرح حرکت دیتا ہے جیسے وہ کوئی سخت چیز کھانے یا نگلنے کی کوشش کر رہا ہو، اس گنجنے ضعیف اور معنک شخص کی بائیں جانب ایک بچہ موٹا شخص چھوٹی سی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا کچھ لکھتے ہیں مصروف ہے، اس کی چھوٹی سی میز پر کاغذوں اور فائلوں کا اتنا اونچا انبار ہے کہ بس چھت کو چھوتے چھوتے رہ گیا ہے، اس کے بائیں سامنے ایک اور چھوٹی سی میز کے پیچھے ایک سیاہ فام ادھیڑ عمر کا شخص میز پر رکھے ہوئے ٹائپ رائٹر پر کبھی بجلی کی تیزی سے انگلیاں چلاتا ہے اور کبھی بالکل آہستہ آہستہ ٹمک ٹمک کرتا ہے، اس کی نگاہیں ٹائپ رائٹر پر جمی ہوئی ہیں، وہ کچھ کچھ وقفے کے بعد اپنے شانے سیکڑتا ہے اور ماتھے کی جلد کو اوپر نیچے ہلاتا ہے، وہ نہ کچھ سن رہا ہے اور نہ کسی آواز کی طرف متوجہ ہے، بس ٹائپ کرتا جا رہا ہے۔ گنجا منحنی اور معنک لال جلد کی کتاب کے مطالعے میں مصروف ہے اور پڑھتے پڑھتے ایک دم کمرے کی چھت کا بنور ملاحظہ کرنے لگا ہے، کمرے میں شور اور اضطراب بڑھتا جا رہا ہے: جناب والا یہ بے تصور ہے، حضور یہ نابالغ ہے اور آزادی اس کا حق ہے، یوٹر آنر اس کو اقبال پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ یہ اچھی بات ہے مجھے اس کے دو یونٹ مل جائیں گے، منحنی گنجنے اور معنک شخص نے بدستور چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بے اعتنائی سے جواب دیا ہے۔ جناب من دس سال سے اس کے خلاف شہادت نہیں آرہی، اسے آزاد کیا جائے! جناب مجھے نا جائز

بیڑیاں پہنائی گئی ہیں وہ بیڑیاں اتارنے کے پیسے مانگتے ہیں۔ تو دے دو جو ہم
 میں سے کسی نے جواب دیا ہے، ایک دم قہقہے بلند ہوئے ہیں اور گنگنے منحنی اور
 معنک نے چہرے پر نفرت کے تاثرات لاکر سامنے کی دیوار پر معلق کلاک کے
 ہندسے زیر لب پڑھنے شروع کئے ہیں، اس کی دائیں جانب کے دروازے پر
 چمک آدیزاں ہے جس کے پیچھے نسوانی اور مردانہ آوازوں کا شور قہقہوں کی صورت
 میں بلند ہوا ہے : اندر اور چائے بھیجو، گنگنے منحنی اور معنک شخص نے بے تابی
 سے ایک نہایت ہی بد شکل شخص کو حکم دیا ہے : میری پیش کب ہے ؟ مجھے نہیں
 پتہ، اس کی بائیں جانب بیٹھے شخص نے سختی سے پوچھنے والے کو دھتکار دیا ہے۔
 پوچھنے والے نے میز کے نیچے سے مٹھی اس کی طرف بڑھائی ہے، جواب دینے
 والے نے مٹھی میں مٹھی بھینچ کر جواب دیا ہے : چار تاریخ۔ فریقین نے اپنی اپنی
 جگہ لے لی ہے، میں کپڑے میں پہنچ چکا ہوں، میری بائیں جانب ایک محافظ اپنی راتوں
 کا درمیانی حصہ کھجاتا ہوا میری طرف دیکھتے ہوئے ایک نہایت ہی بوسیدہ سی فائل
 پڑھ رہا ہے، دوسرے کپڑے میں بھینگا اور اس کا ساختی بڑے اعتماد سے گنگنے منحنی اور
 معنک شخص کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں، احمد مجھے آنکھ مار کر میرے مشن کی یاد دہانی
 کر رہا ہے، جناب، جناب، کالے کوٹوں والوں نے کورس کے انداز میں ہم آہنگ
 ہو کر کہا ہے : پنچ بریک ہونے والا ہے ہماری درخواستوں کا فیصلہ کیا جائے فیصلہ
 کیسا فیصلہ ؟ میں یہاں فیصلے کرنے نہیں آیا بلکہ اوہ میں خود کچھ بھول گیا
 ہوں کہ میں کیا کرنے آیا ہوں، اوہ بد بخت آج دس تاریخ ہو گئی ہے اور ابھی
 تک میری تنخواہ نہیں آئی، گنگنے منحنی معنک شخص نے ہنسی کر بائیں جانب بیٹھے شخص
 کو کہا ہے، وہ کاروباری انداز میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ گنگنا معنک منحنی شخص ایک دم
 لال کتاب پڑھنے لگا ہے، کمرے میں بے تابی بڑھتی جا رہی ہے۔ ایک کالے کوٹ

نے کافی انتظار کرنے کے بعد ہمت سے کام لیا ہے : سر آپ کون سا جرم تلاش کر رہے ہیں ؟ آپ اس کی نوعیت بتادیں ، مجھے خود نہیں پتہ کہ میں کیا ڈھونڈ رہا ہوں ؟ ایک مدت سے اس کتاب کی ورق گردانی کر رہا ہوں جو میں ڈھونڈ رہا ہوں حاضرین اس سے ناواقف ہیں میرا خیال ہے کہ میں کافی بکواس کر چکا ہوں اب کام شروع کرنا چاہیئے ، سارے کالے کوٹوں والے کھلکھلا کر ہنسنے لگے ہیں ، خاموش ، یہ میرے وقار کی توہین ہے ، نقص امن کا اندیشہ بڑھتا جا رہا ہے امداد طلب کی جانی ضروری ہے ، گنجنا منحنی معنک شخص چیخ رہا ہے ۔ معافی دی جائے ، محافظ نے فائل سے نگاہ اٹھائے بغیر مشورہ دیا ہے ، معافی ہی ہی گنجنا منحنی اور معنک نے طنزاً جواب دیا ہے : کوئی کسی کو کبھی معاف نہیں کرتا ، کارروائی شروع کی جائے ۔ سر یہ تو کافی دیر سے شروع ہو چکی ہے ، میں نے اس کا ایک ایک حرف ٹائپ کر لیا ہے ، گنجنا منحنی اور معنک شخص کی دائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص نے ٹائپ رائیٹر پر بدستور انگلیاں چلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں جواب دیا ہے ۔ تم کس کی اجازت سے اس کارروائی کی رپورٹ محفوظ کر رہے ہو ، ایسی کارروائیوں کا ریکارڈ محفوظ کرنے کے لئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی ، یہ کارروائی شروع کب کی ؟ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ اس نے بدستور ٹائپ پر انگلیاں چلاتے ہوئے جواب دیا ہے ، بہت سی کارروائیاں ایک کارروائی کا حصہ ہیں ، گنجنا منحنی اور معنک شخص کے بائیں جانب بیٹھے ہوئے موٹے سے شخص نے جواب دیا ہے ۔ حلف کیوں نہیں لیتے ؟ محافظ نے چوٹی تختے پر فائل بیٹج دی ہے ۔ میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہا ہوں ، جلدی کرو احمد نے سرگوشی میں مجھے تنبیہ کی ہے : جو کچھ کہو گے ایمان سے سچ کہو گے ، محافظ نے چیخ کر کہا ہے ، میں ابھی حلف اٹھانے کی سوچ میں ہوں کہ گنجنا منحنی اور معنک شخص اپنی جگہ پر ایک دم کھڑا ہو گیا ہے : حضرات اب پنچ بریک ہے اور اگر نہ بھی ہو تو مجھے اپنے ریٹائرنگ دم

میں جانا ہے کیونکہ میرے دوست اندر انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہیں، دیکھو، اس نے اپنی بائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کو مخاطب ہو کر کہا ہے، ہماری عدم موجودگی میں تمہیں کارروائی جاری رکھنے کا پورا اختیار ہے، گنجی منحنی اور منحنی اپنے خیمے ملتا ہوا دائیں جانب کی چمک اٹھا کر اندر چلا گیا ہے، اس کے اندر جاتے ہی کمرے میں کبرام مچ گیا ہے اور کالے کوٹوں والے ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے بائیں جانب بیٹھے ہوئے موٹے شخص کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس نے جواباً بلی سے انگڑائی لی ہے، حاجی نائب اس کے پاس کھڑا ہو کر بیٹھنے لگا ہے، کس کس کو تار یخیں چاہیے ہیں؟ ہم سب کو تار یخیں چاہیے ہیں، سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہے: دو روپے دو روپے، حاجی نائب چیخ رہا ہے۔ کمرے میں بتدریج شور اور ہجوم کم ہوتا جا رہا ہے، فضا میں ہر طرف نوٹ ہی نوٹ لہرانے لگے ہیں، حاجی نائب ڈھلتے ہوئے ہجوم میں سے ایک نوجوان خوش پوش کو کلائی سے پکڑ کر محافظ کے پاس لایا ہے، محافظ اور نوجوان کمرے کے ایک گوشے میں جا کر سرگوشی کے ہلچے میں ایک دوسرے کے رازدار بننے میں مصروف ہیں لیکن ان کی احتیاط کے باوجود سب کچھ سنائی دے رہا ہے: دیکھو میرا کام ہر کام کی مخالفت کرنا ہے اور بغیر کسی وجہ کے مخالفت نہ کرنا، یا تم سمجھتے ہی ہو۔ ہاں مجھے سب کچھ منظور ہے لیکن کیا آج اس کی ضمانت ہو جائے گی؟ کیوں نہیں باقی تفصیل ۲ بجے کنٹین پر طے کریں گے۔ ہجوم نہٹھر گیا ہے۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ احمد نے کسی قدر غصے سے پوچھا ہے۔ حکم اللہ کا، شہادت شروع کی جائے۔ خواجہ صاحب ابھی تک نہیں آئے، بیٹھنے کے ساتھی نے بتائی سے احمد سے پوچھا ہے۔ تم خاموش رہو، میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ اچھا جو کچھ کہو ایمان سے سچ کہو گے! بولتے کیوں نہیں؟ تمہیں سانپ نے ڈس لیا ہے، محافظ نے سختی سے تجھے کہا ہے، کمرے میں کسی قدر خاموشی چھا گئی ہے۔ علف، علف کس کی وفاداری

کا؟ میں نے حقوق نگل کر بمشکل جواب دیا ہے : بے وفائی کا، کسی نے آواز کسی سے اور سارے کمرے میں قہقہوں کا شور بلند ہوا ہے، یہ کوئی نیا مرغا جال میں پھنسا ہے۔ نہیں اس کرسی کا حلف لو جو اس وقت خالی ہے ہا ہا، جو کہو گے ایمان سے سچ کہو گے، محافظ نے پھر چیخ کر کہا ہے : لیکن میں بے عقیدہ ہوں کس ایمان کا حلف اٹھاؤں؟ ہائیں ! یہ دہریہ ہے یہ کیونسٹ ہے، یہ ایجنٹ ہے، یہ گواہ نہیں خود ملزم ہے، اُب دہریہ ! کالے کوٹوں نے شدت سے احتجاج کیا ہے، پوانٹ آف آڈر، محافظ خالی کرسی کو مخاطب کیا ہے : چونکہ کرسی خالی ہے اس لئے بغیر حلف کے شہادت قلمبند کی جا سکتی ہے، ہائیں جانب بیٹھے ٹائیپیٹ نے ٹاپ پر انگلیاں چلاتے ہوئے جواب دیا ہے، تم کون ہو؟ حکم چلانے والا اختیار تو مجھے سونپا گیا ہے، ہائیں جانب بیٹھے شخص نے اپنی ٹوند کھجلا تے ہوئے احتجاج کیا ہے، ٹائیپیٹ کچھ جواب دیئے بغیر ٹاپ پر بڑی تیزی سے انگلیاں چلا رہا ہے، میں نے ایک ہی سانس میں اپنا حسب نسب اور اتہ پتا بتا دیا ہے۔ چپ کیوں ہو اپنا پیشہ کیوں نہیں بتاتے؟ محافظ نے گرج کر پوچھا ہے، میں ابھی سوچ ہی رہا ہوں کہ کیا جواب دوں کہ کسی نے ہجوم میں سے آواز لگائی ہے : شہادتیں دینا ہا ہا، تجارت، میں نے ندامت کو دور کرنے کے لئے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا ہے۔ گواہ خاموش ہے اس کا رویہ شامل مسل کیا جاتے، احمد نے چیخ کر اعتراض کیا ہے۔ یہ احمد کو کیا سوچھی اُدھ ڈبل کراسنگ۔ میں نے گلا صاف کر کے وہ سب کچھ اس تیزی سے دوہرایا ہے کہ سب حیرت سے میری طرف دیکھ رہے ہیں : طوطا سبق دوہرا رہا ہے ہا ہا، اٹ، میں برآمدگی کا ذکر کرنا بھول گیا ہوں، چوہدری میرا ستیاناس کر دے گا میں نے جھوٹے یقین کے ساتھ بلند آواز میں خالی کرسی کو مخاطب کیا ہے : جناب والا میں کچھ بھول گیا ہوں۔ بھولی ہوئی بات کو یاد کرنے

کی اجازت نہیں، ٹائیسٹ نے بدستور انگلیاں چلاتے ہوئے تنبیہ کی ہے۔ بائیں جانب بیٹھا موٹا شخص ایک دم غصے میں بھر بھری لے کر بچوں کی طرح دانت پیسنے لگا ہے؛ جس طرح کی اجازت ہے، کیا یہ درست ہے کہ آپ پہلی مرتبہ شہادت دے رہے ہیں؟ احمد نے جس طرح کا آغاز کیا ہے۔ منشی گواہ پر جس طرح نہیں کر سکتا، محافظ نے اعتراض کیا ہے۔ اس وقت کرسی خالی ہے اس لئے سب کچھ جائز ہے، احمد نے برعقبہ جواب دیا ہے۔

احمد : گواہ جواب دے۔

میں : یہ درست ہے۔

احمد : کیا یہ درست ہے کہ آپ نے یہ واقعہ نہیں دیکھا؟

میں : جی ہاں نہیں دیکھا ہے۔

ہجوم پھر قہقہے لگا رہا ہے۔ حاجی نائب نے نیچے سے مجھے بھرپور ٹھوکر ماری ہے اور میرے منہ سے بیساختہ چیخ نکلی ہے۔ کٹہرے میں کھڑے بیٹنگ کے ساتھی نے چیخ کر کہا ہے : بخاب ایک دو سوال میں کروں گا۔

ٹائیسٹ : اجازت ہے (بائیں جانب بیٹھے ہوئے موٹا شخص پھر دانت کچکچانے لگا ہے)

بیٹنگ کا ساتھی : گواہ صاحب (کمرے میں قہقہہ) یہ بتاؤ تم پر و فیسر ہو۔

میں : نہیں۔

بیٹنگ کا ساتھی : کیا یہ ٹھیک ہے کہ تم چوہدری کے کہنے پر جھوٹی شہادت

دے رہے ہو؟

میں : میں کسی چوہدری کو نہیں جانتا میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی شہادت دی ہے (احمد ہلک کر آگے بڑھا ہے اور بیٹنگ کے ساتھی کے کان میں کچھ کھسک پھسک

کر رہا ہے۔

بھینگے کا ساتھی : یہ ٹھیک ہے کہ پچھلے سال تمہیں نوکری سے اس لئے نکال دیا تھا کہ تم

میں : نہیں ہاں مجھے پتہ نہیں

احمد : کیا یہ درست ہے کہ چوہدری نے تمہیں دوبارہ ملازمت دلوائے کا وعدہ کیا ہے بشرطیکہ تم اس کے کہنے پر شہادتیں دو ؟

میں : یہ بالکل غلط ہے احمد تم تم میں سچ بول رہا ہوں ، نہیں میں جھوٹ بول رہا ہوں ۔

میں زور زور سے پھینکنے لگا ہوں اور میری ہر چیخ کے ساتھ قہقہوں کا شور بلند ہو رہا ہے : یہ پردیس ہے نہیں یہ جھوٹا گواہ ہے یہ بہروپیہ ہے ہا ہا ہا میری آنکھوں کے سامنے تاریکی اور روشنی کے دھبے ناحیج رہے ہیں اور سینہ میں سخت درد اٹھا ہے ، چاروں طرف آنکھیں اور چہرے ہی چہرے ہیں ، ارد گرد کی ہر چیز تیزی سے گھوم رہی ہے ، بلند شور ایک دم مدہم ہوتا جا رہا ہے ۔ یہ بیہوش ہو گیا ہے اس کے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارو ! میں نے ایک دو مرتبہ زور سے سر جھٹک کر غنودگی اور بے ہوشی کو ہوش میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے ، غالباً ، جھوم مجھے کمرے سے اٹھا کر باہر برآمدے میں لے آیا ہے ۔ میری ٹانگیں نقاہت سے بڑی طرح کانپ رہی ہیں ، سامنے چوہدری سُرخ سُرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا ہے ، طبیعت کچھ بحال ہوئی ہے اور میں منہ کا کڑوا ذائقہ دور کرنے کے لئے اپنی دونوں جیبوں میں سگریٹ کی ڈبیہ ٹٹول رہا ہوں لیکن نہ ڈبیہ ل رہی ہے اور نہ وہ دو ٹوٹ جن کی خاطر

(۱۱)

ابھی تک میرا شمار زندوں میں ہے اس لئے کہ میں سوچ رہا ہوں، میں اپنے علاوہ ارد گرد کی ہر چیز کو بخوبی دیکھ سکتا ہوں، صرف یادداشت وقتی طور پر دھندلا گئی ہے۔ ابھی تک میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ میں کب سے بستر پر ہوں؟ کافی کوشش کے باوجود بھی اٹھنے کی ہمت نہیں پاتا، غالباً میں بیمار ہوں، واقعی بدن کافی گرم ہے، مجھے بیماری سے خوف آتا ہے، اس لئے نہیں کہ میں موت سے مخالف ہوں بلکہ محتاجی سے ڈرتا ہوں۔ میری آنکھوں میں خون کی تپش ہے، پتلیوں کے گرد دائرے میں آگ جل رہی ہے، دھویں کے اڑدھا چھت کی کڑیوں سے چٹے رنگ رہے ہیں، چھت دوہری ہوتی جا رہی ہے، دھویں سے بنتے ہوئے دو برہنہ حبشی پسینے میں شرابور چھت کو اپنی انگلیوں سے تھامے ہوئے ہیں۔ میرے منہ سے ایگزاسٹ فین کی طرح گرم ہوا کے بھبھکے نکل رہے ہیں، زبان خشک ہو کر دونوں جبڑوں کے درمیان بھٹکنے لگی ہے، بدن کی تمازت سے کمرے کی دیواریں دھپک رہی ہیں، ماتھا برت کے تودے کی طرح مُنجد ! یہ آہ ہوا کا تضاد ہے، نہ جانے کون سا موسم ہے؟ نہ جانے دن ہے کہ رات؟ میں کس منطق میں ہوں کبھی بے یقینی ہے، پسینے پر کس نے بھاری پتھر رکھا ہے کہ تنفس ماند پڑ گیا ہے، میں ایک نہ معلوم پہاڑ پر چڑھتا جا رہا ہوں، پنڈلیوں میں سخت درد ہے، واپسی کا کوئی راستہ معلوم نہیں ہے، میں اس بے پایاں وادی میں گر جاؤں گا، ادھ میں واقعی گرتا جا رہا ہوں، میں نپکنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے عدم اور فلا کو دیوانہ وار پکڑ رہا ہوں مگر ہاتھ پھسلتے جا رہے ہیں، میں گرتا جا رہا ہوں، اُف ! یہ ہولناک سفر ختم ہوتے

کا نام نہیں لیتا، میرے دماغ میں چیونٹیاں ریگنے لگی ہیں، میں حواس کھونے والا ہوں، نہیں ابھی نہیں، کچھ دیر اور، آزمائش کا مرحلہ ہے۔ لیکن یہ سب کچھ میرے اختیار میں نہیں ہے، میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے بلکہ میں خود اپنے اختیار میں نہیں ہوں، یہ عدم کا سفر ہے، میں اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتا، اُٹ کوئی مددگار بھی نہیں ہے، ادہ ادغا باز احمد! تم دوغلے ہو، تم نے میرے پیٹ سے کپڑا اٹھا دیا ہے تم میری گمراہی کے عفریت ہو، اُٹ میرا ذہن تو میرا عذاب ہے، بٹھے تنہا چھوڑ دے۔ یہ ہزیاں نہیں حقیقت کا ادراک ہے۔ میں ابھی تک بیولوں کے غبار میں ہوں، میں نے عزت و توقیر کے سارے تصورات کو مٹا کر دیا ہے اور زندگی کی بہمیت کو قبول کر لیا ہے، تاہم میں وہ نہیں ہوں، جو میں ہوں۔ میں وہی ہوں جو میں ہوں، میں نے زندہ رہنے کے لئے ٹاپ گیپ اور بجنٹ کیا ہوا ہے۔ میں نے اس دن پہلی مرتبہ جھوٹ بولنے کی کوشش کی تھی، نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں دوسروں سے مختلف نہیں ہوں، جعفر اور صادق ایک مدت سے اس چار دیواری میں یہی کام کرتے چلے آ رہے ہیں، وہ تو ان تمام کردوں میں ہزاروں مرتبہ نادیدہ یا فرضی واقعات کو دیدہ اور حقیقی واقعات کے طور پر بیان کر چکے ہیں، ان کا سر کبھی نہیں چکرایا، ان کا تمسخر کسی نے نہیں اڑایا۔ میرے جھوٹ اور سچ بولنے سے کیا فرق پڑتا ہے، ننگوں میں ایک اور ننگ کے اضافہ سے زیادہ بے حیائی نہیں پھیلتی۔ میں کوئی معیار نہیں ہوں کہ میرے حوالے سے اچھے اور بُرے کا تعین کیا جائے کیونکہ میرے تمام حوالے اچھائی اور برائی کے باہر سرزد ہوئے ہیں۔ کون دروغ گو نہیں ہے؟

اُٹ، جب سے یہ بد بخت کرایہ دار نچلی منزل میں آئے ہیں زندگی عذاب بن گئی ہے سارا دن اس کی لڑکیاں ادھم مچاتی ہیں، نہ دن کو چپن نہ رات کو سکون، اس کرایہ دار کے آنے سے حصول رزق کی بے یقینی کس حد تک کم ہو گئی ہے اس نے

چھ ماہ کا کرایہ پیشگی دیا تھا، جس سے گھر میں نئے یقین کی لہر اٹھی ہے، اب میں کوئی
 اور کام کر سکتا ہوں، واہ سے یخ چلی، تین سو روپے میں مشکل گھر کا آٹا دل آتا ہے۔ یہ
 میری ضروریات نہیں ہیں میں کچھ اور چاہتا ہوں، کیا چاہتا ہوں؟ پتہ نہیں کیا چاہتا ہوں؟
 فرض محال مجھے ایک دم کہیں سے ایک ہزار روپیہ ماہوار ملنے شروع ہو جائیں تو میں
 پھر کیا کروں گا؟ نہ ہونے نے میری سوچ کو الٹ دیا ہے؟ ہاں سب کی سوچ الٹی
 ہوئی ہے اسی لئے تو ایک نئے معاشرے نے جنم لیا ہے، نئی نجابت ہر جگہ پر پھول
 کی طرح کھلی ہوئی ہے! یہی وجہ ہے کہ اس شہر کا میٹر ایک اُتی ہے اور سب اس کی
 حاکمیت میں ہیں، یہ اس شہر کے تعلیمی مدرسوں کی سزا ہے اور میری سزا اپنے آپ
 سے دور رہنا ہے۔ پیدائش فنا کے سفر کا آغاز ہے، ہر چیز اور فعل میں عمداً
 مقصدیت پیدا کی جاتی ہے کہ خلا انسان کو اس کی ہلاکت کی طرف راغب نہ کر دے،
 میں یہ سب کچھ جانتا ہوں اس لیے ابدیت کا خریدار نہیں ہوں۔ اگر دنیا میں دکھ
 ہے تو پھر کیا؟ خوشی ہے تو پھر کیا؟ دونوں کو ثبات نہیں ہے، ایک تضاد
 دوسرے تضاد کو پیدا کرتا ہے، دونوں ایک دوسرے سے متضاد مہو کر حل ہوتے
 ہی نئے تضاد کو جنم دیتے ہیں، انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ کار ہائے نمایاں سرانجام
 دے رہا ہے۔ درحقیقت وہ اپنے ذاتی عکس کی توسیع میں مصروف ہے۔ عام مفروضہ
 ہے کہ اچھے کام کرنے والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے، اُت ہمیشگی کا لوبھ تمام انسانیت
 اور تمام نظاموں کی شکست ہے، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں اچھے اور بُرے
 کاموں کے تفرقات سے آزاد ہوں، صرف جیتا ہوں اور بے مقصد جیتا ہوں...
 بنجار کی سرساحی کیفیت سے سرچکرا نے لگا ہے، میں کب بیمار ہوا تھا؟
 مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ایک ہجوم میرے تعاقب میں تالیاں بجا رہا تھا اور میں بھاگتا
 جا رہا تھا۔ میں اپنے بستر پر کیسے ہوں؟ مجھے کون لایا ہے؟ میں نے آخری مرتبہ

کیا کھایا تھا کہ زبان اتنی سخت اور کڑوی ہے کہ تھوک نگلنا محال ہے؟ گردن
ایٹھٹی ہوئی ہے تلوے اور تنخیلیاں گرم اینٹ کی طرح دھک رہی ہیں بھائی جان،
بھائی جان ہوشن کریں ہوش کریں..... کوثر اس کے ماتھے پر ٹھنڈی پٹی رکھو۔
کون؟ ماں تم؟ بھائی جان اب طبیعت کیسی ہے؟ میں بیمار ہوں؟ کتنے دنوں
سے بیمار ہوں، کون کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں۔ یا اللہ رحم کر میرے بیٹے پر.....
ماں ماں میرے عذاب میں اضافہ مت کرو، مجھ پر انسانوں کا سایہ ہے ساف تو بہ!
تو بہ اس بیماری میں کفر منہ سے مت نکال تمہیں نہ جانے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے کچھ نہیں ہوا
مجھے پتہ ہے جو کچھ میرے ارد گرد ہو رہا ہے لیکن یہ نہیں پتہ کہ میرے اندر کیا ہو رہا ہے؟
بھائی جان تھوڑا میٹر لگائیں۔ مجھے بخار نہیں تھوڑا میٹر کو بخار چڑھا ہوا ہے۔ کوثر ابھی
تک اس کے دماغ کو بخار چڑھا ہوا ہے۔ نہیں نہیں، ان کی طبیعت پہلے سے بہت
بہتر ہے۔ کوثر مجھے کیسا بخار ہے؟ کل ڈاکٹر آیا تھا وہ کہتا تھا کہ دماغ کا بخار ہے۔
تم مجھے ایک گھنٹے کے بعد چائے دے جانا، گبھراؤ نہیں میں بہت سخت جان ہوں
اتنی جلدی اپنے آپ کو موت کے حوالے نہیں کرتا۔ تو بہ تو بہ بیٹے کیسی باتیں کرتے
ہو؟ کوثر، رضیہ کہاں ہے؟ اس کے سر میں درد ہے سر باندھے سوئی ہوئی ہے۔
اب اس کی طبیعت کیسی رہتی ہے؟ کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ سنا ہے شہر میں
ایک بڑا مانا ہوا بزرگ آیا ہے..... ات ماں کیسی جہالت کی باتیں کرتی ہو۔
تو بہ تو بہ، کیسا کفر تول رہے ہو، تم راستے سے ہٹے ہوئے ہو اس لئے ہم سب
کے سب معیبت میں ہیں۔ ماں چپ رہو تمہاری انہی باتوں نے مجھے بیمار کر دیا ہے،
منو تم نے ایک بیمار بدن کو پیدا کیا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے سب کچھ قدرت
کے ہاتھ میں ہے۔ امی آپ کوئی موقعہ محل دیکھ لیا کریں۔ تم جادو اس کے لئے
چائے بناؤ۔ میرا خیال ہے ماں مجھ سے لڑنے جھگڑنے کے لئے میری سمجھ کا

انتظار کر رہی تھی۔ توبہ توبہ تم سے بات کرنا بھگدڑا مول لینا ہے۔ ماں مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بھگڑنے کے لئے بات چیت کرتے ہیں۔ نہیں میرا مفرد ہی ایسا ہے پہلے تمہارے باپ کی سختیاں برداشت کیں اور اب اولاد کی۔ ماں تم بھی کمال کرتی ہو میں نے کبھی تمہیں برا بھلا نہیں کہا، اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ امجد تو نہیں آیا تھا؟ آیا تھا۔ کوئی خاص بات؟ کہتا تھا کہ وہ مکان کے آٹھ کرائے کا حق دار ہے۔ تم نے کیا جواب دیا؟ میں نے کہا کہ تم بیمار ہو اس کے بعد۔ میں اس کا جواب اس کو عدالت میں دوں گا۔ یہ سب اس کی بیوی کی چال ہے، کوثر تم اتنی جلدی چائے لے آئی ہو۔ مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔ نہیں بیٹے ابھی پی لو دو تین دن سے تم نے کچھ کھایا یا نہیں۔ کوثر تمہارا نتیجہ کب نکل رہا ہے؟ سنا ہے کل نکل رہا ہے، میں آج صبح کالج گئی تھی پردیسر صدیق اور ارحم آپ کا پوچھ رہے تھے۔ اچھا۔ بھائی جان میں نے ایک جگہ آپ کی ملازمت کا بندوبست کیا ہے۔ کس قسم کی ملازمت؟ میرے پاس تین چار ٹیوشن ہیں اب اور کام کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ لیکن بھائی جان ٹیوشن پڑھانا کوئی باقاعدہ ملازمت نہیں ہے لوگ ابھی تک سمجھتے ہیں کہ آپ بیکار ہیں۔ کوثر میں لوگوں کے لئے کام نہیں کرتا میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں کہ میرا کوئی سٹیٹس نہیں ہے، کیا فرق پڑتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ میں دنیا کے لئے نہیں اپنے لئے زندہ ہوں۔ آپ کو نہیں ہیں تو فرق پڑتا ہے۔ تم بھی اس دوڑ میں شامل ہو؟ نہیں دراصل گھر کے اخراجات کافی ہیں آپ کی ٹیوشنیں باقاعدہ آمدنی کا ذریعہ تو نہیں ہیں تمہارے ذریعے کون مجھے نوکری دینا چاہتا ہے؟ دراصل میرا ایک کلاس فیلو ہے اس کے باپ کا بہت بڑا بزنس کنسرن ہے اور اس کے مینجر نے کچھ دن ہوئے استعفیٰ دے دیا ہے انہیں ایک پڑھے لکھے شخص کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ قرعہ مجھ پر کیسے گرا

ہے؟ کیا لوگ مجھے بھول نہیں گئے ہیں؟ میں نے خود آپ کا ذکر کیا تھا۔ ابھی نہیں جب تک میں فیصلہ نہ کر لوں۔ اس میں فیصلہ کرنے کی کیا بات ہے؟ ہر احسان کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی اور بعض دفعہ کسی قیمت کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے! آپ دن بدن موربہ ہوتے جا رہے ہیں۔ کوثر تو باورچی خانے میں جاڈ بانڈی جلنے کی بو آ رہی ہے..... کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی ہے ماں بستر کے قریب ایک کرسی پر بیٹھی کسی سوچ میں گم ہے: ماں تم مجھے گھور کیوں رہی ہو؟ میری شکل بدل گئی ہے؟ کیسی پاگلوں سی باتیں کر رہے ہو۔ ہاں، یہ پاگل پن ہی ہے کہ میں سارے جہاں سے الجھ رہا ہوں یہ پاگل پن ہی ہے کہ میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں سمجھ سکا، یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا کہ کسی مقصد اور خواہش کے بغیر موت کی بجائے زندگی کو قبول کیا۔ وہ میں بہت باتوں پر جا رہا ہوں، بیماری کی حالت میں مجھے خاموش رہنا چاہیے! کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی ہے، ماں میرے چہرے کے تاثرات سے دل کا حال جاننا چاہتی ہے، میں اس کے چہرے سے اس کی آمد کا مقصد چاہتا ہوں، ہم دونوں ایک دوسرے کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اسے غالباً یہ خطرہ لاحق ہے کہ میں یا تو مر جاؤں گا یا پاگل ہو جاؤں گا، اس کے برعکس مجھے یقین ہے کہ موت بھی مجھے چھوٹا پسند نہیں کرتی کیونکہ میرا وجود کسی اہمیت کا حامل نہیں ہے اور نہ ہی میں اسے اتنی اہمیت دیتا ہوں۔ میری داستان کتنی بودی ادب کے کیف ہے کہ میرے پاس نہ کوئی ہمہ گیر انسانی تجربہ ہے اور نہ کوئی انسانی رازیں دراصل ایک ایسی کٹی ہوئی رسی پر چل رہا ہوں جس کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ انجام لیکن چلنا مقدر کی جبریت ہے۔ میں ماضی اور مستقبل دونوں کی قید اور خواہش سے بچا ہوا ہوں پہلے کبھی ماضی کی طرف ذہن بطور فرار بھٹکتا تھا لیکن اب وہ بھی اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے انکارے کی طرح ہے جو خود بچھ چکا ہے مگر جس کی بو پھیلی ہوئی ہے۔

میں خود کلامی سے اکتا گیا ہوں، یہ میرے احتجاج کی ایک صورت ہے یہ دوسروں سے عدم رابطہ کو استوار رکھنے کی ایک کوشش ہے، ابھی ابھی میں بیحد باتونی ہو گیا تھا اب بالکل چپ سادہ سننے کو جی چاہتا ہے، ماں کی موجودگی میں اس کی بجائے اپنے آپ سے گفتگو کرنے کو جی چاہتا ہے جیسے بیماری کے چند دنوں میں میرے اندر اتنا مواد جمع ہو گیا ہے کہ اس کو منظم کرتے کرتے کافی دقت لگے گا، میری مثال بھی اس درویش کی ہے جو اپنی گدڑی اس لئے پھاڑتا ہے کہ اسے دوبارہ سیا جاسکے۔

کمرہ پھر خاموش ہے، ماں اٹھ کیوں نہیں جاتی اب اور کیا چاہتی ہے؟ میری طبیعت پھر ڈوبنے لگی ہے، سارا بدن ایک نئی طرح کی گھبراہٹ کی لپیٹ میں ہے، کبھی یوں لگتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز پر امن ہے، کبھی یہ دل چاہتا ہے کہ ارد گرد کی ہر چیز کو تہس نہس کر کے کہیں دوزخ کی جاؤں اتنی دور کے اپنا سراغ نہ پا سکوں۔ کمرے میں بے معانی خاموشی نے ہر چیز کو بجڑا ہوا ہے۔ میرا اور ماں دونوں کا دل دھڑک رہا ہے، اس کا رویہ کسی قدر غیر معمول ہے وہ شاذ و نادر ہی میرے کمرے میں آتی ہے۔ میرا اس گھر سے رابطہ کوثر کے ذریعے ہے جب مجھے کوئی ضرورت ہو یا گھر کے کسی فرد کو میری ضرورت ہو تو کوثر رابطے کا کام کرتی ہے۔ آج صورت حال کسی قدر مختلف نظر آتی ہے، کمرے کے پردے گرے ہوئے ہیں یا غالباً شام یا رات ہے، کیونکہ جب میں بیدار ہوا تھا تو اس وقت کمرے میں بتی جل رہی تھی؛ میں تم سے ایک مشورہ کرنا چاہتی ہوں اچھا، پھر سہی، تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ نہیں نہیں میری طبیعت ٹھیک ہے۔ بیٹے ہماری سختیاں کب دور ہوں گی؟ تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کیا سوچتا رہتا ہوں۔ مجھے رشید سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ آخر میں خط تک لکھنا چھوڑ دے گا۔ مجھے یہی توقع تھی وہ اس گھر میں محض اپنا وقت پورا

کر رہا تھا۔ اچھا اللہ اسے خوش رکھے اس کا مستقبل بن جائے گا۔ ہاں میرے علاوہ اس دنیا میں ہر شخص کا مستقبل ہے۔ کسی مخالف نے تمہارے ساتھ دشمنی کی ہے۔ نہیں میں نے اپنے ساتھ دشمنی کی ہے، میری سوچ نے مجھے دھوکہ دیا ہے، میں نے جو کچھ نہیں کیا اس کی سزا بھگت رہا ہوں، میں خائف ہوں، اس گھر کے در و دیوار سے اپنے آپ سے ان تمام لوگوں سے جو مجھے نشاۃ بنا کر میرے انجام کے منتظر ہیں۔ اللہ فضل کرے ہم پر بھی اچھا وقت آئے گا، ماں تم مجھ سے کچھ مشورہ کرنا چاہتی ہو! ہاں باتوں باتوں میں میں بھول ہی گئی ہوں، دراصل بات یہ ہے کہ میں سوچ رہی ہوں کہ کہیں اچھا رشتہ مل جائے تو کوثر کی شادی کر دوں، تمہاری نظر میں اگر کوئی ہے تو بتاؤ؟ اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی مشکل قرضے کی ایک قسط ادا کی ہے گھر کے خرچ کا ابھی کوئی معقول بندوبست نہیں ہوا، چند سو روپیہ مکان کا کرایہ آتا ہے، ایک سو روپیہ قسطیں اٹھ گئے باقی کچھ تم لے آتے ہو، کوثر نے تمہاری ملازمت کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ ماں تم بہت جلد باز ہو! مجھے اپنی زندگی کا اعتبار نہیں دے کی مرلیض ہوں سارا دن سانس اکھڑا رہتا ہے، تمہاری نظر میں کوئی رشتہ ہے؟ ایک دو ہیں۔ کس نے بھیجے ہیں؟ ان میں سے ایک اچھا ہے وہ کوثر کی سہیلی زبیدہ لائی تھی۔ لڑکا کیا کام کرتا ہے؟ کاروں کی بہت بڑی دکان ہے، ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے صرف ایک بہن ہے، کتنی عمر ہے؟ بس کوثر جتنی ہوگی۔ اگر وہ امیر ہیں تو ان کی نظر اس خستہ حال گھر پر کیوں پڑی ہے؟ قدرت کا کھیل ہے۔ جب مقدر چکنے لگے تو پھر..... اب تم جو کہو دیا ہی کرتے ہیں ہاں، ایک ترکیب اور بھی ہے، کوثر کا خیال ہے کہ تمہیں نوکری ملنے کے بعد مکان کی اوپر کی منزل بھی کرائے پر دے دیں اور ہم کسی اچھے سے مکان میں منتقل ہو جائیں۔ ماں میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا ہے یہ تمہارا اور کوثر کا ذاتی معاملہ ہے میں صرف اپنے انتخاب کا ذمہ دار ہوں۔ تمہاری مرضی کے


بغیر یہ قدم نہیں ، ہرگز نہیں ، میں اس معاملے میں نہیں اُڑوں گا ، تمہارے کہنے کے مطابق میں نے رضیہ کی زندگی جان بوجھ کر تباہ کی میں اب مزید عذاب نہیں اٹھانا چاہتا ، ویسے بھی پہلے کب مجھ سے مشورہ کیا جاتا تھا کہ اب میری ضرورت پیش آئی تم لوگ فیصلہ پہلے کر چکے ہو اور مجھ سے صرف انگوٹھا لگوانا چاہتے ہو ، مجھے سب کچھ منظور ہے لیکن میں شرکت نہیں کروں گا مجھے سب کچھ منظور ہے لیکن شادی کے عوض وہ نوکری نہیں منظور ہے ! مجھے اکیلا چھوڑ دو ، منظور ہے ! منظور ہے !

کمرے میں پھر مہل سکوت لیکن اس مرتبہ اس سکوت میں سازش کا عنصر شامل ہے ، میری عبادت یہ شفقت ، یہ محبت ، سب کے سب ہلکا ہلکا ! سازشی گفتگو اس فضا میں تحلیل ہو چکی ہے اور دیوانگی کی لہر پھر عود آئی ہے ، تاہم اختلال حواس کے باوجود حواس کی قاشی کا احساس رکھتا ہوں ، میرے لئے حواس باختگی کا یہ عالم اس شعور کی دھڑکن ہے جس میں ساری کائنات کو اندھا منعکس دیکھتا ہوں ، وہ مجھے نہیں دیکھتی میں اسے دیکھتا ہوں اور نہ جانے کب تک دیکھتا رہوں گا ۔ میں گواہ رہوں گا کہ کائنات ہر وجود کے لئے ایک کردہ تجربہ ہے ، یہ میرے شعور سے باہر نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ صرف اتنی ہی ہے جتنا اسے میں دیکھ رہا ہوں ، ہر وجود بذاتِ خود ایک کائنات ہے ، ایک چھوٹی اور ایک بڑی کائنات ، تصادم ، کیا یہ ممکن ہے کہ چھوٹی اور بڑی کائنات کو ہلا کو کی طرح ظالمانہ طریقے سے نچ کیا جاسکے ؟ میں ڈان کہوٹے بننا جا رہا ہوں ، اگر کوثر اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتی ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ؟ اس نے بھی اس مصیبت سے نکلنے کی راہ نکالی ہے ، میں غربت اور نادان کو مصیبت کیوں سمجھتا ہوں ؟ اس ملک میں ۹۹ فیصد لوگ نادار ہیں کیا سب کے سب ناخوش ہیں ؟ کیا ثروت ہی تمام خوشیوں کا سرچشمہ ہے ؟ سنا ہے اہل ثروت زیادہ ناخوش ہوتے ہیں ،

۱۰۶
میں ناخوش ہوں کہ مجھے میرا حق نہیں دیا گیا، میں ناخوش ہوں کہ میں اپنے ارد گرد سے
بے خبر ہوں، مجھے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے سے روکا گیا ہے، میں عجیب و
غریب شخص انار کی کاشکار ہوں، میں خود اپنا کرب ہوں !

کوئی اس وقت میرے کمرے کے دروازے کے پردے کے پیچھے میرے ذہن
کی آواز سننا چاہتا ہے کہ میں اس وقت کس قسم کا منصوبہ بنا رہا ہوں، کسی نہ کسی
خیال، چیز یا شخص نے میرے نقاب میں رہنا ہے، مجھ جیسے نابکار شخص کی نگرانی
سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ غالباً رات ہو چکی ہے، یہ رات کی آمد کی نشانی ہے،
دل کی دھڑکن بدستور تیز ہوتی جا رہی ہے شاید کسی نئی وبا کا ابتداء ٹیپ ہے۔ کون؟
اندر آ جاؤ ”رضیہ“ نہیں میں اندر نہیں آ سکتی تم ناپاک ہو، تمہارے کمرے سے
کفر کی بو آتی ہے تم باہر مت نکلنا انہوں نے کہا ہے میں تم سے پردہ کروں! کیا
بکواس کر رہی ہو! میں خود نہیں بولتی مجھے ایسا بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تم
آرام کرو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ہی ہی! کون کہتا ہے میں بیمار ہوں،
میں نے تو سردرد کا بہانہ کیا ہوا تھا میں پوری چھپے سب باتیں سن لی ہیں وہ تمہیں
دھوکہ دے رہے ہیں، گھر میں نئی سازش ہو رہی ہے، تم نے اس مرتبہ پھر سچ
بولنا ہے، وہ قید سے باہر نکلنا چاہتی ہے یہاں سب بد معاش ہیں سودا کیا جا رہا
ہے، تم نے اگر ہاں کی تو میں ریل کی پٹری پر سر رکھ دوں گی پھر کوئی نہیں تجھے بچا
سکے گا، تم بے وقوف ہو تمہیں پتہ نہیں کوئی پوری چھپے عشق کرتی ہے وہ ناپاک
ہے میں نے اس سے بولنا ترک کر دیا ہے، میرے سر میں درد ہے مجھے دورہ نہیں
پڑنے والا ہی ہی ہی..... وہ دھڑام سے کمرے کی دھلیز پر گر گئی ہے، میں
بڑی مشکل سے باہر نکل کر اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہوں، وہ زمین پر چست
لیٹی ہے ٹانگیں اور بازو تشنج سے کھنچے ہوئے ہیں اور دھانے سے نہایت ہی بدبودار

جھاگت رہی ہے۔ ملحقہ کمرے سے کوثر اور ماں بھی باہر نکل آئی ہیں اور تینوں نے اسے بمشکل گھسیٹ کر چار پائی پر ڈالا ہے۔

کمرے میں پھر وہی مہمل خاموشی ہے میرے دل کی دھڑکن کے علاوہ درودیلوار پر اس قدر سکتہ چھایا ہوا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ اور کیوں ہو رہا ہے ؟ مرگ : ایک رد عمل ؟ نہیں ، شادی ایک رد عمل ؟ نہیں ، میں : ایک رد عمل ؟ نہیں ، سب چیزوں کو جل جانا چاہیے ، بھسم ہو جانا چاہیے ، ادھ ، دھمو ، عفریتو ، مجھے پل بھر کے لئے تنہا چھوڑ دو ، میں پھیٹ جاؤں گا ، ایک پل کے لئے تنہا چھوڑ دو ، میں بہت پریشان ہوں ، میں بہت مسمار ہوں


(۱۲)

دن کی بوتل میں بارہ گھنٹے کی قید کے بعد رات کا جن بڑی تیزی سے باہر نکلتا ہے، یہی جن میرا خوف ہے، جس سے یک نخت میرا جسمانی نظام پارہ پارہ ہونے لگتا ہے، کبھی یوں لگتا ہے کہ بایاں بازو ٹل ہو چکا ہے اور دل کا دورہ پڑنے لگا ہے، میں انتظار کرتا ہوں، جب کچھ نہیں ہوتا تو گردن میں اینٹھن اس طرح اٹھتی ہے کہ نظر دھندلا جاتی ہے، سارے بدن میں بے چینی کی لہر پھیل جاتی ہے، اور میں اسی طرح ہانپتا ہانپتا رات کے دوسرے کنارے تک جا پہنچتا ہوں، ہر رات میرے لئے عذاب بن کر آتی ہے، ایک قرض خواہ بن کر کوئی تقاضا کرتی ہے۔ دن اور رات میرے لئے دو جدا گانہ حیثیتوں کے مالک ہیں۔ جب اضطراب حاوی ہو جاتا تو میں اپنے کمرے کی بھیت پر پڑھ کر تاریکی اور روشنی میں ملفوف شہر کو صبح کی پو پھوٹنے تک دیکھتا ہوں، شب باشتی کرنے والے کتنے مصروف ہیں، ریسٹورانوں میں، عشرت گدوں، میں سڑکوں پر، رات کا انتظار کیا جاتا ہے، یہ کایا کلپ ہے، یہ بڑی بے حیا ہے کہ ہر روز زوال آفتاب کے ساتھ اپنی گود میں طرح طرح کے خزانے لئے ہوئے افق پر مٹتی ہوئی نمودار ہوتی ہے، وہ کسی کو کچھ نہیں دیتی ہر ایک سے خراج لیتی ہے۔

صبح ہی سے میرے سارے بدن میں عجیب طرح کی کھدبہ ہو رہی ہے، گزرا ہوا دن کافی مصروف تھا، میں اب کامیابی کے مراحل سے گزر رہا ہوں۔ اس دوران میں تین چار کامیاب شہادتیں دے چکا ہوں اور میں نے اس طرح ان دیکھے واقعات کو قابل یقین طریقے سے بیان کیا کہ سب کو سزا ہو گئی، اس دن میں نے دل بھر کر ہوسکی

پی کیونکہ میں اس رات بچہ پریشان تھا، اس دن میرے پاس کافی پیسے تھے، سارا خرچہ مختلف فریقوں نے اٹھایا تھا، اس رات جب میں نے چوہدری کو اپنی کامیابی کا حال سنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور مجھے تھپکی دے کر کہنے لگا : یار تم اتنے خطرناک نہیں ہو جتنا میں تمہیں سمجھتا رہا ہوں، اس علاقے میں میری دھاک بیٹھ رہی ہے کہ جس کو باندھتا ہوں وہ بچ کر نہیں جاسکتا، بس پروڈیوسر تم پر اس خوشی میں گشت کی پابندی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کی جاتی ہے۔ آج کا دن کافی معروف تھا احمد بھی اب مجھ سے کافی خوش ہے، اس کا مکھن پڑھنے کا سارا کام میں نے سنبھال لیا ہے، میں نے رات کے وقت چوہدری کے گھر آنا جانا بھی شروع کر دیا ہے اور اپنے شکار کو چوہدری کے گھر یا اڈے پر سے ہی قابو کر لیتا ہوں اس طریق کار سے میرا اور احمد کا کاروبار کافی فروغ پر ہے۔

یہ خواہش جبلت سے پیدا ہوتی ہے یا تلذذ سے؟ میں نے کئی مرتبہ اس کے بارے میں غور و خوض کیا ہے لیکن کبھی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا، میں ابھی تک اسے ایک سیدھا سادہ جسمانی عمل سمجھتا رہا ہوں مگر جب کبھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے تو مجھے یہ کافی پیچیدہ عمل محسوس ہوتا ہے۔ اس رد عمل میں ناہید کے سلوک کا بھی کافی دخل ہے، اس کی اور میری دوستی محض اتفاق تھا اور یہ بھی اتفاق تھا کہ ہمارے نظریات میں کسی حد تک مماثلت تھی۔ میں نے کئی مرتبہ جذبات کا اظہار کیا، اس نے کئی مرتبہ جذبات کا اظہار کیا، مگر بات کچھ آگے نہ بڑھی۔ پھر میں نے یہی باور کیا کہ ہر عورت کا ٹھک کی پتل ہے! یہ پٹری آرکٹل معاشرہ ہے، مرد اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے خواہ مخواہ اپنے ساتھ عورت کو گھسیٹ رہا ہے اور میں نے سوچا کہ لذت مرد کے اپنے بدن میں ہے اور وہ عورت کے بدن کو اشتعال کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ایک دن میں نے اپنی جنسی جبلت کو فور سے دیکھ کر اس طرح کچل دیا کہ اس کا وجود

میرے شعور سے اتر گیا اور میں دنیا کے کام کاج میں کھو گیا ، درس و تدریس ، ہنر بازی اور پو پھوٹنے تک اوندھا لیٹ کر کتا ہیں پڑھنا ۔

آج میں نے کسی وجہ کے بغیر اپنے خلاف بغاوت کر دی ہے ، صبح اخبار پڑھتے پڑھتے میں نے ایک سو سالہ سنیا سی کی تصویر دیکھ کر کہا : اس سنیا سی کو کیا سو بھی کہ وقتِ باہ کی خاطر ہمالیہ کی کھوہ میں نصف صدی تک ریاضت کرتا رہا ہے ۔ میں اس باریش سنیا سی کی تصویر دیکھ کر کافی دیر تک ہنستا رہا پھر مجھے معاً خیال آیا کہ کہیں میں ”اٹرونی“ کا شکار تو نہیں ہوں ؟ میں نے ارد گرد کے لوگوں کو اس خواہش کی شدت میں اپنے آپ سے باہر اور حیوانوں سے بدتر دیکھا ہے ، مجھے کیا ہو گیا ہے ؟ واقعی میں بیماری کی لپیٹ میں ہوں ، بدن کے صحت مند حصے نے کمزور حصے کو جھٹک کر کہا : میں بیمار نہیں ہوں ، میرے اعضا میں ناہید کے بدن کے لئے کشش تھی لیکن وہ علمہ اس رشتے سے گریز کرتی رہی ، سیاسی اور فلسفیانہ بحثوں کی آڑ میں اسے چھپاتی رہی ، ایک دن میں نے کسی قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو اس نے کہا : تم حیوان معلوم ہوتے ہو ، میرے سارے بدن پر سن چھا گئی اور اس کے بعد میں نے اس کے ساتھ اس موضوع پر کبھی گفتگو نہ کی ۔ مجھے یوں لگا کہ وہ مجھ سے شادی کا وعدہ چاہتی ہے ، یہ غالباً میری خوش فہمی تھی ، وہ مجھ سے صرف باتیں کرنا چاہتی تھی ۔ میں رد عمل کا شکار رہا ہوں ، میں نے خواہ مخواہ جنسی جبلت سے منہ موڑا ہوا ہے ۔ فرائیڈ احمق ہے کہ خوف اور دہشت میں جنسی خواہش تیز تر ہو جاتی ہے ، میں ایک مکمل ہراس میں ہوں پر میں نے کبھی اس کی تحریک کو شدت سے محسوس نہیں کیا ۔ میرے ساتھ واقعی کچھ گھپلا ہوتا جا رہا ہے ، نہ جانے کیوں کبھی کبھی مجھے جنسی عمل کے تصور سے کسی قدر گھن آنے لگی ہے ۔ تاہم مجھے اپنے آپ سے باہر نکلنا ہے ۔

نصف شب نہ دن ہے نہ رات ، گھر سے باہر نکلنے سے پہلے میں نے وہ سی کی کا

ایک کو اڑ پیا تھا کہ نٹے میں شدت پیدا ہو۔ یہاں ایک دغا سخت ضروری ہے : میں اپنے خوف پر قابو پانا چاہتا ہوں جو بغیر کسی وجہ کے سارے بدن میں سرایت کر گیا ہے۔ ٹھیک نصف شب، بیکراں وسیع رات، ساری کائنات کی ستر پوش رات، نہیں، جذبات کو عریاں کرنے والی رات، عروسی لباس میں چاند کا جھومر پہنے ہوئے رات، ایک بلاوے کی صورت میں تمام ذہنوں کو چاٹ رہی ہے، اکسا رہی ہے، مارتح کی معتدل خنک ہوا دل کے ہر گوشے کو گدگدا رہی ہے، شہر محو خواب، صرف وہی مصروف عمل ہیں جنہیں رات رزق دیتی ہے۔ خلقت نے میرے لئے راستہ چھوڑ دیا ہے، اب میری باری ہے جدھر اور جہاں چاہوں نکل جاؤں اور سڑک پر صبح چلنے والی خلقت کے نقوشیں پا مجھے دیکھتے ہی رہ جائیں کہ روہ بھی باہر نکل آیا ہے جس کے قدموں کے نشانوں میں کوئی قوت نہیں ہے، کوئی استقامت نہیں ہے، یہ منتشر ہیں، بکے ہوئے ہیں، ان کے لیے راستہ چھوڑ دو کہیں شناخت کا قرینہ الجھ نہ جائے، میرے قدموں نے کہا : ہم اپنی شناخت کا کوئی نشان نہیں چھوڑیں گے، ہم گناہ رہنا چاہتے ہیں، ہمیں کسی مقصد کی تلاش نہیں ہے اور نہ ہی ہم کسی تعاقب میں ہیں، غرض مند دیوانہ ہوتا ہے ہمارا کام صرف ایک بدن کو اٹھانا ہے اور بس ! تجھے کدھر جانا ہے ؟ تجھے کس کی تلاش ہے ؟ سوا کی بیٹی ! ایک ایسی بیٹی جو دنیا کے سب سے قدیمی پیشے میں مصروف ہو۔ ایک دوسرے سے بالکل نا آشنا، ایک دوسرے کی حیثیتوں سے نابلد، نہ نفرت نہ محبت، بس ایک ہی خواہش کے رشتے میں پیوست، وعدے اور معاوضے سے ماورا، ایک دوسرے کی طرف کھینچتے جائیں..... یہ کیسے ممکن ہے ؟ میں ایسی دنیا میں ہوں جہاں صرف دولت کی چمک ہے اور میں بھی اس تجربے کی خرید کے لیے شام سے پریشان ہوں۔ طرح طرح کے خدشے ذہن میں منڈلا رہے ہیں، کوئی رشتہ دار عزیز

مجھے کسی عورت کے ساتھ دیکھ نہ لے، کہیں پکڑا نہ جاؤں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں سودا کس طرح کروں گا؟ میں کافی دیر سے باہر نکلا ہوا ہوں۔ سرشام تلاش ضروری تھی، فرض محال مجھے سڑک پر اس وقت کوئی بھولی بسری مل جائے تو اسے کیا کہوں گا؟ اشارہ کروں گا؟ نہیں کیسی مہل حرکت ہے! اسے آواز دوں گا؟ نہیں، اسے الہام تو نہیں ہو سکتا کہ میری ضرورت کیا ہے، اظہار کے ذریعے ہی مدعا کی تکمیل ممکن ہے، اچھا وہ خود ہی سمجھ جائے گی۔ کافی راستہ طے کر چکا ہوں مگر ابھی تک کوئی عورت نظر نہیں آئی، اخباروں اور تقریروں میں فحاشی کا بہت تذکرہ کیا جاتا ہے اگر یہ سب کچھ درست ہے تو کوئی عورت کیوں نہیں نظر آتی؟ صرف اکاؤنٹ کا کارفرما بھرتی ہوئی پاس سے گزر جاتی ہے، بھانت بھانت کی آوازوں والا شہر چپ کے کتے میں ہے، اس وقت صرف دیواروں اور عمارتوں پر چسپاں اشتہار بول رہے ہیں، اوہ، واقعی حالات بڑی سرعت سے بدل رہے ہیں، ان اشتہاروں کی سوچ ایک نئے منظر کی دعوت معلوم ہوتی ہے۔ میں ان اشتہاروں کی آوازوں سے بہت دور نکل گیا ہوں، میرا کوئی نقطہ نظر نہیں ہے، میں کسی کے ساتھ نہیں ہوں، میں نے اب دیکھنا اور سننا بند کر دیا ہے، میں بزدل مفرد ہوں، برٹنڈرسل نے دیت نام کے جنگی جہاز کا ٹرائی بونل قائم کر لیا ہے، وہ کہتا ہے: میں سب کچھ دیکھتے ہوئے خاموشی کے جرم کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا، وہ مجھے بھی اس ٹریبونل کے سامنے پیش کریں گے، وہ مجھے اسی طرح ڈھونڈ لیں گے جس طرح یہودی اپنے نازی قاتلوں کو درافتادہ علاقوں سے ڈھونڈ کر اغوا کرتے ہیں، میرے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا، صرف یہی کہہ سکوں گا: میں بھی بہت کچھ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کچھ بھی نہیں کر سکا، میں جواز پیش نہیں کروں گا، میں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا، جو کچھ نہیں کر سکا وہ میں نے نہیں کرنا تھا، نہ کر سکنے کی خالص محض حماقت ہے۔

میرا سر پہلے سے زیادہ بوجھل ہے، آنکھوں کی پتلیاں پھسلتی جا رہی ہیں، اندھیرے میں سے نکلتی ہوئی روشنیاں پل بھر میں اندھیرا بن جاتی ہیں اور پھر قدم اتنے بھاری ہو جاتے ہیں کہ اٹھاتے ہوئے بھی نہیں اٹھتے۔ ذہن ایک پاتال کی طرح خالی ہے۔ بدن مزید سفر کی حمایت میں نہیں ہے اور میں فٹ پاتھ کے ساتھ لگی ہوئی رینگ پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھ گیا ہوں۔ ادھر، یہ کار میری طرف رینگتی رینگتی کیوں آرہی ہے؟ یہ روشنیاں بند کر دو، یہ چمک دار آنکھیں مجھے اندھا کر دیں گی، میں نے چیخ کر کہا ہے اور کچھ دیر کے بعد ان آنکھوں کی بینائی آہستہ آہستہ ختم ہو گئی ہے: تم ہندب ٹھری ہو! میں نے زیر لب کار کے ڈرائیور کو ہدیہ تحسین پیش کیا ہے، کار کے اندر بھی اندھیرا ہے اور باہر بھی اندھیرا ہے۔ پروفیسر! کسی نے مجھے آواز دی ہے۔ یہ کوئی میرا شناسا ہے، میں نے لڑکھڑاتے ہوئے دہاں سے اٹھنے کی کوشش کی ہے ٹھہرو میں وہیں سہم گیا ہوں، کوئی میری تاک میں ہے، دشمن لگتا ہے ادھر آؤ یہ کوئی نسوانی آواز ہے، لیکن میں پروفیسر نہیں ہوں، میں وہ نہیں ہوں، یہ بھولی بسری آوازیں ہیں، میں کسی آواز کے تعاقب میں نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی آواز میری تلاش میں ہے۔ ایک دم کار کی روشنیاں جل اٹھی ہیں، میں ہڑبڑا کر رینگ سے نیچے اتر آیا ہوں۔ ادھر آؤ، ادھر آؤ، میں ناہید ہوں، میں نے تمہیں پہچان لیا ہے، تم اس گھنی داڑھی کے پیچھے بھی نہیں چھپ سکتے۔ اس کے دونوں ہاتھ کار کے سیٹرنگ پر ہیں، اور میرے جواب کی منتظر ہے، میں نے کار کی جانب قدم بڑھائے ہیں، اس نے ایک ہاتھ سے کار کا دروازہ کھول دیا ہے۔ میں کچھ کہے بغیر قدم سنبھالتا ہوا اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا ہوں اور پھر نصف ٹھٹھری رات میں سوئے ہوئے شہر کی دیران سڑکوں پر کار فرائٹے بھرنے لگی ہے۔ اس نے نہ سوال کیا ہے اور نہ میں نے ہی کوئی جواب دیا ہے۔ کار کے اندر میرے سانس میں رچی ہوئی دھسکی کی بو سے اس کے چہرے پر اضطراب،

نا پسندیدگی اور ملامت ہے۔ تم ہوش میں ہو؟ ہاں، میں نے بے دلی سے بالکل سپاٹ ذہن سے جواب دیا ہے۔ کار دھچکے سے ایک بند ہوتی ہوئی کافی بار کے سامنے رکھی ہے۔ اس نے کافی کا آڈر اشارے سے دیا ہے اور ایک سوتا جاگتا ہوا بیرا برآمدے میں ایک کاڈنٹر پر رکھے ہوئے پرکویٹر میں کافی بنانے لگا ہے۔ میں اس بڑھتی ہوئی خاموشی سے خائف ہوں، ناہید کی اچانک اور اتفاقی ملاقات کچھ بے معانی سی لگتی ہے، کوئی قدر مشترک بھی نہیں رہی ہے جیسے میرے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، اس کے پاس شاید کچھ ہو لیکن مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، بیتی باتوں کو کیونکر دوہرایا جاسکتا ہے، ہر واقعہ زندگی کی کمان سے نکلا ہوا ایک تیر ہے۔ تم نے یہ داڑھی کب سے رکھ لی ہے؟ کچھ پتہ نہیں! تم آج کل کیا کر رہے ہو؟ شاید کچھ نہیں، اور شاید کچھ —، وہ ایک دم ہنسنے لگی ہے تم ابھی تک وہی ہو ہاں تم میری شادی پر کیوں نہیں آئے تھے؟ بولو۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بیرا کافی لے آیا ہے اور اس نے کافی کا ایک پیار مجھے دیا ہے۔ کافی کے چند گھونٹوں سے ذہن کچھ ٹھکانے لگ رہا ہے، نگاہوں میں ابہام کی بجائے وضاحت کی روشنی بھانکنے لگی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی ناہید کی رفاقت کچھ بے کیف سی ہے، شاید اس لئے کہ ہمارے درمیان کا لمحہ گزر چکا ہے۔ دیکھو، دیکھو ہم کیا سے کیا ہو گئے ہیں؟ اور نہ جانے کیا ہو جائیں گے؟ تمہارا اس وقت مناسب کیا اتفاق ہے، تم بولتے کیوں نہیں؟ مجھے پتہ ہے تم ناراض ہو، میں نے تمہارے لئے ڈیڈی کو رضا مند کرنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن وہ پردیسر سے میری شادی نہیں کرنا چاہتے تھے، میں بالکل بے تصور ہوں، مجھے معاف کر دو! مجھے خاموش دیکھ کر اس نے کار بھر تیزی سے سٹارٹ کی ہے اور کسی منزل کے بغیر شہر کی مختلف سڑکوں پر یہ سیاہ رنگ

کی کار گھوم رہی ہے۔ ناہید تمہارا میاں کہ صبر ہے؟ جہنم میں، وہ ڈیڈی کی دولت کے چکر میں تھا، اس وقت غالباً روم میں ہے، سنا ہے اس نے دہاں ایک اور شادی کر لی ہے اور میں اپنے بیمار ڈیڈی کی عیادت کرنے پر مہمور ہوں۔ اس کی واپسی؟ نہ ہو تو اچھا ہے میں نے اس کے والدین کو ڈیڈی کی مرضی کے بغیر طلاق کا نوٹس دے دیا ہے، میں اب تنہا رہنا چاہتی ہوں، کسی سہارے اور کسی امید کے بغیر، اور یہی فلسفہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اس نے کار کو یک لخت بریک لگائی ہے۔ اوہ، رات کے دو بجے ہیں، اچھا ناہید پھر ملیں گے۔ یہ کیسے ہوا کہ کار میں اتنی دیر گھوم پھرنے کے بعد میں اسی رینگ کے پاس کھڑا ہوں جہاں سے میں کار میں سوار ہوا تھا۔ ناہید نے مجھے دھتکار دیا تھا، میں نے اس کا بدلہ نہیں لیا، وہ میرے مسائل میری ذات کے حوالے سے بہت دور رہ گئی ہے۔ آج رات میں جس کی تلاش میں ہوں وہ خود بخود میرے پاس آگئی، لیکن میرے اندر رغبت پیدا نہ ہو سکی۔ میری شخصیت ہرگز پیچیدہ نہیں ہے، میں کسی ذمہ داری کے بغیر آزاد رہنا چاہتا ہوں! کسی طرح کی حامی بھرنا نئے وبال کو دعوت دینا ہے۔ میرا بدن ابھی تھکاوٹ سے چکنا چور نہیں ہوا ہے، وہ سکی کا نشہ ہلکے سے خمار میں تبدیل ہو گیا ہے اور سر کو ایک انجانے درد نے جکڑ لیا ہے، اس وقت گھر چلا جاؤں تو بہتر ہے، لیکن دہاں جا کر کیا کروں گا؟ نیند سے بہتر جاگنا ہے، دہمموں کی گرفت میں آنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس سڑک پر کسی گشت پارٹی سے ٹکھیر نہیں ہوگی، یوں بھی اب میری شناخت مشکل ہو چکی ہے، علیہ بدل گیا ہے، میں جاننے والوں کے حافطے سے اتر چکا ہوں، مجھے اس رات کے سفر پر جانا ہے، اس رات کی انتہا تک پہنچنا ہے، جہاں رات دن میں تبدیل ہو جائے، یہ لالینت نہیں ہے، لالینت کے احساس سے زندگی

کا آغاز ہوتا ہے ! انسان کے طور پر اتنا مجرم نہیں ہوں، میں نے نہ اس زندگی کو شروع کیا ہے اور نہ ہی اسے کسی منطقی یا غیر منطقی انجام تک پہنچانے کا اہل ہوں، میں اسے صرف بسر کر سکتا ہوں، اس کی شرائط میری بجائے وہ لوگ متعین کرتے ہیں جو میرے افعال کے محرک ہیں۔ اس علاقے کو اس شہر کا مولاں روڈ تو نہیں کہا جاسکتا تاہم اس میں کچھ ناقابل فہم سا کاروبار چلتا ہے۔ رات کی خنکی میں میٹون روڈ شیوں میں چمکتے ہوئے اشتہار بے تکے سے ہیں، بڑے بڑے کینوس کے بورڈوں پر، میرا بلیکیا، مولا جٹ، جیرا بلیڈ، کر فیو پاس، مجرم اور نہ جانے کیا کچھ لکھا ہے، جو کچھ بھی یہ ہے وہ ایک نئے "ڈنگر کلپر" کی موجودگی کا اعلان کرتے ہیں، سڑک پر اکاؤنٹ ڈکالٹیفک ہے، بنلی مشکوک گلیاں جو شام کو چلتے چلتے ایک دم غائب ہو جاتی ہیں۔ روشنی اور سائے میں بٹی ہوئی ہیں۔ یہاں ایک رات میں لب سڑک کھڑے کھڑے فلمیں مکمل ہو کر پنجاب اور فریئر کے سرکٹ میں فروخت ہوتی ہیں، متصل سے بھاگی ہوئی دو شیرائیں ایک ہی رات میں ہیروئین بنتی بنتی چمکے میں جا بیٹھتی ہیں یہاں پر ایک ایکسٹرا اسپلاٹ کا دفتر ہے جہاں عورت کے علاوہ جملہ منشیات بھی مل جاتی ہیں۔ آج کی رات یہ دفتر بھی بند ہے۔ برہمچاری رہنا انکار ذات کا فلسفہ ہے : بالو کہہ رہا ہے ؟ پاس سے گزرتے ہوئے ایک موٹے سے ٹانگہ بان نے پوچھا ہے : جہاں تم لے چلو سر میں معلوم ہوتے ہو۔ نہیں مجھے خود نہیں پتہ کہ مجھے کہاں جانا ہے ؟ شاعر ہو ؟ نہیں پھر کہاں جانا چاہتے ہو ؟ میرا کام تو لے جانا ہے منزل سواری بتاتی ہے۔ تمہیں کرائے سے غرض ہے جہاں تمہارا گھوڑا تھک جائے منہ مانگا کرایہ لے لینا۔ نہیں بالو جہاں میرا گھوڑا رک جائے وہاں اتر جانا، منظور ہے، چل اوٹے شیر دے

پتر، اس نے پوری قوت کے ساتھ گھوڑے کو چابک رسید کیا ہے اور وہ سرپٹ بھاگنے لگا ہے، ارد گرد کے کچھے، درخت اور مکان بڑی تیزی سے بھاگ رہے ہیں، میرا ذہن ان سے بہت آگے نکلنے کی کوشش میں ہے..... آج میری شب زفات ہے..... اس شہر کی سب عورتیں کہاں چھپ گئی ہیں؟ انگریزوں کا پرانا گیت ہے کہ ہر مرد کے لیے ایک عورت بنی ہے، میری عورت کہاں ہے؟ کس ستر میں چھپی ہے؟ اے شہروں کے شہر اس عورت کو اپنے پیٹ سے باہر نکال جو میرے لئے بنی ہے میں اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتا، باجیا عورتوں کو اس دقت تاریکی کے گھونگھٹ سے باہر نکلتے ہوئے شرم آتی ہے اور میں بھی باجیا عورتوں سے شرم محسوس کرتا ہوں، وہ کہاں ہے جس کا تخم میرے ساتھ ڈالا گیا تھا؟ میں انکار کی صورت میں بپھر جاؤں گا اور نابالغوں کے لئے قہر بن جاؤں گا! اوہ، امام غزالی! واقعی انسان غلیظ پانی کی پیدائش ہے اور اسے کیمیا ئے سعادت عبادت کے بعد بھی حاصل نہیں ہو سکتی کہ وہ بنیادی طور پر غاصب ہے، اے بزرگ دبرتر امام! اس شہر کے لوگوں نے میرا حق نصب کیا ہے اسی لئے یہ نا اتفاقی اور ہوس کا شکار ہو کر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پر مجبور ہیں۔ تانگہ چلتے چلتے رک گیا ہے، لو بابو، میرا اکیل یہیں رک گیا ہے! یہ کونسی جگہ ہے؟ لالہ! آنکھیں کھول کر دیکھو! وہ تم مجھے یہاں کیوں لے آئے؟ کسی نے دیکھ لیا! لالہ! دیکھ لیا! لالہ، میرا اور میرے گھوڑے کا گھر یہیں ہے میں اسی آبادی میں رہتا ہوں لیکن دلالی نہیں کرتا۔ میں نے یہ کب کہا ہے؟ تم جس دقت تانگے میں سوار ہوئے تھے میں اسی دقت سمجھ گیا تھا، ہر تانگے والا دلال نہیں ہوتا۔ یہ نو دس روپے اور میری جان چھوڑو۔

میری ساری نیند اور نشہ ہرن ہو چکا ہے، ڈر ہے کہیں کوئی دیکھ نہ لے،

ڈر ہے کہیں گشت پارٹی سے بڑھ بیٹرنہ ہو جائے، ابھی تک میرے متہ میں اس کی بورچی ہوئی ہے، چاروں طرف تنگ و تاریک سنان گلیاں اور ہیبت ناک خاموشی ہے! تمام چہل پہل مددوم ہو چکی ہے، تانگو ٹینڈ بھی بالکل دیران ہے، کسی کسی جھروکے میں سے روشنی آ رہی ہے، سامنے کے مکان سے ایک ہارمونیم کی تھکی ہوئی آواز نہایت ہی پرانے گانے کی دھن الاپ رہی ہے، چوک میں واقعہ سینما کا آخری شو بھی ختم ہو چکا ہے۔ اس سارے بازار میں جو بے شمار گلیوں پر مشتمل ہے، چائے کا صرف ایک ہوٹل کھلا ہے۔ جب سے نیا قانون بنا ہے اس علاقے کی رونق اجڑ گئی ہے اب یہاں صرف سنگنگ گریڈ کی صدا ہی سنائی دیتی ہے۔ مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے، اس وقت یہاں پھرنا کسی طرح خطرے سے خالی نہیں ہے دیے بھی مجھے یہاں کی عورت نہیں چاہیے ہے، وہ حرامزادہ تانگے والا مجھے دھوکے سے یہاں لے آیا ہے۔ اس وقت یہ بازار بند کیوں ہے؟ اسے تو صبح کے وقت بند ہونا چاہیے تھا، غالباً آج شہر میں کسی کو شہوت نہیں آئی، شاید ضبط نفس سے کام لیا جا رہا ہے، کل ایک مقدمہ بھگتے آئی تھی، احمد کے اڈے پر بیٹھی اپنے پیٹے کے زوال کا ماتم کر رہی تھی کہ اب یہ دھندل شریفوں نے بھی شروع کر دیا ہے، اب تو سارا شہر چکلا بنا ہوا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں احمد کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، گھر سے باہر نکلنے سے پہلے پل کے لئے ذہن میں یہ بات آئی تھی مگر میں نے اس تجویز کو رد کر دیا کہ یہ اتنا ہی شخصی اور ذاتی معاملہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے صلاح مشورے کی گنجائش نہیں ہے۔ میں اسی سوچ میں کئی گیلیوں کا طواف کر چکا ہوں، اب مجھے واپس چلنا چاہیے، جیب میں تین چار سو روپے ہیں۔ یہ سامنے اندھیرے میں کوئی سرک رہا ہے، گلی کے موڑ پر بھاری قدموں کی چاپ اٹھی ہے، اندھیرے میں بجلی کی طرح ایک نامعلوم سایہ میری طرف آگے بڑھا

ہے اور ایک دم بازو سے پکڑ کر ایک گھر کے ادھ کھلے دروازے کی لے جا رہا ہے :

ریڈ ہو گیا، ریڈ ہو گیا، بابو اندر آ جاؤ، وہ سامنے گشت پارٹی آ رہی ہے۔ اس نے تجھے ایک خستہ سے مکان میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے اور باہر سے مدھم سی آواز دی ہے : حنیفاں بابو آیا ہے۔ خستہ مکان کی ڈیوڑھی کے آگے ایک پھوٹا سا دلان ہے جس کی پچھل طرف ایک بڑے سے کمرے میں نہایت ہی مدھم روشنی جل رہی ہے، نامعلوم شخص کی آواز سن کر ایک فریب بدن ادھیڑ عمر عورت جھائیاں لیتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی ہے : اندر آ جاؤ، لیکن میں تو یہاں یہاں سب یہی کہتے ہیں، وہ بے پروائی سے جواب دے کر پلنگ پر بیٹھ گئی ہے اور میں پاس کھڑا کمرے کا جائزہ لے رہا ہوں ؟ ایک لمبے کمرے کو میلے سفید رنگ کے پردے کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے کمرے کے اس حصے کی کل کائنات ایک بوسیدہ سے پلنگ اور کرسی پر مشتمل ہے، پردے کے پیچھے بڑے حبیب خراٹوں کی آواز آ رہی ہے۔ دروازہ باہر سے بند کیوں کیا گیا ہے ؟ ریڈ ہے گھبراؤ نہیں ہم چوراچکے نہیں ہیں صرف محنت کی کھاتے ہیں، جعفر باہر پہرہ دے رہا ہے، یہ کون ہے ؟ میرا بھائی ہے، بابو تیس روپے میں ٹھہرو گے ؟ دوسری مرتبہ کے پانچ روپے ! میں نے کوئی جواب دینے بغیر پنتیس روپے اس کے سر ہانے رکھ دیئے ہیں، اس نے جلدی سے نوٹ گن کر تیس روپے نیکیے کے نیچے رکھ دیئے ہیں اور پانچ روپے کا نوٹ انگلیا میں اڑس لیا ہے : ہی ہی، یہ پانچ روپے میرے ہیں، یہ سارے تمہارے ہیں ! وہ تمہارے جاتے ہی سارے روپے مجھ سے چھین لے گا، تم کب سے یہ دھندا کر رہی ہو ؟ جب سے خواہی ہو ! تم یہ کام چھوڑ کیوں نہیں دیتی ؟ ہر ایک یہی صلاح دیتا اور میں ہر ایک کو اپنی مصیبت کی جھوٹی کہانی سناتی ہوں۔ کمرے میں خاموشی ہے پردے کی

دوسری طرف سے خراٹوں کی آواز کس قدر مدہم ہو گئی ہے۔ اس کا شکن در شکن بدن مکر رہے ہیں آمادگی کے لئے ذہن کی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کرنے کی کوشش میں ہوں لیکن ایک عجیب طرح کا خلا جنم لے رہا ہے۔ میں نے ایک دو مرتبہ ذہن کو جھٹکا ہے، سارے بدن میں چیونٹیاں رینگ رہی ہیں، میں تمام نگلی تصویروں کو تصور میں لا کر بھی اپنے آپ کو مشتعل کرنے میں ناکام رہا ہوں.....

..... نہیں مجھے تو ہرگز عورت کی خواہش نہیں ہے خواجواہ مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ باہر سے کسی نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا ہے : اندر کون ہے؟ دروازہ کھولو، کوئی نہیں ہے میں اکیلی ہوں۔ حنیقاں نے چیخ کر میری طرف دیکھ کر جواب دیا ہے۔ یہ کون ہے؟ میں نے سرگوشی میں پوچھا ہے۔ آج ریڈ لگا ہوا ہے۔ میں کچھ نہیں کرنا چاہتا دروازہ کھولو، تو یہاں جھک مارنے آئے ہوئے؟ حرامزادی، میں نے چیخ کر اسے گالی دی ہے اور نمکڑ میں چنگیر میں رکھی ہوئی بسری کاٹنے والی چھری کو پک کر اٹھا لیا ہے، میری آنکھوں کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور سارا بدن آگ کی طرح جل رہا ہے : بچاؤ بچاؤ وہ پلنگ سے اٹھ کر باہر دروازے کی طرف لپکی ہے، پردے کے پیچھے سے ایک مشنڈے آدمی نے مجھے پیچھے سے پکڑ لیا ہے، ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا ہے اور وہی شخص جو مجھے باہر سے اندر لایا تھا وہ میری طرف لپکا ہے : جعفر، تم، ہاں دے کے بچے! مجھے چند نامعلوم ہاتھوں نے گیند کی طرح اچھال کر باہر گلی میں پھینک دیا ہے اور دھب سے مکان کا دروازہ بند ہو گیا ہے، چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ میرا سارا بدن شکستہ اور چور چور ہے، بڑی مشکل سے اٹھ کر راستہ ٹھول رہا ہوں، آف، میرے ناک سے لہو بہہ رہا ہے، مجھے اپنی کمزوری کی سزا ملی ہے۔ بمشکل اندھلی گلی سے باہر نکلا ہوں کہ دو نامعلوم افراد نے میرا

راستہ روک لیا ہے : یہاں کیا کر رہے ہو؟ ایک دوست سے ملنے آیا تھا !
 دوست سے یا اپنی ماں سے ملو، اسے آوارہ گردی میں اندر بند کرو، اس
 کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے، تم مجھے نہیں جانتے؟ یہاں کوئی کسی کو
 نہیں جانتا ! میں تم لوگوں کا امدادی ہوں، پوچھری کا خاص آدمی ہوں، یہ علاقہ
 اس کا نہیں، تم جس کے طفیلے ہو، ہمیں اس سے کیا؟ لے چلو یہ زیادہ بکواس
 کر رہا ہے کافی دنوں سے کارروائی کا خانہ خالی جا رہا ہے !

(۱۳)

السلام علیکم ، ایک خوش پوش نوجوان نے بوسیدہ سی میز کے آگے بیٹھے ہوئے ایک فریبہ اندام موچھیل کو سلام کیا ہے مگر اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے پاس رکھے ہوئے لوہے کے لمبو ترے سے گلاس سے سی کا آخری گھونٹ پی کر بیل کی طرح ڈکار کر مونچھوں کو اٹے ہاتھ سے صاف کر کے اطمینان کا سانس لیا ہے ، اس نے سوتے کے ایک دو کٹل لینے کے بعد زور سے آواز دی ہے : محمد دین ، یس سر ، ایک دھوتی میں ملبوس مشنڈے نے جواب دیا ہے ، پور کے بچے چلم بھر کر لا۔ یس سر۔ وہ مسکراتا ہوا سوتے پر سے چلم اٹھا کر چلا گیا ہے۔

بنجاب..... خوش پوش شخص نے موچھیل کو دوبارہ اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس کی توجہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ خوش پوش شخص غصیلے بیل کی طرح بوٹوں سے زمین کرید رہا ہے لیکن کچھ اور کہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اپنی طرف وہ اسے متوجہ کرنے کے لئے کوئی حربہ اختیار کرنے والا ہے کہ میز پر رکھا ہوا ٹیلیفون بجھنے لگا ہے : یس سر میں محرر بول رہا ہوں ، جی چوہدری صاحب علاقے میں گئے ہوئے ہیں ، صرف اس وقت میں اکیلا ڈیوٹی پر ہوں..... اس نے ٹیلیفون کا ریسپور زور سے واپس رکھا ہے : علاقہ.....

سارا دن بیگاریں ، ہم کوئی چوبیس گھنٹے کے ملازم ہیں ، ان کے باپ کے خزانے سے خیرات لیتے ہیں ، فریبہ اندام موچھیل پھر سامنے پھیلائے ہوئے کاغذوں کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور پاس کھڑا خوش پوش بیزاری سے اباٹیاں لے رہا ہے :

جناب میرے گھر چوری ہو گئی ہے۔ میں کیا کروں؟ روز چوریاں ہوتی ہیں پہلے خود چوریاں کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم چوریاں کراتے ہیں۔ جناب میں ابتدائی رپورٹ لکھانے آیا ہوں۔ ہر رپورٹ ابتدائی ہوتی ہے اور ہر ابتدائی رپورٹ آخری ہوتی ہے، تم کل آنا۔ لیکن کل تک چور کہیں نکل جائیں گے۔ میں نے ان کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ رپورٹ لکھنا آپ کا فرض ہے۔ تیری ایسی کی تیری میں خود قانون ہوں۔ جناب میں پڑا لکھا آدمی ہوں میرے ساتھ بہتر سلوک کیا جانا چاہیے، یہاں ٹریفیوں کا کوئی کام نہیں ہے۔ میں اس کی اطلاع اوپر کر دوں گا۔ منشی جی۔ یس سر اس پڑھے لکھے بالو کو بند کر دو۔ یس سر۔ خبردار کسی نے مجھے ہاتھ لگایا۔ منشی اس پر برآمدگی ڈال دو۔ منشی اس کی طرف آگے بڑھا ہے لیکن خوش پوش غصے سے باہر نکل گیا ہے۔

میں گزشتہ دو دنوں سے چوہدری کے بلواسے پر ہر شام آ جاتا ہوں اور رات گئے تک انتظار کے بعد چلا جاتا ہوں، وہ بد بخت نہ جانے کس کار میں مصروف ہے کہ جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ کچھ دیر پہلے دو دھوقی پوش سرگوشیوں میں ہنس رہے تھے کہ چوہدری بھی سب کو اُتو بناتا ہے، وہ روانگی ڈال کر اپنے گاؤں گیا، ہوا ہے۔ وہ مجھے خواجہ خواجہ خوار کرنا چاہتا ہے، سارا دن اس چار دیواری میں گاہکوں کے انتظار میں بیٹھنا اور پھر کسی مقصد کے بغیر چوہدری کا انتظار کرنا عذاب ہے، میں نے بیٹھے بیٹھائے مصیبت جھیل لی ہے، کوئی اور دھندا کر لینا چاہیے تھا، اپنے آپ کو لعن طعن کرنے سے کیا فائدہ اور کون سا دھندہ مل گیا تھا؟ چھ سات مہینوں کی بیکاری کے بعد یہ مصروفیت اگرچہ برائے نام ہی ہے لیکن پھر بھی اتنی بُری نہیں۔ دن بھر مختلف قسم کی درخواستیں لکھتا ہوں، سائل کو گھیر کر لانا احمد کا کام ہے، قلم میں چلاتا ہوں، دس پندرہ روز ہو جاتے ہیں۔ میں مصیبت کے مارے لوگوں کو خواجہ صاحب

کی مہارت کی اطلاع دیتا ہوں، جسے میں نے ابھی تک دیکھا نہیں ہے۔ میں نے ایک دو مرتبہ خواجہ صاحب سے ملاقات کے لئے کہا تو احمد بڑی صفائی سے ٹال گیا تھا۔ میں نے اس چار دیواری میں ان چھپر کھٹوں کے نیچے دوسرے بیٹھنے والوں سے سنا ہے کہ خواجہ صاحب کا وجود مشکوک ہے، مجھے اس سے کیا؟ مجھے اپنے کام اور اس سے پیدا شدہ رقم سے غرض ہے۔ رقم کہاں سے اور کس طرح آتی ہے اس سے مجھے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

چوہدری غالباً آج بھی نہیں آئے گا، گوڈو نہیں آیا تھا لیکن چوہدری ضرور آئے گا۔ شام ہو گئی ہے، قرب اندام موچھیل اندھیرے اور سردی سے محفوظ رہنے کے لئے برآمدے میں چلا گیا ہے اور وہاں میز کرسی بچھو کر پھر کام میں مصروف ہے، میں اس وقت اس چار دیواری کے ایک گوشے میں ایک لوٹے ہوئے پنج پر بیٹھا انتظار میں ہوں، دو تین مرتبہ دھوتی پوش مجھ سے وہاں بیٹھنے کی وجہ پوچھ چکا ہے میں اسے بتا چکا کہ مجھے چوہدری نے بلایا ہے مگر اسے یقین نہیں آیا۔ اس چار دیواری سے متعلق ایک شخص مجھے باہر نکالنے لگا ہے، میں نے تیزی سے کہا ہے کہ میں بلانے پر آیا ہوں اس لئے بغیر طے باہر نہیں جاسکتا۔ اس چار دیواری کے اندر ایک ویرانی اور سفاکی ہے، تینوں طرت فرسودہ برآمدے اور ان کے عقب میں کوٹھری نما کمرے ہیں جن میں کہیں لالٹین اور کہیں پندرہ نمبر کے بلب جل رہے ہیں، چوتھی طرف محراب کے نیچے ایک مضبوط سا آہنی دروازہ ہے جس کے عقب میں چار کوٹھریاں ہیں جن میں بے شمار اشخاص بندروں کی طرح جنگلوں سے چپکے ہوئے باہر کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ چار دیواری کا صحن کباڑ خانہ ہے، کہیں شراب کشید کرنے کی بھٹی پڑی ہوئی ہے، کہیں سیبا پھیلا ہوا ہے اور کہیں گندم کی بوریاں بکھری ہوئی ہیں، کہیں رنگ آلود گزڑ ہیں اور کہیں لالٹنیوں کے سٹھے، یہاں ہر چیز افراتفری میں پھینکی گئی ہے۔ وسطی

دردازے کے سامنے برآمدے کے پیچھے ایک کمرے میں سرشام ٹیوب لائٹ جل رہی ہے، یہ غالباً چوہدری کی کچھار ہے، اس چار دیواری کے اندر بے ترتیبی اور کھنگلی ہے، دیواروں پر چارٹ اور لکڑی کے تختوں پر گوشوارے بھی ہوئی سفید سیاہی سے نکھے ہوئے ہیں جن کو پڑ کرنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔ چار دیواری کے مختلف کمروں میں دھوتی پوش چارپائیوں پر بیٹھے سامنے کاغذ رکھے بظاہر کسی کام میں مصروف دکھائی دیتے ہیں، باہر کے لوگ ان کے پاس کچھ کچھ وقفوں کے بعد آتے ہیں، کبھی سکرار اور کبھی تہقے بلند ہوتے ہیں، پھر کبھی کوئی دھوتی پوش کسی نووارد کو صحن کے ایک گوشے میں لے جاتا ہے، کچھ کھڑکھڑاتی ہوئی ہے اور فریقین چہروں پر اعتماد کی سُرخی لے کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یہ عمارت بوسیدہ ہے لیکن ضرورت کے پیش نظر اسے اہتمام میں لانے پر مجبور کیا گیا ہے، وہ موچیل جو باہر بیٹھا ہے اب اپنی میز سمیت بڑے بڑے برآمدے میں مصروف کار ہے، اس نے ایک پل کے لئے کاغذات سے نظر اٹھائی ہے اور چیخنے لگا ہے: اُدے کس کا کھانا ہے؟ مرکزی دروازے کے پاس ایک منحنی سے شخص نے پینل کا ٹفن کیریئر چھپاتے ہوئے قدرے خوف زدہ آواز میں جواب دیا ہے: حمیدے کا ہے۔ بہن چود، باپ سے کھانے کی اجازت لی ہے! یہ کہہ کر موچیل تہہ بند کتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا ہے اور اس کے پیچھے اسی حلیے کے دو شخص بطور امدادی ساتھ ہوئے ہیں۔ دتے کے بچے، میرے باپ کو بے عزت نہ کر، تیری آنتیں نکال لوں گا، جنگلے والی کوٹھڑی میں سے ایک شخص لٹک رہا ہے، موچیل کے دونوں ساتھی ٹفن کیریئر بردار پر جھپٹے ہیں اور آنا فانا کھانا باہر نکال کر حسرت سے اسے دیکھنے لگے ہیں۔ نکالو باہر۔ موچیل نے چار دیواری میں موجود غلے کے دوسرے اشارہ کو اشارہ کیا ہے اور چند لمحوں میں پانچ سات مشنڈے لائٹوں اور بید سنبھالے ہوئے جنگلے والی کوٹھڑی میں داخل ہوئے ہیں

اور ایک کڑیل نوجوان کو بالوں سے گھیسٹے ہوئے باہر نکال لائے ہیں، ٹفن کیریہ بردار چیخ اٹھا ہے : خدا کا واسطہ ہے اسے کچھ نہ کہو، حمیدے معافی مانگ، نہیں لالہ تو یہاں سے چلا جا میں ظالموں سے معافی نہیں مانگوں گا، محلے کے ایک فرد نے کھینچ کر ایک بید حمیدے کے باپ کو مارا ہے جو چیختا ہوا باہر نکل گیا ہے، خبردار میرے لالے کو مارا میں اس کا بدلہ لوں گا، حمید اپنے آپ کو پانچ چھ افراد کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش میں مصروف ہے، میرے دیکھتے ہی دیکھتے محلے کے آدمیوں نے حمیدے کو بیدوں اور ڈنڈوں سے اس قدر مارا ہے کہ وہ لہو میں تدرت ہونے کے باوجود گایاں بک رہا ہے لیکن وہ ایک ناقابل شکست چٹان کی طرح سینہ کھولے ہوئے ہے، کچھ دیر کے بعد اس کی آنکھیں باہر نکل آئی ہیں اور گردن ڈھیلی ہو کر ایک طرف ٹٹک گئی ہے۔ دلا مر گیا ہے؟ مرنے دو اسے ہمارے ساتھ مکر لینا ہے۔ کہیں مصیبت نہ پڑ جائے؟ کوئی بات نہیں اقدام خود کشی کی کوشش ہے، کاغذوں کا پیٹ بھر دو کہ وہ باہر نکلنے کے لئے سٹور چار رہا تھا انکار پر سلاخوں کے ساتھ مکریں مارنے لگا، منشی بڑے چلتر ہو، موچھیل تے منشی کو ہنستے ہوئے آنکھ ماری ہے اور تہہ بند کے اندر ہاتھ ڈال کر کھجاتا ہوا واپس اپنی جگہ پر برآمدے کے نیچے چلا گیا ہے، اور پھر ٹیلیفون بجنے لگا ہے مجھے اپنی بے بسی پر رونا آ رہا ہے کہ میرا لالہ مجھے یہاں لے آیا ہے، میں اگر انکار کر دیتا تو وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ مجھے دراصل زیادہ رقم کی ضرورت ہے ایک طرف بینک کا چکر بے دوسری طرف گھر ملیو اخراجات کا بڑھتا ہوا سیلاب ہے کہ روکے نہیں رکتا، رکے بھی کیسے؟ پیٹ کو گانٹھ نہیں دی جاسکتی، اگر دی بھی جاسکے تو کیوں دی جائے؟ کوڑ کی شادی اور رضیہ کا علاج یہ تمام مسائل بغیر پیسے کے طے نہیں ہو سکتے۔ مجھے چند سال محنت اور صبر سے کام لینا ہے، میں ان تمام ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر پھر اپنی

مرضی کی زندگی کی بسر کروں گا، ہو سکتا ہے کہ حالات مجھے اس کی مہلت نہ دیں تاہم میں اس کے لئے کوشش کروں گا، ایسا کرنے میں کیا ہرج ہے؟ ادہ، پوہدری کے بچے کہاں دفعہ ہو گیا ہے میں تو صبر کے ساتھ تمہارا انتظار کر رہا ہوں، کدھر ہو تم؟ میں تمہارا اور اپنا سزا یافتہ ہوں!

موچھیل دھوتی پوش میز پر اذنگھنے لگا ہے، غالباً رات کے دس بجے ہیں اور خنکی کی چادر پھیلتی جا رہی ہے، صحن میں چاروں طرف مدہم تیرگی ہے صرف برآمدوں میں روشنی ہے اس چار دیواری میں آمدورفت کافی کم ہو چکی ہے، کچھ دیر سے کوئی نیا شخص اس چار دیواری میں نہیں آیا ہے اس کا مطلب ہے شہر میں کسی قدر سکون ہے اور سب راہ راست کی طرف راغب ہیں یا جراثیم کے ارتکاب کے بعد یہاں اطلاعات دینا بھول گئے ہیں۔ ایک لمبا ٹرنگا شخص تاریکی میں سے نمودار ہو کر موچھیل کی میز کے سامنے کھڑا ہے اور موچھیل ایک دم گھبرا کر اپنی کرسی سے اٹھا ہے: آئیے ملک جی کیسے آنا ہوا؟ پوہدری کہاں ہے؟ بیٹھے، وہ باہر کام سے گئے ہونے ہیں۔ وہ کب آئے گا؟ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ سنو، اسے میرا پیغام دے دینا کہ میرے آدمیوں کا پیچھا چھوڑ دے، پرسوں وہ صلی کے مکان سے سارا سامان اٹھا لیا ہے، اے کہہ دینا کہ ملک جی کے اڈے سے کبھی تقبیل چل کر نہیں آئی وہاں آکر لینی پڑتی ہے۔ ہی ہی! ملک جی کیسی باتیں کرتے ہیں ہم آپ کے تابع دار ہیں۔ تمہارا مخبر دوبارہ اڈے کی طرف رُخ نہ کرے! نووارد کھلے بندوں دھمکی دے کر کا ندھے مارتا ہوا مجھے گہری نظر سے دیکھتا ہوا چار دیواری سے باہر نکل گیا ہے۔ موچھیل کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ ٹیلیفون گھما رہا ہے، پھر اچانک مجھ سے مخاطب ہوا ہے: اوئے تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ پوہدری صاحب سے ملنا ہے۔ باہر انتظار کر تو ہمارے مخبری کر رہا ہے۔ میں کچھ جواب دینے والا ہوں۔ ایک کمرے سے دلدوز پچنیں بلند ہوئی

ہیں، سارے کمروں سے باہر نکلے ہیں لیکن پھر ہنستے ہوئے واپس چلے گئے ہیں جس پنج پر میں بیٹھا ہوں اس سے کچھ دور بائیں طرف ایک کوٹھڑی سے یہ چیخیں بلند ہوئی تھیں : شاہ صاحب معافی ! میں نے چوری نہیں کی۔ پھر تیرے باپ نے کی ہے۔ رات کو وہاں کیا کرنے گیا تھا؟ شاہ صاحب پیشاب کرنے گیا تھا۔ اوٹے تیرا چاچا کہاں مفروز ہے؟ مجھے پتہ نہیں۔ پھر دلدوز چیخ بلند ہوئی ہے، میں نے آگے بڑھ کر اندر جھانکنے کی کوشش کی ہے، چیخ دیکھا کرنے والا زمین پر اوندھا لیٹا ہوا ہے، اور پاس چار پائی پر ایک دھوٹی پوش کا غذا اور پنسل لئے بیٹھا ہوا ہے۔ شادے ! جی سر، پاس کھڑے شخص کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک چھتر ہے، اس کبجر کا کوئی والی وارث نہیں ہے؟ ہوتا تو یہ نوبت کیوں آتی ! صبح سے بمبو کے ننگے ٹکڑے رہے ہیں، شادے اس کی ایسی ٹھکانی کر کے کہیں نشان نہ پڑیں.....

آج بہت دنوں کے بعد سگریٹ کی ڈبا خیریدی تھی، انتظار میں ساری ختم کر گیا ہوں، منہ کا ذائقہ بچد کڑوا ہوتا جا رہا ہے، قے آتے آتے رک گئی ہے۔ میں نے ہاتھ میں سگریٹ کا آخری ٹکڑا غصے سے پرے پھینک دیا ہے، متلی اور اکتا ہٹ، جمائیوں سے جبرے تھک چکے ہیں، وہ چوہدری آگیا ! میں نے بے ساختہ اپنے آپ سے کہا ہے، بیشتر اس کے کر میں آگے بڑھ کر اپنی موجودگی کا اعلان کر سکوں وہ دو تین نو فر قسم کے افراد سے باتیں کرتا ہوا تیزی سے اپنے دفتر کی طرف گیا ہے۔ چوہدری کی آمد سے ساری چار دیواری میں حرکت پیدا ہو گئی ہے، ہر ایک اس طرح مستعد نظر آتا ہے جیسے وہ اس کی غیر حاضری میں بھی اسی طرح تھا۔ دفتر میں داخل ہوتے ہی اس نے پے در پے گھنٹیاں بجانی شروع کر دی ہیں، عملے کے ارکان گھنٹیوں کی تعمیل میں ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں، میں موقع غنیمت جان کر چوہدری کے دفتر میں گھسنے لگا ہوں تو کسی نے کالر سے پکڑ کر مجھے باہر روک دیا ہے : اوٹے

تم کہاں چلے ہو؟ میں غصے میں جڑبڑ ہو کر وہیں کا وہیں رگ گیا ہوں، میں جواباً اس کے منہ پر تھپڑ رسید کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہ بہت مضبوط ہے۔ چوہدری کے آتے ہی ریل پیل شروع ہو گئی ہے، نہ جانے کہاں سے اتنے ملاقاتی حشرات الارض کی طرح جمع ہو گئے ہیں، مٹھائی کے ٹرے پھلوں سے لدے ہوئے برتن اندر جا رہے ہیں اور اندر سے نلگ شکاف تہقہوں اور سگریٹ کے سرخولے باہر نکل رہے ہیں۔ چوہدری کا نائب کبھی ایک رجسٹر اٹھا کر اندر جاتا ہے اور کبھی دوسرا، اس اشنا میں چوہدری کے ملاقاتیوں کا ایک گروہ باہر نکلا ہے میں موقع غنیمت جان کر دفتر میں گھس گیا ہوں، مجھے دیکھتے ہی چوہدری کے ماتھے پر بل پڑ گئے ہیں، اس کے پاس وہی موچھیل کھڑا ہے، اس چوہدری میں اور اس چوہدری میں جو احمد کے گھر ملا تھا زمین و آسمان کا فرق ہے: چوہدری صاحب میں دودن سے آپ کا منتظر ہوں۔ کوئی احسان تو نہیں کیا۔ موچھیل نے عیارانہ طریقے سے جواب دیا ہے۔ منشی جی آپ مال خانے کی پڑتال کرائیں۔ یس سر۔ موچھیل کچھ خفیف ہو کر باہر نکل گیا ہے، چوہدری پھر کاغذوں پر جھک گیا ہے اور میں پھر منہ لٹکا کر انتظار میں ہوں کہ تجھے بتایا جائے کہ مجھے کیوں طلب کیا جا رہا ہے؟ کافی دیر کے بعد چوہدری کاغذوں سے سر اٹھا کر کچھ کہتے کہتے رک گیا ہے اور پھر کسی قدر ملائم لہجے میں کہنے لگا ہے: پروفیسر۔ دیکھئے چوہدری صاحب۔ مجھے پروفیسر مت کہیں۔ اور لاٹ صاحب کہوں؟ نہیں میرا مطلب ہے۔ دیکھو زیادہ باتیں مت کرو، میں نے فی الحال تین مقدمات میں تمہاری شہادت رکھی ہے۔ لیکن میں نے ابھی تک کوئی واقعہ دیکھا نہیں ہے۔ کیسے، واعظ بند کرو، شہادت کے لئے دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ میں نے کس کے خلاف شہادت دینی ہے۔ یہ تمہیں بتا دیا جائے گا۔ لیکن چوہدری صاحب جھوٹی شہادت، تو کیا شہادتیں سچی ہوتی ہیں؟ میرا خیال ہے چوہدری صاحب

تم تعاون کرو اس میں تمہاری بہتری ہے ، ہمارے پاس قابل اعتبار گواہوں کی کمی ہے ، میں تمہارا ریکارڈ صاف کرا دوں گا۔ چوہدری صاحب میں احمد کے گھر بھی اس امر کی وضاحت کر چکا ہوں کہ مجھے اپنے ماضی کے ریکارڈ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ، میں خوف کے تمام مراحل سے گزر چکا ہوں ویسے بھی حالات بدل چکے ہیں۔ پروفیسر، یہ تمہاری غلط فہمی ہے ، ہنگامی حالات میں ہمارے اختیارات پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہوتے ہیں ، تم نے گشت پارٹیوں میں بھی شامل ہونا ہے ، پروفیسر میرے علاقے میں شہر کی یونیورسٹی ہے اور تمہارے جلنے والے بھی کافی ہیں ، سارے جلوس وہاں سے نکلتے ہیں ، کیا تم ہماری امداد کر سکتے ہو؟ چوہدری صاحب میں سب کام کر سکتا ہوں مگر تجربی سے مجبور ہوں۔ جس کام کے لئے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے وہ بھی اسی طرح کا ہے ، لیکن اس کا تعلق نظریات سے نہیں ہے ، تم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہو ، بہر کیف تین چار دنوں کے بعد تم نے پروانوں کی تمبیل کرنا ہوگی اور ہر رات یہاں حاضری دینا ضروری ہے۔ یہ پابندی مشکل ہے ، ہا ہا اب تو تم ہمارے آدمی ہو چلو جب بلایا کریں اس وقت آجایا کرو۔ مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔ میری ماں بیمار ہے۔ یار ، تم اتنے سیدھے نہیں جتنے نظر آتے ہو ، کام سے پہلے ہی معاوضہ مانگتے ہو ، ہا ہا ! چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں ، معاوضہ ان سے لینا جن کے خلاف یا حق میں شہادت دو گے ، منشی جی ، اس نے ایک لمبی سی جمائی لے کر موچھیل کو بلایا ہے۔ یس۔ اس کی ڈیوٹی لگا دو بیٹ نمبر ۳ میں ، یہ گشت میں شامل ہوگا۔ یس سر۔ منشی کان کھجاتا ہوا باہر نکل گیا ہے ، ہاں پروفیسر تم گلی نمبر ۳ کے مکان ۴ میں جانا اور رمضان کو میرا پیغام دینا اور وہ جو کچھ دے اسے کل میرے مکان پر پہنچا دینا ، وہ چوہدری صاحب کیا دے گا اور میں اسے کیا کہوں گا؟ بس میرا نام دینا ، سی ہی سی ! میری بڑی لڑکی جوان ہونے کو ہے جبیر تیار کر رہا ہوں ، آج کل تنخواہ سے بنتا

کیا ہے ، خیر تم کل شام کو مجھے اطلاع دینا — میں چوہدری کو مسلسل گھور رہا ہوں غالباً وہ نشے میں ہے کیونکہ ضرورت سے زیادہ باتوں ہوتا جا رہا ہے ، واقعی اس کے منہ سے بوا رہی ہے ۔ او ، پروفیسر میں اتنا ظالم نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھتے ہو ، میں صرف حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں ، ہاں مجھے ایک بات یاد آئی ملک مقبول ایک دس نمبر یا میرے خلاف ہے اس سے بچ کر رہنا ، وہ تمہیں پھسلانے کی کوشش کرے گا ، میں نے اس سے ہرگز زیادتی نہیں کی تھی وہ محض اتفاق تھا ، پروفیسر میں درندہ نہیں ہوں اللہ کو جان دینی ہے ، پروفیسر تم شراب پیتے ہو؟ کبھی کبھی ۔ میرے ساتھ شراب پیو گے ، نہیں ، کیوں ؟ میرے سر میں درد ہے ، اچھا چوہدری صاحب رات کے بارہ بجے ہیں منشی منشی روزنامہ لاؤ آج میں اپنے خلاف رجسٹر میں کچھ درج کرنا چاہتا ہوں

(۱۴۱)

آج گشت کی ساتویں رات ہے بلکہ ساتواں سفر ہے، نہیں میں جس راہ پر روانہ ہو چکا ہوں یہ اس کی مسافت ہے۔ گشت کا لغوی مفہوم اتنا واضح ہے کہ اس کی تشریح مناسب معلوم نہیں ہوتی؛ عام بول چال میں اس کا ڈھیلا مطلب آوارہ گردی بھی ہے، عموماً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص آوارہ گرد ہے اور اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی نصب العین کے بغیر بھٹکتا پھرتا ہے، مجھے اس تشریح سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ آوارہ گردی بذاتِ خود ایک نصب العین کی تلاش ہے، خاتمہ بدوش آوارہ گرد کہلا سکتے ہیں لیکن وہ بھی گھر بار اور زمانِ نفقہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، چور چکار آوارہ گردی کے ذریعے اپنا شکار تلاش کرتے ہیں، میں بھی بنیادی طور پر آوارہ گرد ذہن کا حامل ہوں، اس شہر کا کونسا گلی کوچہ ہے جس سے میرے قدم آشنا نہیں ہیں۔ البتہ آواری گردی کی نوعیت میں کسی قدر فرق آگیا ہے پہلے میں رات کو دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرتے ہوئے سیاست اور ادب پر بحث کیا کرتا تھا یا جب اکیلا ہوتا تو مختلف قسم کے شاعرانہ خیالات ذہن میں گردش کرتے، قدم سڑک پر کسی سمت کے بغیر آگے بڑھتے جاتے اور ذہن طرح طرح کی سمتیں متعین کرتا جاتا، وہ کتنی تبدیلی —! وہی قدم ہیں اور وہی سڑکیں ہیں! لیکن ذہن اور نیت — میں آوارہ گرد ہوتے ہوئے بھی آوارہ گردوں کے احتساب کے لئے گشت پارٹی کے ساتھ شامل ہوں، گشت کو دن کے وقت ضروری نہیں سمجھا جاتا کیونکہ دن کے وقت آوارہ گردوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، یہ منطق ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی ہے کہ وہ

شخص جو دن کے وقت بلا روک ٹوک پھر سکتا ہے رات کے وقت اس کا پٹے کے بغیر پھرنا کس طرح امن عامہ کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے؟ یعنی اس کا محافظ اور رات اس کی دشمن ہے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ رات اور دن کا تعلق جغرافیائی عمل سے ہے لیکن ان کا اطلاق خواجہ خواہ آوارہ گردوں پر کیا جاتا ہے۔ درحقیقت نصف رات کے بعد سڑکوں پر بلا مقصد پیدل پھرنا قابل اعتراض ہے، البتہ سکوٹر یا کار میں گھومنے پھرنے پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ رات گردی کے لیے اپنے پاس شناختی کارڈ یا اپنے کوائف اندر ہونے ضروری ہیں، اور اگر آپ کا کوئی معقول ذریعہ معاش نہیں تو آپ پر درست اندازی کی جا سکتی ہے کیونکہ شریف اور نجیب سرشام ہی گھروں میں مقید ہو جاتے ہیں لوفر اور شہدے رات کو مارے مارے پھرتے ہیں۔ شہر کے تحفظ کے لئے اسے مختلف ”میٹس“ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ میں بھی اس وقت بیکار ہوں اور میرے منہ سے اکوئل کی ہمک اُبھڑ رہی ہے، جی چاہتا ہے کہ گشت پارٹی سے نکل کر اسی پارٹی کو ایک آوارہ گرد کی صورت میں ملوں کہ مجھ سے پوچھا جائے کہ میں کون ہوں؟ تو میں اسے یہ نہ بتا سکوں کہ میں کون ہوں! میں تمہاری صف سے نہیں ہوں، میں نے نشہ کسی سکون یا فرار کے لئے نہیں کیا بلکہ صرف نشہ کیا ہے، اس وقت میں محافظ بن کر اپنے جیسوں کی تلاش میں ہوں، میں اپنے آپ سے ڈرامہ نہیں کھیل رہا ہوں اور نہ ہی بننے کی کوشش کر رہا ہوں، مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، سارا تحفظ حاصل ہونے کے باوجود میں کچھ مضطرب ہوں۔ میں نے یہ سب کچھ تحفظ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ابھی تک اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ غیر محفوظ محسوس کرتا ہوں۔ جن لوگوں کو میں اپنی جائے پناہ سمجھتا ہوں وہی مجھے دیمک کی طرح اندر سے کھوکھلا کرتے جا رہے ہیں۔ میں نے احمد کے ساتھ کاروبار میں شرکت کے ذریعے غیر ممکن کو ممکن بنا دیا ہے لیکن اس کے باوجود۔۔۔ اس کے باوجود۔۔۔ گنت

کے ابتدائی ایام میں مجھے یہی غدشہ رہتا کہ کوئی واقف کار راستے میں مل نہ جائے ، پہلے دن ایک پرانا رفیق کار سڑک پر ملا اور میں نے اسے دیکھ کر اس طرح ظاہر کیا کہ جیسے میں گشت پارٹی کے ساتھ نہیں ہوں ، دوسری رات میں نے سوچا کہ صبح کا وقت تو میں اس چار دیواری میں بسر کرتا ہوں جہاں ہر ایک آتا جاتا ہے اور رات کے وقت شرم کیسی ؟ میں اس دلیل سے کافی تقویت حاصل کر کے ہر طرح کی خجالت برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں ۔ پھر راتوں سے کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا ، میں اس مشغلے یا مجبوری سے بہت بیزار ہو چکا ہوں ، رات تین بجے گھر جاتا ہوں اور اتنا تھکا ہوا ہوں کہ لیٹتے ہی نیند آ جاتی ہے ، ماں نے ایک دو مرتبہ دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو میں نے اتنا روکھا جواب دیا کہ وہ نادام سی ہو گئی تھی ۔ ویسے بھی ابھی تک یہ مشغلہ بالکل سودمند ثابت نہیں ہوا ہے ۔ اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ اعضا میں اب وہ جوش و خروش اور سکت نہیں رہی جو پہلے تھی ، وقت نے قبل از وقت مجھے متاثر کرنا شروع کر دیا ہے ۔ مجھے استعمال کیا جا رہا ہے ، احمد نے بتایا تھا کہ علاقے میں یہ بھی مشہور کیا گیا ہے کہ میں ایک شریف شہری ہوں اور میں نے دائرۃ طور پر ملازمت ترک کر دی ہے اور اب انتظامیہ کے ساتھ امن عامہ کی حفاظت میں تعاون کر رہا ہوں ، ہوں ! ہر معاشرہ ، ہر نظام ہر فرد کو ایندھن کے طور پر استعمال کرتا ہے ، اس حد تک اسے برتنا ہے کہ فرد صابن کی گھسی ہوئی ٹمکیہ بن جاتا ہے ، وہ ختم ہو جاتا ہے ، خس و خاشاک بن کر اڑ جاتا ہے اور یہ عفریت ہنستا ہوا دوسرے کی طرف اپنے پنجے بڑھاتا ہے ۔ آج میں نے تنبیہ کیا ہے کہ آئندہ گشت پارٹی میں شرکت نہیں کروں گا کیونکہ اس سے وہ حاصل نہیں ہو سکتا جس کی مجھے تلاش ہے ۔ پچھلے چند دنوں سے میں چوہدری کے اڈے سے گشت پارٹی میں شامل ہوتا تھا آج طبیعت کچھ سست تھی کام کاج سے سیدھا گھر آ گیا تھا ، کافی

دیر تک چارپاٹی پر اوندھا لیٹ کر خالی ذہن کو کسی خیال سے بھرنے کی کوشش کرتا رہا، بڑی دیر سے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں زندہ کیوں ہوں؟ جب کوئی جواب نہ ملا تو بڑی مشکل سے بدن کو سنبھالتا ہوا باہر نکل آیا، اندازہ لگایا کہ گشت پارٹی پُل کے پاس ہوگی، میرا اندازہ درست نکلا، میں لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا گشت پارٹی میں شامل ہو گیا ہوں، پروفیسر تم بڑی دیر سے آئے ہو؟ شادے نے میرے کندھے پر تھپکی مار کر کہا ہے۔ یہ کوئی سامی تلاش کر رہا ہوگا، قادرے نے عیارانہ مسکراہٹ سے میری طرف دیکھ کر کہا ہے۔ مجھے دونوں کی بیہودہ باتیں ناگوار گزری ہیں پر یہ سوچ کر خاموش ہوں کہ جب ان معمولی تنخواہ دار ان پڑھ دیہاتیوں کے ساتھ ہی رہنا ہے تو ان کے بھونڈے مذاق کا کیوں بُرا مناؤں؟ میں نے بات کا رخ بدلنے کے لئے شادے کو مخاطب کیا ہے: شادے تم لوگ تو تنخواہ دار ہو اور گشت تمہارا فرض ہے، چوہدری مجھے کیوں تمہارے ساتھ باندھ دیتا ہے؟ اس لئے کہ ہر وقوعے کی تصدیق کے لیے غیر جانبدار آدمی کی موجودگی ضروری ہے۔ لیکن کیا اس دنیا میں کوئی غیر جانبدار ہے؟ میں نے شادے سے سوال کیا ہے۔ بحث میں کیوں الجھتے ہو پروفیسر! آج گشت انچارج کوٹی نیا معلوم ہوتا ہے؟ ہاں، نئی بھرتی کا افسر ہے اس لئے ہم سے الگ آگے آگے جا رہا ہے، اگر دکھا دے کی ہوتی ہے یہاں سب ننگے ہیں۔

آدھی رات، آسمان بالکل شفاف، کاٹنے والی سردی میں ستارے آسمان پر سکرے ہوئے ہیں، بیٹ، نمبر ۳ کا نصف حصہ شہر اور نصف بے آباد حصے پر مشتمل ہے، جو حصہ شہر کی زد میں ہے وہ اس وقت بالکل سنان ہے۔ دوکانیں بند، کہیں کہیں مکانوں کے بند دروازوں کی درزوں سے روشنی جھانک رہی ہے۔ گشت پارٹی پانچ افراد پر مشتمل ہے، میرے علاوہ چار افراد اور ہیں۔ ہمارا قائد

سب سے آگے اکیلا جا رہا ہے ہم اس کے تعاقب میں ہیں، چلتے چلتے نہ جانے شادے کو کیا سوچا ہے کہ وہ نہایت ہی بے سُر آواز میں گانے لگا ہے : ہم بھی جاگیں جگائیں تمام رات، کسی نے جواباً مصرع لگایا ہے : ہم بھی پیٹے پلائیں تمام رات، میں نے جلدی سے دوسرے فٹ پاتھ پر دیکھا ہے وہاں ہوا سے اُڑتے ہوئے تیز پتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے : شادے یہ کون گا رہا ہے؟ تم نے یہ آواز سنی ہے؟ میں گا رہا ہوں، لیکن یہ دوسرا مصرع کون گا رہا تھا۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے پروفیسر جاگیں جگائیں تمام رات، شادے نے پھر بھونڈی آواز میں گانا شروع کیا ہے، فٹ پاتھ کی دوسری طرف سے پھر آواز آئی ہے، میں نے ایک دو مرتبہ سر کو جھٹک کر ہوش میں آنے کی کوشش کی ہے : میں ہوش میں ہوں ! ہوش یہ نہیں تو اور کسے کہتے ہیں؟ یہ بازگشت نہیں ہو سکتی، کیا بارہ برس تک آواز فضا میں محفوظ رہ سکتی ہے؟ اس رات واقعی بے ستحاشا سردی تھی ہم باغ کی سیر کر کے رات بارہ بجے واپس آ رہے تھے کہ اسی فٹ پاتھ پر ہمیں اسی طرح کی گشت پارٹی ملی تھی اور جب کس نے بھونڈی آواز میں ملکہ پکھراج کا یہ گانا شروع کیا تو دوسرے فٹ پاتھ سے سکندر نے لمبی ہیک سے دوسرا مصرع زور سے اپنا شروع کیا تھا، گشت پارٹی کے افراد ہنسنے لگے تھے شادے تم اس شہر میں کب سے ہو؟ بارہ برس سے۔ تم یہ گانا کب سے گا رہے ہو؟ بارہ برس سے۔ کب سے گشت کر رہے ہو؟ بارہ برس سے۔ تم مجھے پہچانتے ہو؟ پروفیسر زیادہ چڑھ گئی ہے لہذا اب اتار لو، یہ کہہ کر شادے نے اوپر کوٹ سے فٹ پاتھ کا ادھا نکالا ہے، میں نے کسی جھجک کے بغیر تین چار لمبے کڑے گھونٹ لے کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بوتل واپس شادے کو دے دی ہے، سانس کی نالی حدت سے اس طرح سلگنے لگی ہے جیسے کچے چوٹنے پر کسی نے پانی ڈال دیا ہو، میں اور شادا پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں، ہمارے پیچھے

دو کی ایک ٹولی ہے اور آگے آگے ہمارا قائد چل رہا ہے۔ میرے اور شادے کے قدم ایک ساتھ اٹھ رہے ہیں؛ ہم دونوں خاموش ہیں، میں باتیں کرنا چاہتا ہوں پر اس احمق شادے سے کیا بات کروں؟ میں ایک دم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس سے جا ملا ہوں جو ہمارے آگے آگے چل رہا ہے، مجھے دیکھتے ہی وہ چونک اٹھا ہے: آپ یہاں کیسے؟ میں گشت پارٹی میں شامل ہوں۔ لیکن آپ تو؟ آپ روز کے کتنے سگریٹ پیتے ہیں؟ آپ پہلے کیا کام کرتے تھے؟ میں شروع ہی سے بیکار ہوں، آپ سچ کہتے ہیں؟ آپ کی شکل..... شکلیں ہمیشہ غلط نہیں پیدا کرتی ہیں۔ ہاں، ہو سکتا ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو لیکن میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہے۔ آپ غالباً اس محکمے میں نئے ہیں۔ اتنا نیا بھی نہیں ہوں دو تین سال ہو چکے ہیں البتہ کل ہی سا ہیوال سے تبدیل ہو کر آیا ہوں۔ آپ اسی شہر میں شروع سے رہتے ہیں؟ جی نہیں میری زندگی کا کافی عرصہ مشرقی پاکستان میں بسر ہوا ہے، میں وہاں ایک پرائیویٹ کمپنی میں اکاؤنٹس کلرک تھا بس اب وہاں مواقع نہیں آئی اور ادھر آگیا۔ لیکن آپ کا ہم لوگوں سے کیا تعلق ہے؟ چوہدری صاحب میرے دوست ہیں ان کے کہنے پر کبھی کبھار گشت پارٹی میں شامل ہو جاتا ہوں، ہاں دیکھئے میرا کام تفتیش کرنا ہے، ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ آپ شروع سے بیکار ہیں اور اب..... خیر مشرقی پاکستان کے لوگ کیسے ہیں؟ وہ ہم سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں تکلیف کیا ہے؟ بہت سی تکلیفیں ہیں ایک طرف غربت ایک طرف چین، ایک طرف ہندو سامراج اور پھر مشرق بعید میں سیاسی توازن کا مسئلہ اور سب سے بڑھ کر ان میں قومیت کا بڑھتا ہوا احساس..... آپ یہ نوکری کیوں کر رہے ہیں؟ کیسا عجیب سوال ہے، میں گھر سے اتنا بھوکا نہیں ہوں والد کی چھوٹی موٹی زمین ہے اس تنخواہ پر کس کا گزارہ ہوتا ہے۔ اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات بتائیں

گے ؟ جی ہاں ، آپ لوگ تشدد سے کام کیوں لیتے ہیں ؟ اس لئے کہ ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے ۔ ہم ملازم پیشہ لوگ ہیں ، ہمیں استعمال کیا جاتا ہے وہ شادے ، وہ شادے ، اس نے ایک دم پیچھے مڑ کر زور سے آواز دی ہے ، بس نہر ، دیکھو سامنے درخت کے نیچے کون جھول رہا ہے ؟ کون ہو تم ؟ شادا بجلی کی تیزی سے درخت کی طرف گیا ہے اور میلے لباس میں ملبوس ایک مہم شخص کو کار سے پکڑ کر لے آیا ہے ، کون ہو تم ؟ نوجوان نے کڑک کر پوچھا ہے ؟ میں کون ہوں جھک جھک مجھے یہ پتہ ہوتا تو میں عمر کے پچاس سال ان سڑکوں پر کیوں پھرتا ؟ مادر چود مگر کر رہا ہے ، شادے نے اسے گالی دے کر ٹھوکر ماری ہے ۔ اس کی جامہ تلاشی لو ۔ میری جیب میں ایک روپیہ اور دو نظمیں ہیں ، یہ شاعر ہے اسے چھوڑ دیں ، میں نے قدرے لجاحت سے نوجوان قائد کو کہا ہے ۔ کیا کام کرتے ہو ؟ شادے نے اسے جھنجھوڑ کر پوچھا ہے ۔ میں شاعر ہوں ۔ شاعری بھی کوئی پیشہ ہے ؟ نوجوان نے درشتی سے مخاطب کر کے زور سے ایک لات معر شاعر کی کمر میں ماری ہے اور وہ لٹکھڑاتا ہوا زمین پر گر گیا ہے ، مارو مجھے ، اور مارو یہ عہدِ ستم ہے ، میں بلال حبشی ہوں مجھے اتنی سزا دو کہ میرا عضو عضو پیچ اٹھے کہ میں نے پرمٹ کے بغیر شراب کیوں پی ہے ، اس شہر میں روشنی نہیں ہے ، اس نظام میں برکت نہیں ہے ، یہاں علم دہنر بے عزتی کی زندگی بسر کر رہا ہے ۔ یہ کیونٹ معلوم ہوتا ہے ، شادے نے اپنی پوری ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے قیافہ لگایا ہے ۔ کیا خیال ہے اگر اسے وہاں بھیجا جائے ، ایک رات میں سارا مواد باہر نکل جائے گا یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے ۔ میں اس کی ضمانت دینے کے لئے تیار ہوں ، میں اسے جانتا ہوں ، یہ بیچارہ شاعر ہے ۔ آج آپ کے کہنے پر اس بڈھے خنزیر کو چھوڑ رہا ہوں اور آئندہ کسی کی سفارش کی کوشش مت کریں ۔ نوجوان قائد نے کسی قدر سختی سے مجھے جواب

دیا ہے۔

ہمارا گشتی قائد پھر آگے بڑھ رہا ہے میں اور شادا ہمراہیوں کے پیچھے چل رہے ہیں اور نوجوان قائد گردن اکڑاتے ہوئے بید کو ٹانگوں پر مارتا ہوا آگے بڑھ رہے۔ ادے، شادے نے لڑکھڑاتے ہوئے مجھے مخاطب کیا ہے، اس طرح سفارٹیں کرو گے تو رات کا خرچہ کیسے چلے گا؟ مجھے شادے کی یہ بات بُری لگی ہے، میں نے غصے سے اس کا بازو جھٹک دیا ہے۔ شادا کھسکی ہنسی ہنسنے کے بعد خاموش ہو گیا ہے۔ بیٹ نمبر ۳ کا شہری علاقہ ختم ہونے کو ہے، سامنے اندھیرے میں سے ایک برقہ پوش عورت اور ایک نوجوان برآمد ہوئے ہیں، شادا اور اس کے دو ساتھی بجلی کی تیزی سے آگے بڑھے ہیں اور نوجوان قائد بجلی کے کھجے کے ساتھ ٹیک لگا کر شادے اور اس کے ساتھیوں کی کارکردگی دیکھ رہا ہے: تم دونوں کون ہو؟ انسان اور کون؟ برقہ پوش عورت کے ہمراہی نے سگریٹ سدگا کر بڑے اطمینان سے بھواب دیا ہے: ہوش سے بات کرو، یہ عورت کون ہے؟ میری بیوی ہے۔ کیا ثبوت؟ میرے پاس اس وقت نکاح نامہ تو نہیں ہے۔ اسے ساتھ لے چلو، نوجوان قائد نے غصیلی آواز سے کہا ہے۔ میں انٹورنس کمپنی کا مینیجر ہوں پورا اچکا نہیں ہوں۔ اس کا منہ سونگھو، کچھ بو آ رہی ہے۔ تم اس وقت رات کو کہاں سے آ رہے ہو؟ گوجرانوالے سے۔ رات کے وقت ہا ہا ہا۔ شادے نے جھوٹا قبضہ لگا کر اس کی جامہ تلاشی شروع کی ہے، ”یہ پیچھے ہٹو۔ دونوں کو حراست میں لے لو۔ نوجوان قائد نے دور سے حکم چلایا ہے۔ ہمارا جرم۔ تم دونوں سرعام فحش حرکات کر رہے ہو۔ یہ الزام ہے ہم میاں بیوی ہیں، یہ بڑا سخت مزاج ہے اس کی کچھ سیوا کرو جان چھوٹے گی۔ شادے کے ایک دیلے سے ساتھی نے نوجوان قائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے، نوجوان نے کسی قدر تعامل کے بعد جیب میں سے کچھ نکال کر تلے

کے ساتھی کے حوالے کیا ہے، چلو چلیں۔ نوجوان قائد نے جھرجھری لے کر آگے چلنے کا اعلان کیا ہے، کتنے ہیں؟ سر پچاس، تیس مجھے دے دو اور باقی آپس میں تقسیم کر لو میں سوٹلسٹ ہوں ساتھیوں کا حق نہیں مارتا ہا ہا ہا۔ شادے نے ایک مٹھی میری جیب میں بھی ڈال دی ہے۔ اچھی بوہنی ہوئی ہے، شادے نے لڑکھڑاتے ہوئے داد دی ہے۔ اور ہمارا قائد اب کچی آبادی میں گشت کر رہا ہے کہ اندھیرے میں ایک اور نامعلوم شخص شادے کے ہتھے چڑھ گیا ہے، ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد اسے قابو کر لیا گیا ہے کہ وہ اس کے اپنے باہر نکلنے کی معقول وجہ نہیں بتا سکا، میں امام مسجد ہوں، مسجد کا متولی ہوں، میرا چوری چکاری سے کوئی تعلق نہیں ہے، شادے اس پر ریڈیو ڈالو فرد بناؤ۔ شادا تھیلے میں سے کاغذ پنسل نکال کر ٹارچ کی روشنی میں ایک کاغذ پر کچھ لکھ رہا ہے کہ اتنے میں نوجوان قائد نے للکار کر کہا ہے: فرد مقبوضگی پران کے دستخط کراؤ، یہ سنتے ہی شادے نے پنسل میسے ہاتھ میں تھما دی ہے۔ لیکن میرے سامنے کوئی برآمدگی نہیں ہوئی، ہا ہا! کسی کے سامنے برآمدگی نہیں ہوتی، آپ بحث مت کیجئے، میں نے خاموشی سے کاغذ پر دستخط کر دیئے ہیں، شادے کے ہمراہی اس نامعلوم شخص کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ نہ جانے یہ گشت کب ختم ہوگی؟ یہ جہنم کا سفر ہے، میری جیب میں شادے نے سات روپے ڈالے تھے مجھے یہ قبول نہیں کرنے چاہئیں، بکواس بند کرو یہ سارا چکر دولت کا ہے اسی لئے میں سخت خشک رات میں سرساقی کیفیت کے ساتھ اپنے بدن کو بمشکل گھسیٹ رہا ہوں، وگرتہ مجھے کیا، چاہے سارا شہر لٹ جائے۔ اس وقت یہ قائد ایک تنگ و تاریک اور لمبی سی کچی گلی میں آہستہ آہستہ چل رہا ہے، اندھیرا ہی اندھیرا کچھ سمجھائی نہیں دیتا ہے، گلی میں اتنا دھواں ہے کہ آنکھیں دکھنے لگیں ہیں، دور دور تک اندھیرے میں مکانوں کی قطاریں دھندلائی ہوئی ہیں، نہ جانے

اس بے وقوف کو اس اندھیرے فار میں گشت کی کیا سوچھی ہے؟ کافی رات بیت چکی ہے مجھے اب گھر واپس چلے جانا چاہیئے۔ اندھیرے میں تیز قدموں کی چاپ بلند ہوئی ہے اور کوئی نامعلوم شخص نوجوان قائد سے زور سے ٹکرایا ہے: اندھے ہو کر چلتے ہو۔ ملک جی میں ہوں، تم ہو راجو؟ ملک جی مجھے اندر دیر ہو گئی تھی، اس وقت اصغر کی بیٹھک میں کام زوروں پر ہے اور باڈر پار سے الائی بھی آئی ہوئی ہے، ملک جی اسے پتہ نہ چلے کہ میں نے مخبری کی ہے، مجھے مراد دے گا۔ تم فکر نہ کر۔ ملک جی میرا انعام؟ بڑے بے صبرے ہو کل اڈے پر آ جانا، راجو نامی مخبر اندھیرے میں غائب ہو گیا ہے اور نوجوان قائد اب میرے اور شادے کے برابر چل رہا ہے، گلی کے عین وسط میں کچے مکانوں کے درمیان ایک پختہ سویلی سایے کی طرح کھڑی ہے، نوجوان قائد نے خول سے پستول باہر نکال کر بائیں ہاتھ سے زور زور سے دستک دی ہے، پہلی دستک کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا ہے، نوجوان قائد قدمے برا فردختہ ہو کر اپنے فل بوٹ سے سویلی کے دروازے کو اس طرح ٹھو کریں مارنے لگا ہے جیسے کچھ دن پہلے اس چار دیواری میں موچھیل نے حمیدے کی کمر میں بھر پور ٹھوکر ماری تھی۔ سویلی کے دروازے کے اس طرف مکمل سکوت ہے، چند ٹھوکروں کے بعد اندر سے گھبرائے ہوئے قدموں کا شور سنائی دے رہا ہے، کسی نے نہایت احتیاط سے سویلی کے دروازے کا کٹا کھول کر مدہم آواز میں پوچھا ہے: کون؟ ملک لال خان، بتی جلاؤ، کسی نے فوراً روشنی کی ہے اور جس کے ساتھ ہی تاریکی کا خوف ختم ہو گیا ہے، ہم ایک نہایت ہی بوسیدہ سی سویلی کی ڈیوڑھی میں کھڑے ہیں اور پستہ قامت سیاہ رنگ کا شخص کسی قدر گھبراہٹ سے ہمیں دیکھ رہا ہے: کیا حال ہے چنو، شادے نے پستہ قامت شخص سے آشنائی کا اظہار کیا ہے۔ یہ ہیں ملک لال ہمارے تنے بیٹ افسر۔ شاہ صاحب کہاں ہیں؟ وہ اندر کمرے میں

ہیں۔ اے کہو ملک لال خان پڑتال کرنے آیا ہے۔ ڈیوڑھی کے چاروں طرف کمرے ہیں جن میں سے مدہم شور بلند ہو رہا ہے، ملک جی یہ شاہ صاحب کی بیٹھک ہے ایک رات میں پانچ ہزار کی نعل نکلتی ہے، مجھے سب کچھ پتہ ہے میں اس شاہ کو بھی جانتا ہوں ساہیوال میں بھی اس کی بیٹھک ہے ہفتے کی رات کو وہ وہاں جاتا ہے، کچھ دیر بعد ڈیوڑھی کی دائیں جانب واقعہ کمرے کا دروازہ کھلا ہے اور ٹیوب کی سفید روشنی ڈیوڑھی میں جھانک رہی ہے، چوڑی شیشی شخص ہیں کمرے کا راستہ دکھا کر ملحقہ کمرے میں گھس گیا ہے: آئیے ملک صاحب، بس آپ کی دعا ہے، آپ کب ساہیوال سے یہاں آئے ہیں؟ بس چند دن ہوئے ہیں، ہمیں پہلے ہی اس کی اطلاع مل چکی تھی، ہی ہی ہی، وہ کیسے؟ جو شخص آپ کا ہے.....

وہ ہمارا پار ہے، خوب اسے آپ کی دھمکی سمجھوں یا دوستی کا پیغام؟ ہو ہواستغفر اللہ آپ تو ہمارے بیٹ افسر ہیں آپ کے بغیر ہمارا کام کیسے چل سکتا ہے! دیکھو شاہ صاحب آپ کی بیٹھک بہت بدنام ہے اسے بچا کر رکھنا اپنی ملازمت کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ ملک جی صرف آپ کے تعاون کی ضرورت ہے باقی اللہ حافظ ہے، لیجئے شغل کیجئے، یہ کہہ اس نے سکائج کی ایک بوتل اور دو گلاس الماری سے نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں، یہ صاحب کون ہیں؟ اس نے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا ہے۔ اپنا آدمی ہے، شاہ صاحب نے ہمیں پوچھے بغیر دو ڈبل بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں، شاہ صاحب آپ؟ نہیں آج میں باڈر پار سے آیا ہوں وہاں سکھوں نے اتنا کھانا کھلا دیا تھا کہ اب کسی چیز کو دل نہیں چاہتا۔ شاہ جی سنا ہے آج ادھر سے لاپچی آئی ہے۔ ہاں کچھ لوریاں لایا ہوں آپ سے کیا پھپھانا! پھر؟ جیسے آپ کی مرضی، شاہ نے ریڈیو گرام کا ڈھکنا اٹھا کر ریکارڈوں کی ڈسک درست کر کے ریکارڈ لگا دیا ہے، پیالمن کو جانا، ریڈیو گرام

سے پکھیج ملک کی آواز بلند ہوئی ہے۔ ماشا اللہ آپ کا ذوق بہت اچھا ہے ابکل تو چین میں گانے گائے جاتے ہیں، میں پکھیج ملک اور سہگل کے سارے ریکارڈ باڈر پار سے لایا ہوں، شاہ نے پھولتے ہوئے جواب دیا ہے۔ شاہ صاحب مجھے نشہ چڑ رہا ہے میرا خیال ہے کہ معاملہ طے کر لیں۔ ابھی جلدی کیا ہے؟ شاہ نے عیارانہ مسکراہٹ سے جواب دیا ہے، نہیں یہ سب کچھ نشہ چڑھنے سے پہلے طے ہونا چاہیے میں اس علاقے کا بیٹا افسر ہوں اور اس وقت جوا چل رہا ہے اور باڈر کے اس طرف سے الپچی آئی ہے۔ ملک جی میرا خیال اس وقت آپ کو چڑھ چکا ہے۔ شاہ کے بچے ہوش سے بات کرو میں اسی وقت تمہیں حراست میں لے لوں گا تم بے شک بعد میں میرا تبادلہ کروا دینا، ملک جی کتنے چاہتے ہیں؟ ایک ہزار روپیہ ماہوار! یہ بہت زیادہ ہیں۔ اس میں بہت سے حصے ہیں اکیلا میں نہیں ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں۔ خیر یہ تو شاہ نے پانچ سو روپے کے دو نوٹ سھارت سے میز پر پھینک کر اپنا لہجہ بدل لیا ہے۔ اچھا آپ لوگ شغل کریں مجھے اندر جا کر نسل نکالنی ہے۔ یہ کہہ کر شاہ زور سے دروازہ بند کر کے دوسرے کمرے میں چلا گیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ملک سے ریکارڈ نیچے گرتا ہے اور گانا بدل گیا ہے۔ ڈرامنگ روم بوجیدہ آرائشی سامان سے لدا پھدا ہوا ہے، کمرے میں سگریٹوں کا بے تحاشہ دھواؤں فضا میں معلق ہے، ہلکے سردوں پر پھر سہگل گار رہا ہے، گانے کی اس سریلی آواز کے علاوہ کمرے میں مکمل سکوت ہے، نوجوان قائد نشے میں بدست کمر کی پٹی کھولے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہے اور اتنی سردی میں بھی وہ پسینے میں شرابور ہے۔ مجھے اس نوجوان کے رویے اور طنز گفتگو پر قدر حیرت ہوئی ہے کہ یا تو وہ تسلیم یافتہ ہے یا کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے یا مجھے جانتا ہے کیونکہ میرے سامنے اس کا رویہ کافی حد تک شائستہ تھا، مجھے کسی

قدر اچنبھا بھی ہوا ۔ میں پچھلے چند مہینوں سے جس فضا میں زندگی بسر کر رہا ہوں اس کی دنیا عام دنیا سے بالکل مختلف ہے ۔ ابھی تک وہ نوٹ میز پر بکھرے ہوئے ہیں نہ جانے اس نوجوان کو کیا خیال آیا ہے کہ اس نے جھپٹ کر میز سے دونوں نوٹ اکٹھا کر قمیض کی جیب میں رکھ لئے ہیں : اوہ معاف کیجئے یہ رہا آپ کا ہتھ ، اس نے اپنی دوسری جیب سے ایک سو روپیہ کا نوٹ پیش کیا ہے ، میں نے کسی حجاب کے بغیر یہ نوٹ جیب میں رکھ لیا ہے ، جی چاہتا ہے کہ اس نوجوان سے اور رقم کا تقاضہ کروں لیکن یہ سوچ کر رک گیا ہوں کہ اس نے کبے بغیر خود ہی میرا ہتھ دے دیا ہے ، میں سوشلسٹ ہوں کسی کا حق نہیں مارتا ہا ہا ہا ... میں کتنا ذلیل ہوں ، جھک جھک شراب انسان کو کمزور کر دیتی ہے ، ادے شادے کہ ہر دفعہ ہو گیا ہے ؟ معاف کیجئے میں بہک گیا ہوں میں نے آپ کے سامنے شراب پینے کی جرأت کی ہے ، سہگل کا مشہور گانا ریڈیو گرام نے الاپنا شروع کیا ہے : دکھ کے دن اب بیت ہیں دکھ کے آپ نے مجھے پہچانا نہیں ؟ آپ یہ کام چھوڑیں یہ آپ کے شان شایان نہیں ہے ، سر ! تجھے شرم آتی ہے ، آپ کا علیہ آپ کو نہیں چھپا سکتا ، میں چوہدری سے پنٹ لوں گا ۔ آپ بہکی باتیں کر رہے ہیں ، نہیں میں ہوش میں ہوں میں سکشن ” اسی “ میں آپ سے انگریزی پڑھتا تھا ، ایف اے کا امتحان دے کر میں بھرتی ہو گیا تھا ، گاؤں میں دشمنی کی بنا پر میرے چچا کو قتل کر دیا گیا تھا اور اس واقعہ کے بعد میرے والد صاحب نے مجھے اس محکمے میں بھرتی کر دیا ۔ سر ، شراب پینے کی گستاخی معاف ! شادے او شادے ۔ نہیں نہیں یہ غلط ہے ، میں کبھی پروفیسر نہیں رہا ، یہ کہہ کر میں بڑی تیزی سے صوفے سے جانے کے لئے اٹھا ہوں مگر نشے کی زیادتی نے تانگوں کو نحیف کر دیا ہے ، ریڈیو گرام کی سوئی ریکارڈ پر

اٹک گئی ہے اور سہگل بار بار گارہا ہے : اب دکھ کے دن بیت ہیں ، اب
 دکھ کے دن بیت ہیں ، میں چھلانگ لگا کر باہر نکلا ہوں اور اس نے پیچھے سے
 آواز دی ہے : پروفیسر صاحب ، میں بڑی سرعت سے بھاگ رہا ہوں ، سامنے
 کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے ، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے ، بیٹ نمبر ۳
 ختم ہونے کو نہیں آتی کہ میرے جوتے اور تلوے بالکل گھس گئے ہیں ، ارد گرد
 کے درخت بڑی تیزی سے میرے ساتھ بھاگ رہے ہیں ، آسمان صاف ہو چکا
 ہے اور پچھلے پہر کا چاند میرا ساتھ دے رہا ہے ، ایک سمت سے شور بلند ہوا ہے ،
 پورا پورا پکڑ لو ، مجھے کوئی نہیں پکڑتا اور میں تیزی سے بھاگ رہا ہوں ، بہت
 سی مسافیتیں ، بہت سے زمانے میرے ساتھ بھاگتے جا رہے ہیں !

موسم بدل چکا ہے اور اس کے ساتھ حالات بھی بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں، لوگ تبدیلی چاہتے ہیں، وہ کسی ایک تصویر کے پرستار نہیں ہیں، وہ اپنی میشت کا استحکام چاہتے ہیں، اولاد بڑھ گئی ہے اور حیرت سکر گئی ہے، ہر کوئی اپنی جگہ پر پریشان ہے جو خوشحال ہے وہ پریشان حال سے لائق ہے یہی نظام زلیست ہے اور اس کی تبدیلی کے بے شمار نسخے ہیں، لیکن مجھے ان سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے، میں ایک خود غرضی معاشرے کا باشندہ ہوں جس کی سوچ صرف اپنی ذات تک ہے، مجھے دوسروں سے صرف اس حد تک دلچسپی ہے کہ وہ مجھے کس حد تک فائدہ پہنچا سکتے ہیں، میں پہلے سالم تھا، پھر مجھے مسمار کر دیا گیا، اب کچھ بھی نہیں ہوں، صرف ایک ڈھیر ہوں اس لئے خطرے کی اخلاقیات سے آزاد ہوں، اب کسی چیز کے کھونے کا خوف نہیں ہے، صرف دل کی ایک میکانیکی دھڑکن ہے جب چاہے رُک جائے، کوئی ملال نہیں ہے۔ نہ جانتے بیٹھے کیا جنون اٹھتا ہے کہ ایک دم طرح طرح کے سوال کرنے لگتا ہوں، واہ کبھی زندگی کا حل سوال کرنے سے بھی ملا ہے۔ ان تمام تناقضات کے باوجود ایک منصوبہ ہے کہ جلد از جلد وافر دولت اکٹھی کر کے یہاں سے نکل جاؤں، اپنے ماضی اور حال کے بوسیدہ لباس کو یہیں سڑک پر پھینک جاؤں۔ آج صبح تڑپ کے ہی اٹھ کر احمد کے اذے پر آ گیا تھا، یہیں آکر مختصر سناٹا کیا، اخبار کا مطالعہ کیا اور سگریٹ سلگا کر ذہن کے ساتھ بھٹکنے لگا ہوں۔ میرے ارد گرد کافی دیر

سے کاروبار شروع ہو چکا ہے، لوگ آ جا رہے ہیں، وہی منظر ہے جو کافی دیر سے دیکھ دیکھ کر آنکھیں بے بس ہو چکی ہیں۔ صبح صبح اونگھ کیوں رہے ہو؟ احمد نے میرے کندھے پر زور سے دھپڑ مارا ہے، اور میں کرسی سے قریباً قریباً گر پڑا ہوں۔ احمد تم کہاں دفعہ ہو گئے تھے؟ میں ایک سائل کا بیان حلفیہ کرانے گیا تھا۔ میں گھر چلا ہوں، کیوں؟ پھوڑو یا بڑے دنوں کے بعد گپ شپ کا موقع ملا ہے۔ کوئی خاص بات ہے؟ نہیں، یار آج کل مندا جا رہا ہے۔

ہاں کچھ حالات ہی اس طرح کے ہیں۔ — مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے تم حنیفاں کے ہاں کیوں گئے تھے؟ تم نے جو واقعات بتائے تھے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جعفر نے یہ چال چلی تھی؛ ذہنا محتاط ہو کر رہو یہاں کوئی کسی کا سجن نہیں، یہ لوگ پل میں گلے میں بانہیں ڈال لیتے ہیں اور دوسرے لمحے چھرا نکال لیتے ہیں۔ میں نے جعفر کا کیا بگاڑا ہے؟ یہ بات کافی پرانی ہو چکی ہے۔ تمہاری وجہ سے اس کا کام مندا پڑ گیا ہے۔ حنیفاں جعفر کی بہن ہے! میں نے بھی یہی سنا ہے۔ اچھے میں پوہدری سے نجات چاہتا ہوں! وہ کینہ پرور ہے، ہر ایک کے سامنے ایمان داری کا ذکر کرتا ہے اور ہر ایک کو اپنا اعتمادی کہہ کر اس کے ذریعے گڑ بڑ کرتا ہے، میں نے ایک بات محسوس کی ہے کہ ہماری یہاں مخالفت بڑھتی جا رہی ہے، سارے منشی حسد سے پاگل ہو رہے ہیں، مجھے امین نے بتایا ہے کہ ہمیں ٹاؤٹ ڈیکلیر کرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں! کیوں؟ خواجہ صاحب سے ذکر کیا ہے؟ اس مٹی کے مادھونے کیا کر لینا ہے۔ یار میں کافی دیر تک یہی سوچتا رہا کہ خواجہ صاحب کوئی فرضی شخصیت ہیں۔ وہ نہ ہونے کے برابر ہے، مجھے تو صرف اس کا نام چاہیے ہے باقی کام میں خود ہی کر لیتا ہوں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے پاس ڈگری نہیں ہے۔ سنا تو میں نے بھی یہی ہے

لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ اس کی سند ۱۹۴۷ء میں جل گئی تھی وہ علی گڑھ کا مشہور طالب علم تھا، عجیب بات ہے کہ اس نے جس سال ڈگری حاصل کی اس سال فسادات کی وجہ سے امتحانات ملتوی ہو گئے تھے ہا ہا ! چھوڑو اس کو، ہمارے لئے وہ فائدہ مند ہے۔ یار حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں، میں محسوس کر رہا ہوں چند دنوں سے سائلوں کا رویہ بھی بدلتا جا رہا ہے۔ خیر جب تک اس ملک میں جہالت اور بدعنوانی رہے گی سائلوں کو اتو بنایا جاسکتا ہے۔ بڑے ظالم ہو ! یار زندگی میں فلسفے سے کام نہیں چلتا، کوشش مال کھینچنے کی کرنی چاہیئے، یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ کس طرح آتا ہے بلکہ یہ فکر کرنا چاہیئے کہ کتنا آتا ہے، شاید تمہیں احساس نہیں کہ میں تمہاری شخصیت کا مطالعہ بڑے غور سے کرتا ہوں، تم ہر بات میں جھجک اور تذبذب سے کام لیتے ہو کوئی سودا کرتے کرتے ایک دم لا تعلق ہو جاتے ہو، پیسے مانگتے اور پھینکتے ہیں تم میں ابھی وہ بے حیائی پیدا نہیں ہوئی جس کی ضرورت ہے، میں بات بعد میں کرتا ہوں پہلے دوسرے کی جیب ٹٹول لیتا ہوں، ہم اس چار دیواری میں انسانیت کا جھنڈا اٹھانے نہیں آئے اور نہ ہی بے کسوں کی امداد کا مقدس مشن کندھے پر لئے پھرتے ہیں، بات بڑی سیدھی ہے اگر ہم دوسرے سے نہیں پھینکے گے تو کوئی اور پھین کر لے جائے گا۔ تم نے یہ بے باکی کہاں سے سیکھی ہے؟ اپنے جیسوں سے، ہاں میں بات یہ کر رہا تھا ہمیں اپنے کاروبار کو پھیلانا ہے اس کو ماڈرنائز کرنا ہے، تم ہنس کیوں رہے ہو؟ نہیں بڑی سنجیدگی سے سن رہا ہوں۔ ایک تو یہ کہ شہری اور پڑھے لکھے سائل خواجہ کے بغیر مطمئن نہیں ہوتے اور مُصر ہوتے ہیں کہ جس نے قانونی جواز مہیا کرنا ہے اس سے بنفس نفیس ملنا ضروری ہے، عین ضرورت کے وقت خواجہ دستیاب نہیں ہوتا، بہن چود کو ایک طوائف زاد می لے بیٹھی ہے، کام کے وقت

بھی اس کی ماں کی چلیں بھر رہا ہوتا ہے، خنزیر تو اپنی عمر اور شکل دیکھ، بدبخت پرینٹنبل بھی نہیں ہے، تجھ سے جھگڑا مول لے کر اس نے بھوکا مرنا ہے، دوسرے یہ کہ وہ طوائف زادی کراچی شفٹ ہو رہی ہے اور آنجناب، ہجرت کرنیکی سوچ میں ہیں، میں نے اس ساری صورتِ حال کا ایک حل تلاش کیا ہے اس میں میری اور تمہاری دونوں کی بہتری ہے۔ اس ساری تفصیل کالب لباب ہے کیا؟ تم قانون کی کلاسوں میں داخلہ لے لو صبح کام اور شام — نہیں یار میں اس عمر میں کیا پڑھوں گا! کیوں ابھی سے بہت بوڑھے ہو گئے ہو؟ کچھ سمجھ لو، تجھے علم حاصل کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ شرم کس بات کی؟ زانہ تمہیں بھول چکا ہے، تم اپنے آپ کو بھول چکے ہو، سارا خرچہ میں برداشت کروں گا اگر کالچ جاتے ہوئے شرم آتی ہے تو تمہاری پرکسی کا بندوبست بھی کر لوں گا۔ میں نے لکھنا پڑھنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ تم ہاں کرو، امتحان کا بندوبست بھی کر لوں گا پیسے کے سامنے ہر چیز بیچ ہے، امتحان سے ایک ہفتہ پہلے تمہیں سارے پرچے مل جائیں گے تم ہاں کرنے والے بنو، پھر دیکھنا تم اور میں پارٹنر بن کر کس طرح دولت لوٹتے ہیں ہا ہا ہا..... اے اے اے کیسی سیکم بنائی ہے، رسہ گیری چھوڑ دے، کچھ فاصلے پر رکھے ہوئے تخت پوش پر میاں کریم کے منشی نے زور سے آواز لگائی ہے۔ اے اے اے تجھے کیا کھجلی ہوئی ہے، احمد یہ جواب دے کر اس کے تخت پوش کی طرف چلا گیا ہے۔

دوپہر ہو چکی ہے احمد نے ایک نئی سوچ کی پھل پھڑکی میرے ذہن میں چھوڑ دی ہے۔ میں اس پلان کے بارے میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں کہ طبیعت متلانے اور سرچکرا نے لگا ہے۔ میں پچھلے چند دنوں سے ضرورت سے زیادہ نقاہت محسوس کر رہا ہوں، کیونکہ مجھے کھانے پینے سے بالکل رغبت نہیں رہی ہے، گوشش

کرتا ہوں کہ دن میں ایک مرتبہ کھانا کھاؤں، ساری رات کم و بیش جاگتا رہتا ہوں اگر باہر نکلنے کا پروگرام نہ ہو تو وہسکی پی کر کمرے کی کھڑکی سے شہر کو دیکھتا رہتا۔ ہوں اس سارے عمل میں ذہن کو رے کاغذ کی طرح ہوتا ہے۔ احمد اٹھ کر پھر میری طرف آیا ہے : اچھا یا رہ میں گھر چلتا ہوں تم کچھ دیر اور انتظار کرتے کے بعد جانا شاید کچھ کام بن جائے، میں نے کہا سنا ہے آجکل چوہدری اور ملک مقبول کی ٹشن رہی ہے، چوہدری ہر دوسرے تیسرے دن اس کا ایک آدمی پکڑ لیتا ہے۔ اچھا، بھیڑ میں چلتا ہوں، میں یہاں انتظار کر کے کیا کروں گا؟ احمد شیطان نہیں، انسان ہے اسی لئے وہ ایک نئی سوچ میرے ذہن میں چھوڑ گیا ہے۔ خود مختاری حاصل کرنے کے لئے میں نے بھی امتحان دینے کے بارے میں سوچا تھا لیکن میں اس پیٹے میں اتنا دھنس گیا ہوں کہ مجھے امتحان کے بعد پھر نیا روپ دھارنا پڑے گا اور میری اس بدلی ہوئی حیثیت کو کوئی قبول نہیں کرے گا کہ پیشہ ور گواہ ایک دوسرے پیٹے کو ذیل کر رہا ہے۔ اگر ڈگری حاصل کرنے کے بعد میں دوسرے شہر میں چلا جاؤں؟ یہ ممکن نہیں ہے، یہ شہر میرا المیہ ہے اور غالباً مجھے اس المیے میں رہنا ہے، یہاں سے فرار کے منصوبے تو بہت ہیں لیکن وہ سوچ تک ہی محدود ہیں۔ میں عینقاں کے گھر خود نہیں گیا تھا، واقعات مجھے وہاں کھینچ کر لے گئے تھے، لیکن چوہدری نے ابھی تک اس مقدمہ میں میری بریت کا کوئی بندوبست نہیں کیا، محض جھوٹے سچے وعدہ کرتا ہے، وہ مجھے استعمال کر رہا ہے، مجھے اس سے رہائی حاصل کرنی چاہیے، میں بار بار اپنی یاد دہانی کرتا ہوں کہ مجھے کسی چیز کا خطرہ نہیں ہے اس کے باوجود میں اس کے آسیب سے باہر نہیں نکل سکتا، اس کے دباؤ پر میں نے رفیق کے خلاف جھوٹی شہادت دی، یہ غلط ہے، بالکل غلط ہے کہ میں رفیق کا قاتل ہوں، کسٹریس میں اس کی موت محض ایک اتفاقی

حادثہ تھا، وہ پہلے ہی سے ٹی بی کا مریض تھا، یہ اس گنجے منحنی اور معنک شخص کا
 فرض تھا کہ اسے رہا کر دیتا، کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے بڑی عاجزی
 سے کہا تھا : میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور تین سال سے ٹی بی کا مریض ہوں،
 میرے ساتھ ظلم ہوا ہے میں گھر سے دوائی لینے نکلا تھا کہ مجھ پر چوری ڈال دی گئی، تم
 خدا کو حاضر ناظر کہہ کر بتاؤ کہ تم نے مجھ سے کچھ برآمد ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ بابا
 کچھ قیمت ادا کر دو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا ! میرے پاس ایک دمڑی بھی نہیں ہے۔
 پھر میں مجبور ہوں ! بابو رحم کی بھیک مانگتا ہوں میری حالت بہت خراب ہے۔
 بابا میرے ساتھ بھی کسی نے رحم نہیں کیا تھا۔ تم اس کا بدلہ مجھ سے کیوں لیتے
 ہو ؟ میں تم سے نہیں اپنے آپ سے لے رہا ہوں ! میں چور نہیں ہوں میں نے
 بیادری میں بھی محنت کر کے بچوں کا پیٹ پالا ہے۔ اس کے لئے ایک سال قید
 با مشقت کی سزا تجویز ہوئی اس کے بدن نے یہ فیصلہ قبول نہ کیا اور کٹھڑے میں ہی
 ایک جھکے سے دم دے دیا۔ میں اس بے گناہ کے غم میں رات بھر دھسکی پیتا رہا،
 میں اس کا قاتل ہوں، نہیں، میں اس کی خاطر سچ کیوں بولتا میرا مطلب ہے
 جھوٹ کیوں بولتا کہ میں نے واقعہ نہیں دیکھا، اس کی موت سزا کے صدمے سے واقعہ
 ہوئی ہے، اف، میرے جرائم کی فہرست میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔
 ساری رات میرا ذہن ایک ڈھولک کی طرح بجتا رہا : میں قاتل ہوں ! میں نے
 سونے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ رفیق کا پتا اور کھانستا ہوا میری آنکھوں پر دستک
 دینے لگا : میں تمہیں اس طرح سونے نہیں دوں گا، اب ہر جگہ تمہارا تعاقب
 کروں گا موسموں، خوابوں، یادوں اور خدشوں کی صورت میں میرے قتل کا خون بہا
 ادا کرو۔ کیسے کروں ؟ میرے ہاتھ تمہارے خون سے رنگے ہوئے نہیں ہیں !
 ہر قتل کا کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے، میں نے رفیق کو سمجھا یا مگر وہ مطمئن نہیں

ہوا اور کہنے لگا : تم اسفل ہو، اچھا پھر ملوں گا ! میں اسفل ہوں ! یہ فراج ہے !
یہ دلال ہے ! پورا ڈکیت اور ظالم صرف واردات کرتے ہیں ، میں بھی واردات کرتا
ہوں ، وہ نہیں سوچتے میں سوچتا ہوں ، وہ اور میں دو عمل کا شکار ہیں ، میرے ساتھ
یہ نا انصافی کس نے کی ہے ؟ یہ نا انصافی کسی ایک خاص فرد نے نہیں کی ، سب
نے مل جل کر کی ہے ، میں ایک مدت سے یہاں اچھوتوں کی زندگی بسر کر رہا ہوں ،
میں ہر اعتبار سے گناہوار اور تنہا ہوں ، علیحدگی کی یہ سزا میرے اندر الوال العزیز نہیں
پیدا کر سکی۔ ارتکاب جرم ایک بدلیاتی عمل ہے اور ہر انسان اس کٹھالی میں سے
گزرتا ہے ، پوری چکاری اور قتل جبرائیم کے چند مظاہر ہیں ، جذباتی اور ذہنی جرائم
ان سے زیادہ شدید ہوتے ہیں ، منفی اور بے ہمار معاشرے میں یہ آپس میں اتنے
غلط ملط ہو جاتے ہیں کہ زندگی کی معمولات بن جاتے ہیں کسی کو یہ احساس نہیں
ہوتا کہ وہ شرافت کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی مجرمانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔
ارتکاب جرم زندگی سے رو برو ہونے کا ایک اسلوب ہے ، یہ احتجاج کی ایک
شکل ہے۔ جرم کے عوض سزا کی تجویز تصحیح کی ایک اخلاقی کوشش ہے۔ —
ادہ ، یہ جعفر کہاں سے آٹھکا ہے ، دبلا پتلا تیس سال کا قبول صورت لیکن
بھینگا ہے ، سارا دن مسلسل سگریٹ پیتا ہے ، ریلوے میں ملازم ہے۔ پر سارا دن
اس عمارت میں چکر لگاتا ہے ، اس کا دن کافی مصروف ہوتا ہے ، ایک کمرے
سے نکلتا ہے اور دوسرے میں جا گھستا ہے۔ جہاں وہ ان کمروں میں بڑے انہماک
سے کہتا ہے : جو کچھ کہوں گا ، ایمان سے سچ کہوں گا ، سارے ناظرین ہنسنے لگتے
ہیں ، پھر وہ رٹے ہوئے طوطے کی طرح آنکھ بند کر کے ایک ہی سانس میں نادیدہ
واقعات کو قابل وثوق طریقے سے بیان کرتا ہے ، لیکن میں یہ کام کیا
فرق پڑتا ہے ، لوگوں کی ہنسی میرے لئے اسی طرح بے معانی ہے جس طرح وہ ہیں ،

میں خود غرض ہوں کہ صرف اپنے لئے جیتتا ہوں۔ پردفیسر ادھر آؤ، جعفر نے نہایت غصے سے مجھے لٹکارا ہے، اسکے ہونٹ اور نکتے بڑی طرح کانپ رہے ہیں اور وہ مسلسل سگریٹ کے کش کھینچ رہا ہے۔ کس باپ کو پردفیسر کہہ رہے ہو؟ میں نے چلا کر کہا ہے اور اس کی جانب بڑھا ہوں، میرے اندر غصے سے پیدا شدہ اعتماد ہے پر بدن ایک بزدل کی طرح کانپ رہا ہے کیونکہ مجھے احمد کی تنبیہ یاد آگئی ہے۔ دیکھو، اس نے مضبوطی سے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا ہے: میں نے اس رات تمہارا لحاظ کیا تھا، کیسا لحاظ؟ تم نے تو مجھے قتل کرنے کی پوری کوشش تھی، میں تمہارے خلاف ۳۰ کا پرچہ کرا سکتا تھا لحاظ تو میں نے کیا تھا۔ اب کیا چاہتے ہو؟ میری نصیحت سنو، تم پڑھے لکھے آدمی ہو اپنا کام نقل نویسی، درخواست نویسی وغیرہ تک محدود رکھو، امدادی اور گواہ مت بنو۔ تمہیں اس سے کیا؟ تمہاری وجہ سے میرا رزق ختم ہوتا جا رہا ہے۔ جعفر اس میں میرا کیا تصور ہے تم نے ہر کمرے میں ہر واقعہ کے بارے میں اتنی سچائی کا اظہار کیا ہے کہ اب تم معتبر نہیں ہو۔ میں معتبر نہیں ہوں ہا ہا ہا پردفیسر، کبھی تمہاری طرح میری ہر بات پر اعتماد کیا جاتا تھا، اور شاید اب تمہیں علم نہیں ہے کہ تم پر بھی انگلیاں اٹھنے لگی ہیں، چند مہینوں کے بعد تم ایک کٹی پتنگ کی طرح ڈولتے پھرو گے، تم سو مرتبہ بھی حلف اٹھاؤ گے لیکن کوئی تم پر اعتبار نہیں کرے گا۔ تم چوہدری کو نہیں جانتے ہو، اب تمہیں ہر علاقے کا گواہ بنایا جا رہا ہے، یہ کہتے ہی جعفر نے اپنے نیچے سے ایک چمکتا ہوا خنجر نکالا ہے، میں ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے آزاد ہو کر مقابلے کے لئے تیار ہوں ہا ہا، پردفیسر میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا لیکن تمہیں آخری وارننگ دینا چاہتا ہوں..... بالکل آخری..... یہاں سے نکل جاؤ..... یہ چار دیواری بھول بھلیاں ہیں..... یہ آخری وارننگ ہے..

(۱۵)

میں اتنا فاسد العقل نہیں ہوں جتنا مجھے بنایا جا رہا ہے یا میں نے خود اپنے آپ کو بنانے کا تہہ کیا ہے ! مجھے احمد سازشی معلوم ہوتا ہے ، وہ چوہدری کا آدمی ہے ، اس نے مجھے کس چکر میں الجھا دیا ہے ؟ میں نے تو اس کے معاون کے طور پر کام کرتے کا معاہدہ کیا تھا لیکن وہ مجھے بتدریج ایک کڑی کے جال میں الجھاتا جا رہا ہے۔ مجھے جو نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا ہے ، مجھے کس تحفظ کی ضرورت ہے جو میں گھٹنے ٹیکتا جا رہا ہوں ؟ بولو جواب دو ! تم اس کائنات کی طرح کیوں گونگے بہرے ہو ؟ تم کس سمت کی طرف جا رہے ہو ؟ تلاشِ رزق تمہیں ایسی بھول بھلیوں کی طرف لے جا رہی ہے جہاں سے تم واپس نہیں آ سکو گے ، اگر کبھی آ بھی گئے تو اپنے آپ کو پہچان بھی نہیں سکو گے۔ تم نے اپنی قیمت بہت کم چکانی ہے ، تم یوسف نہیں ہو ، تم کچھ بھی نہیں ہو ، وقت بے وفا ہے ، یہ سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے ... اودھ ، یہ سب کچھ کیا ہے ؟ میرے گھر والوں کو میری اس زندگی کا علم نہیں ہے ، میں نے ان سے ملازمت کا جھوٹ بولا ہوا ہے۔ یوں بھی اب میں گھر بہت کم قیام کرتا ہوں۔ صبح مجھے اپنے ساتھ لے جاتا ہے ، دن بھر کام کاج اور پھر بعض دفعہ رات کو گشت کے لئے بلا لیا جاتا ہوں۔ جب شام فارغ ہو تو میں احمد کے اڈے سے اٹھ کر شہر کی گمنام سڑکوں سے گزرتا ہوا اس پرانے باغ میں نکل جاتا ہوں جہاں میں نے آئندہ کا خواب دیکھا تھا ، اب اسی خواب کے غبار کو فضا میں سے ریزہ ریزہ ہوتا ہوا دیکھتا ہوں ، یہ میرا مشغلہ ہے۔ سگریٹ پیتا ہوں ، جیب میں سے ”جن“

کا مملول جلدی سے خلق میں اندیشہ ہوں کہ مجھے کوئی دیکھ نہ لے۔ راہ چلتے ہوئے بھی بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں کہ کوئی میری شناخت نہ کر لے۔ پھر خود ہی ہنسنے لگتا ہوں، میں نے داڑھی اور لمبے بالوں میں اپنے آپ کو کب سے چھپا رکھا ہے، احمد کے اڈے پر بھی لوگ مجھے صوفی صاحب کہتے گئے ہیں۔ میں اس القاب پر کسی کو ٹوکتا نہیں ہوں۔ ایک دو مرتبہ احمد نے اور ماں نے مجھے اس ٹھیلے پر سسزنش کی، میں اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ سوال اور جواب ایک جلدیاتی فعل ہے، میرے پاس نہ سوال کرنے کے لئے کچھ ہے اور نہ جواب فراہم کرنے کا اثاثہ۔ جب یہ کچھ نہیں ہے پھر میں نے زندگی کے حق میں کیوں فیصلہ دیا تھا؟ کھانا پینا ہی تو اصل حیات نہیں ہے، کچھ کرنا مقصد حیات ہے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکا ہوں، اس لئے میرا مقصد حیات کچھ وہ ہے جس کی ماہیت سے میں آشنا نہیں ہوں۔ بہن بھائیوں کے لئے زندہ رہنا سانس لینے کا بہانا ہے۔ میں زندگی کو امید سمجھتا رہا ہوں، لیکن یہ امید مایوسی اور موت سے ایک دانستہ فرار ہے، اس لئے میں زندگی اور موت کے درمیان ہوں۔ اوہ، احمد! تو نے مجھے کیا کیا بنا دیا ہے؟ میں نے عاجزانہ طور پر زندگی کو مکر شروع کرنا چاہا تھا لیکن تم نے یہ کیا کیا؟ میں ان سے پہچنا چاہتا تھا جو بغیر کسی وجہ کے ایک مدت سے میرے تعاقب میں تھے لیکن تم نے پھر مجھے ان کی تحویل میں دے دیا۔ تم مجھے ہی تسلیاں دیتے رہے کہ ان سے تعلق استوار رکھنے سے کام پھیلتا ہے، طرح طرح کے لوگوں سے رابطہ قائم ہوتا ہے، اوہ، تم نے مجھے فردخت کر دیا ہے! فردخت کر دیا ہے! میں اپنی تصدیق نہیں کر سکا ہوں کہ مجھے مشکوک سمجھا گیا ہے، میں مشکوک کے ناکردہ عوائل کی تصدیق کیسے کروں؟ تجھے استعمال کیا جا رہا ہے، بعض لوگ بے عینٹ بننے کے لئے جہنم لیتے ہیں، جو اپنے بجائے دوسرے کی مغیبت کا مسلسل ہدف ہوتے ہیں، کچھ نہ کرتے ہوئے

بھی کچھ کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ بھی انکب خواب نہیں ہے، حقیقت ہے! میں نے ایک پیٹے میں چھپ کر پناہ لی تھی، میں کوزے کو دریا سمجھتا تھا، جب کوزہ ٹھوکر سے ریزہ ریزہ ہو گیا تو پھر ہر طرف سیلاب ہی سیلاب نظر آیا۔ لیکن مجھے یقین ہے میں بچ نکلوں گا۔ احمد ایک معمولی سی حقیقت ہے، چوہدری، ملک لال خاں، حمید، نذر ہت، کوثر سب ڈوبتی ہوئی تصویریں ہیں۔ زندگی کا دریا ان سے باہر بھی ہے۔ یہ اتنی بڑی نہیں ہے جتنا اسے بنا دیا گیا ہے، میرے لئے یہی ہے، یہی زنجیریں ہیں، میں ان سے آزاد ہو جاؤں گا۔ مجھے ماں سے محبت نہیں ہے، اس کی صورت حال رحم پیدا کرتی ہے۔ ماں سے فطری، ازلی اور غیر منقطع لگاؤ کے نظریے محض فتنے ہیں۔ آدمی کسی ایک بطن سے پیدا ہو سکتا ہے، کسی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے، لایا ب میں سے کوئی ایک میری ماں ہو سکتی ہے، کوئی ایک میرا باپ ہو سکتا ہے۔ یہ سب حیاتیاتی حادثات ہیں، رشتوں کی بجائے انسان کی تنظیم ضروری ہے! کہا جاتا ہے انسان مجسم ہوتے ہوئے بھی تجرید ہے، ذاتِ انسانی کی تنظیم کے لئے اسے رشتوں میں بانٹنا ضروری ہے، جو رشتہ مضبوط اور نزدیک ہو وہ سب سے زیادہ معظم ہے، علی الترتیب، وغیرہ وغیرہ، یہ سب خرافاتی ضابطہ اخلاق ہے جس کی تائید نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے! میرا راستہ اب ضابطہ اخلاق کی عدم موجودگی ہے جہاں سب کچھ جائز ہے!

کافی راتوں کی گشت کے بعد میں نے توبہ کر لی ہے، کسی ضابطہ اخلاق کی خاطر نہیں، ایک ذاتی وجہ کی بنا پر۔ یوں تو گشت کا مشغلہ کافی سود مند ہے، کافی کچھ مل جاتا ہے لیکن ملک لال خان نے مجھے مکشف کر دیا ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ مجھے میرے ماضی کے حوالے سے جانا جائے۔ میں جو کچھ اب ہوں وہی سب کچھ ہوں،

اس سے پرے کچھ بھی نہیں ہوں۔ میری تمام تر احتیاط کے باوجود مجھے چند مقامات پر شناخت کر لیا گیا ہے لیکن میں نے مسلسل انکار کے ذریعے ماضی کے ہر رشتے سے اپنی تردید کی ہے، یہ گزرا ہوا وقت ہے، ایک یاد رفتہ ہے۔ یہ عمارت میری زندگی کا ایک نیا باب ہے، میں اس راستے سے پہلی مرتبہ داخل ہوا ہوں۔

(۱۶)

احمد سے میری ملاقات بیحد مختصر اور سرسری تھی۔ میں نے اسے نفی یا اثبات میں جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے جو کچھ مجھے کہا تھا مجھے اس میں توہین کی بولائی تھی۔ میں اپنے آپ کو سمار کیے کر سکتا ہوں؟ میں نے لاکھوں مرتبہ اپنے ننھے ہوئے ذہن سے استفسار کیا، اندر سے ایک ہی جواب ملا: اگر کچھ اور کر سکتے ہو تو کر کے دیکھ لو، تمہیں ہر طرف سے جواب مل چکا ہے، تمہارے وجود پر معاشرے نے بہرِ ثبوت کردی ہے، تمہیں اب کوئی بھی کسی سطح پر قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے، جو تمہیں قبول کرے گا وہ خود شکنجے میں آجائے گا۔ میں نے پھر استدلال کیا: پول گواں مجھ سے زیادہ جہذب تھا، وہ مصور تھا، اس نے جزائرِ تہیٰ میں اپنی شائستگی اور تہذیب کی ساری بناوٹ کو تار تار کر کے اپنے آپ کو تہیٰ کا ناتراشیدہ شخص بنالیا تھا، تم میں کوئی ایسی بات ہے کہ تمہیں اس پیشے سے شرم آتی ہے، تم ہو کیا؟ ایک اوسط درجے کا شخص جس میں کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مجھے یہ استدلال پسند آیا ہے، لیکن سوچنے کے لئے مہلت درکار ہے۔ ایک ماہ گزر چکا ہے اور میں نے ابھی تک احمد کو کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ میرے لئے اب کوئی راستہ نہیں ہے، میں یا احمد کی پیش کش کو قبول کر لوں یا سٹریوچن کی طرح خود کشی کا راستہ اختیار کروں؟ وہ بے وقوف خدا بننا چاہتا تھا، میں کسی ایسی مابعد الطبیعیاتی کے مفاد کے شکار نہیں ہوں۔ دوسری طرف میں احمد کا ساتھی بن کر مالیوسی کو امید سمجھ کر خود کشی سے گریز کر جاؤں، لیکن یہ کام کامیو کر سکتا ہے۔

ہاں، ایک صورت ہے، میں وہ امتحان پاس کر لوں جس کے ذریعے میں اپنا دفاع کر سکتا ہوں، پھر میں اتحاد سے بطور اسٹنٹ کام لوں گا، وہ نیرک ہے، یہ ایک شاطرانہ منصوبہ ہے، لیکن مجھے دو سالوں تک پھر مطالعہ کرنا ہوگا، ایک نو آموز کی طرح ایک نئی اسجد کو حفظ کرنا ہوگا، اس منصوبے کی کفالت کون کرے گا؟ مجھے زندہ رہنا ہے اور میرے حوالے سے دوسروں نے بھی زندگی کرنی ہے۔ میں نے زندگی کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ کیا وقت مجھے یہ مہلت دے گا؟ میرے اعصاب پہلے ہی شل ہو چکے ہیں، میں اب مطالعے کا حوصلہ نہیں رکھتا ہوں، میں نے اس رابطے کو منقطع کر دیا ہے۔ یہ منصوبہ بُرا نہیں ہے، میں کسی سے انتقام لینا نہیں چاہتا ہوں، لیکن مجھے کسی کی بھلائی سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔ مجھے صرف زندہ رہنا ہے، موت میرے بغیر زندگی کا تسلسل ہے جو میرے لئے مہمل ہے۔ میں زندگی کو معافی دینے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ ابھی چند دن ہوئے میں نے ایک بھیا نک خواب دیکھا تھا، عجیب و غریب شکلیں، ناقابل فہم ہم، نہ سر اور نہ پیر، یہ کیسی شناخت ہے؟ مجھ سے کیسی شہادت طلب کی گئی تھی؟ کیا یہ میری تھپی جس تھی؟ کہا جاتا ہے خواب بشارت ہوتی ہے، وہ آنے والے واقعات کے بارے میں علامتوں کے ذریعے متنبہ کرتی ہے۔ ابھی تک ذہن دو سمتوں میں سفر کر رہا ہے، ایک طرف احمد اور دوسری طرف ایک پختہ انکار، میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اس قہر کو قبول کر سکتا ہوں، اس سے بھوکا رہنا بہتر ہے، مزدوری کرنا افضل ہے۔ — یہ باتیں اپنی جگہ پر درست ہیں، بیکار دینے کتنے ہمیں گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک کوئی سلسلہ نہیں بنا، دو تین مرتبہ کوشش بھی کی لیکن ماضی ایک پختہ یاد کی طرح سامنے آ جاتا ہے، میں پہلے کیا تھا؟ اب ایسا کیوں ہوں؟ میں ہر جگہ، ہر

شخص کو تفصیل سے آگاہ نہیں کر سکتا، کروں بھی تو پھر انکار سامنے ہیں، ایک
 پرائیویٹ دفتر میں گیا، ماضی کی تفصیل پوچھی گئی، انٹر ویو لینے والے ہٹکا بٹکا ہو
 کر مجھے دیکھنے لگے اور نظروں نظروں میں مجھ سے دور رہنے کے لئے کہا جیسے
 میں اچھوت ہوں! گھر والے بھی مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں، ملنے والے
 مصلحتاً بچھڑ گئے ہیں، احمد مجھ سے جواب چاہتا ہے، دوستی کے حوالے سے
 یا ضرورت کے تحت؟ مجھے تجربے کی ضرورت نہیں، ہر کیفیت میں جو کچھ بھی
 کرنا چاہتا ہوں وہ محض عارضی ہے، موقع ملنے ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا!

میرا ہر ایک قدم میرے خطرناک ارادے کی تکمیل کے لئے آگے بڑھا رہا ہے، میں شہر کا کافی حصہ پیچھے چھوڑا آیا ہوں، سڑک کی روشنیوں کی لکیر میرے تعاقب میں ہے، رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ میں صبح سویرے ہی گھر سے باہر نکل گیا تھا، کسی کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ میں نے یہ دن کہاں بسر کیا ہے؟ کن لوگوں کے ساتھ ملا ہوں، یہ میرے منصوبے کا ایک حصہ تھا، رات کا اقامت صبح تک دماغ میں سفر کرتا رہا، میں چوہدری کے غیض و غضب اور حکم سے کافی دیر سے واقف ہوں، یہ ایک منحوس دمدار ستارے کی طرح میرے تعاقب میں ہے، اس کو میرے لئے یا مجھے اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے، کہتا تھا قیامت تک پیچھا نہیں چھوڑوں گا، یہ اس کا منالطہ تھا، وہ میرے اندر کی تبدیلی سے آگاہ نہیں تھا، وہ کسی قدر کھسیانہ بھی تھا کہ میرا تحفظ نہیں کر سکا، نہ جانے میں بھی کیوں اس منالطے کا کافی دیر شکار رہا ہوں کہ اس سے وابستہ رہ کر ہی میں محفوظ رہ سکتا ہوں، مجھے خطرہ کس بات کا ہے؟ ملازمت ایک مدت سے چلی گئی ہے، میری ذات کا وہ حصہ بھی اس کے ساتھ روانہ ہو چکا ہے، میں اسے واپس بلاؤں بھی تو واپس نہیں آ سکتی۔ میں ڈیڑھ دو سال میں کتنی دولت کما سکا ہوں، میں نے کھویا زیادہ ہے اور پایا کچھ نہیں، اس سے بہتر درپوزہ گری بھتی، ہو سکتا ہے چوہدری نے ارادہ بدل دیا ہو؟ ہو سکتا ہے وہ میرے خلاف کارروائی کرنے کی تیاری کر رہا ہو؟ لیکن

چوہدری، چوہدری کے بچے، تم نے میرے جہنم کی معنویت مجھ سے چھین لی ہے، میں نے اپنا چانس لینا ہے، اس کی کامیابی کا انحصار واقعات پر ہے مجھے ڈرنا نہیں چاہیے، میرے خلاف کوئی شہادت مرتب نہیں کی جاسکتی، صرف میں ہی اپنے خلاف خود شاہد ہوں۔ آج صبح ناہید کی سہیل ایک گننام سی سڑک پر اتفاقاً ملی تھی اور اس کے مطابق ناہید اپنی ایک نوکرانی کے ساتھ، منزرا چلی گئی ہے۔ ناہید کی سہیل کے مطابق وہ مجھ سے بہت دل برداشتہ تھی اور اس نے میرے نام کے ساتھ بہت سی منفی صفات کا اضافہ کیا تھا۔ مجھے طال نہ ہوا کہ میں پہلے ہی یاد دل رفیقہ کا اسیر ہوں، یوں بھی ہمارے درمیان کوئی قدر مشترک نہ رہی تھی، دو متوازی لکیروں کو یکجا کیا جانا ممکن نہیں ہے۔ تاہم میں نے اسے کسی تفصیل سے مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھا کہ بارہ گھنٹے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا تھا، نہ جانے زاہد کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، اسے بھی اس قدیم آسیبی عمارت میں تبدیل کر دیا جائے گا جہاں راز اور سچائی کو جسمانی اذیت میں تلاش کیا جاتا ہے، انہیں ناکامی ہوگی، لیکن وہ پوری کوشش کریں گے۔ میں جس مشن پر جا رہا ہوں وہ کافی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، خطرہ خطرہ چار حروف کا یہ مرکب انسانی زندگی کے لئے کتنا ہلکا ہے، یہ بذاتِ خود کوئی وجود یا حیثیت نہیں رکھتا، یہ ایک بیماری ہے جو بذاتِ خود بیماری نہیں لیکن دوسرے اعضا کو مفلوج کر دیتی ہے، خطرے کا احساس ذاتی تحفظ کا نتیجہ ہے، خطرہ اپنا ضعف اور دوسرے کی تقویت کا احساس ہے، یہ اپنے آپ کی اہمیت کا احساس ہے، یہ اپنے آپ کو یا اپنی انا کو ثابت و سالم رکھنے کی کوشش ہے، یہ درحقیقت ایک شعوری ذہنی کیفیت ہے جو اپنی بجائے دوسرے کو اہمیت دیتی ہے۔ یہ عدم تحفظ کی کیفیت ہے جس کا تعلق ماضی اور حال کی بجائے

مستقبل سے ہے، خطرے کی دو قسمیں ہیں: عقلی اور غیر عقلی، غیر عقلی خطرے کا تعلق شخصی نفسیات سے ہے، مجھے بیٹھے بیٹھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، جب میں سوچتا ہوں کہ میری کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے مجھے کوئی کیوں قتل کرے گا؟ اس سوچ کے ساتھ ہی خطرے کو ختم ہو جانا چاہیے لیکن یہ اصرار کہ دشمنی کے بغیر بھی مجھے کوئی قتل کر سکتا ہے، محض ایک نفسیاتی کیفیت ہے، موت ایک اٹل حقیقت ہے، اس سے سینہ سپر ہونے کے لئے کہا جاتا ہے کہ حیات انسانی ایک عارضی توقف ہے اصل زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے، دوسرا ہنس کر بات کاٹتا ہے: پیدائش کا مقصد موت کی طرف رجعت ہے اس لئے موت کا خوف محض احمقانہ خطرہ ہے، تیسرا موت سے دہشت زدہ ہو کر ہر وقت موت کا ذکر کرتا ہے، چوتھا خواہش مرگ کا اظہار کرتے ہوئے ہر روز اپنا طبی معائنہ کراتا ہے، چاروں ایک خطرے سے بچنے کے لئے استدلال کرتے ہیں لیکن ہر صورت میں اس خطرے کا سدباب نہیں کر پاتے، خطرہ ہونی اور انہونی کا خوف ہے، جو بے خطر ہے وہ عام انسان سے زیادہ خطرات مول لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں جس خطرے کا شکار رہا ہوں وہ فرضی نہیں حقیقی تھا، خطرے نے مجھے نوا مخواہ زیر زمین کر دیا تھا، مجھے ہرگز گبھرانا نہیں چاہیے، کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی، میں جو کچھ کرنے والا ہوں اس کا جواز میرے پاس موجود ہے، میں اپنی قیمت ادا کر چکا ہوں، اب اس کی باری ہے۔ میں نے اپنے گرد بہت کچھ ہوتے دیکھا ہے، میں سنگ دل ہوں، میں ناقابل اصلاح ہوں، مجھے بیگناہوں سے معافی مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، اگر میں اس مرتبہ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو خودکشی کو بطور اعتراف شکست قبول کر لوں گا! آزادی کو ہمیشہ کے لئے

چھین لوں گا۔ میں نے پورے ایکشن کو اچھی طرح پلان کر لیا ہے، میری طرف سے منصوبہ مکمل ہے، تکمیل کا انحصار اس پر ہے کہ میں اسے زیادہ سے زیادہ اشتعال دوں، یہ شہراب ایک نیا تماشا دیکھے گا، صرف ایک گھنٹہ باقی رہ گیا ہے اور ابھی کافی راستہ طے کرنا ہے، غالباً شادے کو اطلاع دیر سے ملی اس لئے میرے مشن میں کسی قدر دیر ہو گئی ہے، اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے پہلے میں نے کچھ راستہ ٹیکسی میں طے کیا پھر معاشک گزرا کہ کہیں یہ ٹیکسی ڈرائیور ہی میرے خلاف ثبوت نہ بن جائے، وہ بار بار پوچھ رہا تھا کہ میں اس غیر آباد علاقے کی کس گلی میں، کس کے پاس جانا چاہتا ہوں، جب میں نے تنگ آکر کہا کہ میں اس کی ٹیکسی لوٹنا نہیں چاہتا تو وہ کھسیانی ہنسی کے بعد خاموش ہو گیا، میں نے اس کے ساتھ مزید سفر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کرایہ ادا کر کے جلدی سے اتر گیا۔ میں کافی دیر سے تیز تیز پیدل چل رہا ہوں۔

پختہ سڑک ختم ہو گئی ہے، ملک مقبول کا ڈیرہ کچی آبادی میں واقع ہے، یہاں سے سوگڑ کے فاصلے پر درختوں کے جھرمٹ کے پیچھے اس کی حویلی ہے، یہ آبادی زیادہ تر گوجروں اور مصلیوں کے کچے مکانوں پر مشتمل ہے، میں ایک دو مرتبہ پہلے یہاں آچکا ہوں، ایک دفعہ چوہدری کا پیغام لے کر ملک مقبول کے پاس آیا تھا اور ایک دفعیوں ہی اسے ملنے گیا تھا، دراصل اس دن مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی، اس دن وہ بڑے موڈ میں تھا میں نے ذرا سا اشارہ کیا تو اس نے سو روپے کا نوٹ میرے حوالے کر دیا تھا، میں نے شکر یہ ادا کرنا چاہا تو مسکرا کر کہنے لگا: پروفیسر میں نے تمہیں یہ روپے اس لئے نہیں دیئے کہ تم چوہدری کے آدمی ہو بلکہ اس لئے کہ تمہاری مدد کی جانی ضروری ہے، مجھے اس کی دریا دلی پر کسی قدر حیرت بھی ہوئی تھی، ملک اتنا بُرا اور خونخوار

نہیں ہے جتنا اسے بنا دیا گیا ہے، اس کی گفتگو میں ذہانت کی چمک ہے۔
 کون ہو؟ کسی نے درختوں کے جھنڈ میں سے ایک دم میرا راستہ روک لیا ہے،
 تم کون ہو؟ میں نے اس سے سوال کیا ہے۔ پہلے تم بتاؤ اس نے تکمانہ انداز
 میں پستول کی نالی میرے سینے پر رکھتے ہوئے پوچھا ہے۔ میں ملک سے ملنا چاہتا
 ہوں، تم پروفیسر ہو، ہاں میں ہوں۔ وہ مزید گنتگو کئے بغیر میرے آگے
 آگے چل رہا ہے، میں اور وہ ایک سوئی کے باہر نیم تاریکی میں کھڑے ہیں، اس
 نے پستول کے دسے کے ساتھ مخصوص انداز میں دستک دی ہے، کچھ وقفے کے بعد
 سوئی کا دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ نیم وا ہوا ہے، ہم دونوں سوئی کے صحن میں
 داخل ہوئے ہیں، سوئی کا صحن اس قدر روشنی سے منور ہے کہ دن چڑھا ہوا معلوم
 ہوتا ہے۔ سوئی کے تینوں طرف بے شمار کمرے ہیں جن کے دروازے بند ہیں مگر
 روشندانوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آرہی ہے، بند دروازوں کے عقب سے
 ہنسنے، گالیوں اور بے ہنگم آوازوں کا شور آرہا ہے۔ میری دائیں جانب سے کھٹ
 سے دروازہ کھلا ہے اور ملک مقبول کے کازندے نے مجھے اندر داخل ہونے کا
 اشارہ کیا ہے دروازے پر سرخ رنگ کے دبیز ریشمی پردے لٹک رہے ہیں
 اور ان کے نیچے سے ہلکے سبز رنگ کی روشنی کے ساتھ مغربی دھن کا آراکسٹرا بج
 رہا ہے، میں نے پردے پیچھے سے کھانس کر اپنی آمد کا اعلان کیا ہے آجاؤ پروفیسر
 اس نے بھاری مخمور آواز میں اندر بلایا ہے، میرے اندر داخل ہوتے ہی اس کے
 ساتھ پینگ پرلیٹی ہوئی ایک نیم برہنہ عورت سمٹنے لگی ہے، لیکن ملک معافی خیز لگا ہوا
 سے مجھے دیکھنے لگا ہے جیسے میری آمد کسی پیام کا درجہ رکھتی ہو۔ میں بھی کچھ ترمسار ہو
 کر پیچھے ہٹنے لگا ہوں تو اس نے ایک جملے کے ساتھ میرا راستہ روک لیا ہے:
 پروفیسر، بیٹھو یہ بھی ہماری طرح کی انسان ہے، ملک مقبول کا کمرہ ایرکنڈیشنز کی وجہ

سے رنج بستہ ہے، بزرنگ کی روشنی ہلکی موسیقی خوبصورت عورت کی رقابت اور
 سکاچ دھسکی کی بھینسی بھینسی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ ملک صاحب میں آپ
 سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی خاص بات ہے؟ ہاں بہت ضروری،
 اس وقت رات کے کتنے بجے ہیں؟ میں شراب پینے سے پہلے اور بعد میں وقت
 نہیں دیکھتا، کیا بات ہے؟ تم نے مجھے اس وقت کیوں ڈسٹرب کیا ہے؟ چھیمو
 چھیمو تمہارے پاس گھڑی ہے؟ گیارہ بیس، چھیمو نا ہی عورت نے کسی قدر
 گھبراہٹ سے جواب دیا ہے۔ صرف چالیس منٹ رہ گئے ہیں.....!
 اوہ، پروفیسر تم خطرے کا اعلان کر کے مسکاح کا نشہ ختم کرنا چاہتے ہو، لو وہی
 ہیو۔ ملک صاحب دھسکی پینے کا وقت نہیں ہے بہت زیادہ خطرہ ہے۔ میرے
 لئے یا تمہارے لئے؟ ہم دونوں کے لئے میری یہاں پر موجودگی اور آپ کا یہاں
 پر رہنا.....۔ پروفیسر ذیل پیگ خطرے کے آمد سے پہلے خطرے کی ٹینشن
 کو دور کرنا ضروری ہے! میں آپ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ چھیمو
 اپنی خاص ہے اس سے کیا پردہ؟ نہیں ملک صاحب جہاں راز یا سازش کی
 بات ہو، وہاں عورت کی موجودگی مکمل تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ ہا ہا پروفیسر
 تم فلسفی ہو، کس دھندے میں پڑ گئے ہو؟ چھیمو تم دوسرے کمرے میں چلی جاؤ،
 بس اب خوش ہو۔ بس اب ٹھیک ہے، ملک صاحب، آپ کی زندگی خطرے
 میں ہے، یہاں سے جلدی... پروفیسر ریڈیو گرام بند کر دو، تم واقعی مجھے سنجیدہ کرنا
 چاہتے ہو، بات کرنے سے پہلے معاوضہ ملے کرنا چاہتے ہو، نہیں یہ، آپ
 کی مرضی پر منحصر ہے، ملک صاحب آپ بارہ بجے سے پہلے یہاں سے نکل
 جائیں۔ میں کسی خطرے سے نہیں ڈرتا، میں خود خطرہ ہوں۔ میں دھوکا دینے نہیں
 آیا! تم چوہدری کے کیمپ کے آدمی ہو مجھے علم ہے کہ چوہدری نے تمہیں دو تین

مرتبہ میرے ڈیرے پر منتقلی لینے کے بہانے بھیجا تھا لیکن تم درحقیقت
 آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اس کی تفصیل پھر بتاؤں گا آج رات پورے بارہ بجے
 بڑا زبردست ریڈ ہونے والا ہے، مجھے کسی نے اطلاع دی ہے۔ ریڈ ہا ہا !
 چوہدری کیسے جرأت کر سکتا ہے؟ وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے، ہم آج سے نہیں
 پچھلے پچیس سال سے ایک دوسرے پر دار کر رہے، پروفیسر معاف کرنا ذرا
 اس الماری سے سکاچ کی نئی بوتل نکالنا۔ ملک صاحب آپ ہوش میں نہیں ہیں
 وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے! تم اتنے ندوس کیوں ہو؟ میں اس وقت فیصلہ
 کرتا ہوں جب خطرہ بہت قریب ہوتا ہے میں خطرے کو صرف یہی بتاتا ہوں کہ
 خطرے کو ختم کرنے سے خطرہ ختم ہو سکتا ہے..... ہا ہا ہا۔ ملک صاحب
 آپ کسی وجہ کے بغیر جان دینا چاہتے ہیں؟ میں موت سے نہیں ڈرتا میں اس
 وقت موت کو قبول کر دوں گا جس وقت مجھے اس کی ضرورت ہوگی، تمہیں کس طرح
 پتہ ہے کہ آج مجھے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے؟ چوہدری کیسے جرأت کر سکتا ہے؟
 وہ مجھے بہت دیر سے جانتا ہے، اسے پتہ ہے کہ میں بھی بدلے کی تاک میں ہوں۔
 جب تک یہ بد بخت اس علاقے میں رہے گا نہ آپ کو چھوڑے گا اور نہ میری
 خلاصی کرے گا۔ پروفیسر میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا ہے، پہلے
 مجھے یقین نہ آیا میں نے اپنی طرف دیکھا تو اس ناقابل یقین کہانی پر یقین آیا کہ ایک
 انجینئر بستہ الصفا کا بد معاشر ہو سکتا ہے تو ایک پروفیسر امدادی میں کیونکر تبدیل
 نہیں ہو سکتا؟ پروفیسر تم بزدل ہو، میری طرف دیکھو میں نے کتنا خوفناک احتجاج
 کیا ہے، میں تمہیں اس لئے پسند کرتا ہوں کہ اس وقت ہم جو کچھ ہیں ہمیں یہ حیثیتیں
 قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہے، شاید تمہیں پتہ ہے کہ میں نے خوفناک مجرم بن کر
 نا انصافی کا مقابلہ کیا ہے، میں ہتھیار ڈالنا نہیں جانتا، چوہدری میرے باپ کا

قاتل ہے ! اس کے بارے میں میں نے بھی کچھ سنا ہے۔ آج سے بیس سال پہلے اس نے میرے باپ کو شبہ کی بنا پر ایک واردات میں ملوث کر لیا تھا، میں اس زمانے میں انجینئرنگ کرنے کے بعد نیا نیا ایس ڈی او، بھرتی ہوا تھا، اس چوہدری نے اس بہن چود نے، تفتیش کے دوران میرے باپ پر اتنا تشدد کیا کہ اس نے جان دے دی، وہ نہایت نیک سیدھا سادھا کلرک تھا، خدا اور انسان دونوں سے ڈرتا تھا، میں نے اشتعال میں آکر اس کے بھائی کو قتل کر دیا، اس نے مجھے پکڑنا چاہا، میں باڈر پار کر کے اپنے ایک سگھ دوست کے پاس تین سال چھپا رہا، وہاں جب بحری ہوئی تو میں واپس آگیا اور دو برس تک بھیس بدل کر مختلف شہروں میں پھرتا رہا، اس کے بعد میں اتنا مضبوط ہوتا گیا کہ مجھے دوبارہ گرفت میں لینا مشکل ہو گیا، میں نے دہشت اور دولت کے ذریعے مقابلہ کیا ہے، یہ اتفاق ہے کہ میں اور چوہدری چو بیس سال کے بعد ایک جگہ اکٹھے ہوئے ہیں، وہ منتقلی کے بہانے مجھے دوبارہ مشغول کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے، مجھے حسبِ ضابطہ سزا نہیں دی جاسکتی، اسی لئے مجھے مقابلے کے ذریعے قتل کرنے کا پلان بنایا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ چوہدری جب تک زندہ ہے وہ ہر صورت میں دار کرے گا۔ چوہدری کا کینہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ روز روز کی بک بک کا فیصلہ ہونا چاہیے، ملک صاحب ! پھر پروفیسر آج چوہدری کا تیا پانچا ہو جائے۔ بالکل میں یہ اطلاع اسی غرض سے یہاں لایا ہوں لیکن میری آمد کی اطلاع کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔ بہت ڈراکل ہو، جوانی کا دروائی میں ہم دونوں شریک ہیں ! ملک صاحب۔ تم فکر مت کرو میری شین گن بڑی وفادار ہے میرا باپ ابھی کل مجھے خواب میں ملا تھا اس کے سارے کپڑے لہو لہان تھے وہ ابھی تک اپنا قصاص مانگتا ہے میں اسے چھلنی کر دوں گا، اور اس کے بعد، میں کل کے بارے میں نہیں سوچتا، میں چوبیس برس بعد پھر باڈر

کراس کر جاؤں گا، ہر نام سنگھ ابھی زندہ ہے، پچھلے برس وہ مجھے باڈر پر ملا تھا،
 اگر یہاں پکڑا گیا تو میرے پاس کافی دولت ہے اسے بطور ڈھال استعمال کروں
 گا، پروفیسر اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے قربانی اور جدوجہد کی ضرورت ہے،
 اگر میں زندہ بچ گیا تو تم میرے ساتھ شامل ہو سکتے ہو، ہم دونوں اپنی جارحیت
 جاری رکھیں گے! ملک صاحب میں چلتا ہوں، بہت کم وقت رہ گیا ہے، ہو
 سکتا ہے راستے میں مڈ بھیڑ ہو جائے۔ باہر میری جیب کھڑی ہے، ڈرائیور نہیں
 چھوڑ آتا ہے!

مجھے سوچنے اور فیصلے کے لئے صرت پانچ منٹ کی مہلت ہے، میری آنکھوں کے سامنے ہزار ہزار کینڈل پاؤر کے بلب پانچ منٹ کے لئے بجھا دیئے گئے ہیں لیکن ان کے بجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ وہ میری آنکھوں کے اتنے قریب روشن تھے کہ روشنی کے باوجود تاریکی تھی۔ میری بینائی سلب ہو چکی ہے، میرا بدن میری ٹانگوں کے لئے بوجھ بن چکا ہے، میرے پیٹ میں اتنی ٹھوکریں ماری جا چکی ہیں کہ ساری آنتیں ابولہان ہو چکی ہیں، دماغ میں چونٹیاں اُبل رہی ہیں، خوف اور تھکن ——— وہ یہی دن ہے جس سے بچنے کے لئے چوہدری کی غلامی قبول کی تھی۔ میں اسی لمحے سے خائف تھا، میں اسی پرانی آسیب زدہ عمارت سے خائف تھا، میں بچپن میں اکثر اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ اس تاریکی عمارت کو دیکھتے آتا اور سوچتا کہ بادشاہوں نے اپنی رہائش کے لئے کتنے آسیب تعمیر کئے تھے، جب میں گائیڈ سے پوچھتا : پرانے زمانے میں قیدیوں کو کہاں محبوس کیا جاتا تھا، اس پر گائیڈ ہنس کر اشارہ کرتا : وہاں، میں اسے کہتا : مجھے وہاں لے چلو۔ وہاں کچھ بھی نہیں ہے، وہ مجھے ٹالنے کی کوشش کرتا : بچے تم وہاں کیا دیکھنا چاہتے ہو؟ میں پرانے قیدیوں کی پھینیں سننا چاہتا ہوں۔ بے وقوف بادشاہوں کے زمانے گزر چکے ہیں۔ لیکن یہ کمرے بندیوں کو دیئے گئے ہیں؟ انہیں اب بھی استعمال کیا جاتا ہے؟ پھر جب میں کالج میں تھا تو ایک دن اس عمارت کو دیکھنے آیا تو ان کو بھڑکیوں کو دیکھنے کی کوشش کی، مجھے کسی نے اندر نہ جانے

دیا، پتہ چلا کر یہاں پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ آج صبح میں جب کام کاج کے لئے جانے لگا تو دو نامعلوم اشخاص ایک ٹیکسی میں آئے اور اپنے شناختی کارڈ دکھا کر ٹیکسی میں بیٹھا کر مجھے لے گئے، میں نے راستے میں کہا: مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ دونوں خاموش تھے۔ میں وہاں جانے سے پہلے اپنے ایک دوست کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا: یہ ساری کارروائی صیغہ راز میں ہے۔ لیکن مجھے کس پاداش میں لے جایا جا رہا ہے؟ میں نے ان دونوں کے درمیان ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے تلملاتے ہوئے پوچھا۔ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ میرا دل خوف سے بڑی طرح دھڑک رہا تھا، ہتھیلیاں اور تلوے بالکل ٹھنڈے اور پیسے سے شرابور تھے۔ ایک دھچکے کے ساتھ ٹیکسی اس قدیمی عمارت کی فسیل کے پاس آکر رُک گئی، دونوں نے جلدی سے باہر نکل کر مجھے اشارہ کیا لیکن میری ٹانگیں بالکل سُن گئیں اور خوف سے انڈر ویر کا اگلا حصہ پیشاب کے قطروں سے تر ہو چکا تھا، میں ٹیکسی میں بیٹھا مسحور بت کی طرح رحم طلب آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی دن ہے یہ وہی دن ہے جس کے وجود سے میں نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں، میری حفاظتی دیواریں گر چکی ہیں، میرے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے، پوہری مجھے بلیک میل کرتا رہا ہے۔ دونوں کے قدم ایک ہی ترتیب سے آگے بڑھ رہے ہیں اور میں ان کے درمیان ایک زندہ لاش کی طرح ساتھ دینے پر مجبور ہوں۔ ارد گرد اس قدیمی عمارت کے کھنڈر مجھے مایوسی سے دیکھ رہے تھے، دونوں چلتے چلتے ایک عجیب سی میٹھی کے دامن میں رُک گئے ہیں، ان میں سے ایک نے اشارہ کر کے کہا تھا: اوپر چڑھ جاؤ وہاں تمہارا انتظار کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد ہلکے پھلکے ہی وہ اس پُریمیچ عمارت کے کھنڈروں میں معدوم ہو گئے جیسے زمین نے انہیں نگل لیا ہو۔ میں ان عجیب و

غریب سیڑھیوں پر چڑھتا گیا ہر سیڑھی اتنی ادبچی ہتی کہ اچک کر چڑھنا پڑتا ہے، بالکل سیدھی سیڑھیاں ہیں، ان کے دونوں طرف کوئی حفاظتی ریلنگ بھی نہیں ہے، پوری ایک سو ایک سیڑھیاں ہیں، آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر ساری عمارت کا منظر نظر آتا ہے، سیڑھیوں کے دائیں بائیں کچھ کوٹھڑیاں تھیں جن کے چھوٹے چھوٹے طاقوں میں سے بے شمار آنکھیں جھانک رہی ہیں، آخری سیڑھی کے آگے ایک بند دروازہ ہے جو میرے قدموں کی چاپ سے کھل گیا ہے اور ایک موٹا سادھوتی پوش موچھیل نمودار ہوا اور مجھے انتظار کرنے کی تلقین کر کے غائب ہو گیا ہے، میری طرف خستہ لکڑی کا دروازہ ہے جس کے اوپر سرخ رنگ کا بلب ہے، دروازے کے پیچھے سے بڑی دلدوز چیخیں بلند ہو رہی ہیں، کچھ دیر بعد قہقہوں کا شور بلند ہوا اور دروازے کے اوپر کا سرخ بلب روشن ہوا اور دروازہ کھل گیا ہے۔ بارہ بجنے میں ایک منٹ باقی ہے میری مہلت ختم ہونے میں بس ایک منٹ باقی ہے، میں نے کچھ بھی فیصلہ نہیں کیا اور اس مہلت کو ضائع کر دیا ہے، پہلے منٹ میرے ذہن نے بڑی تنگ و دو کی کہ ان کو جھوٹی سچی اطلاع دے کر جان پھڑالوں لیکن ات ایک منٹ بھی جھٹ پٹ میں ختم ہو گیا ہے، کمرے کی ساتھی کی دیوار میں لگے ہوئے سرخ بلب کا فلا منٹ بجلی کی سُرخی سے کانپنے لگا ہے، یہ چٹایا ساتواں راؤنڈ ہے، ہر نصف گھنٹے کے بعد ہزار ہزار کینڈل پاؤر کے بلب بجھ جاتے ہیں اور سوال کرنے والا اپنے کاغذات کا پلندہ اٹھا کر چلا جاتا ہے، اس کی جگہ دوسرا معلوم شخص آکر مجھ سے استفسارات کرتا ہے اور نصف گھنٹے تک مسلسل طرح طرح کے بے سرو پا سوالات کرتا ہے۔ دھمکیاں، تشدد، وعدے اور لالچ تمام ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں، روشنیاں دیکھ دیکھ کے میری سوچنے کی قوت ختم ہو گئی ہے، میں ہر بات کا سوچے سمجھے بغیر جواب دے رہا ہوں، میرے

ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اور میری پشت کے پیچھے دیوار ہے سامنے ایک
 بھاری بھر کم میز رکھی ہوئی ہے اور اس پر ایک عجیب و غریب قسم کا شکنجہ پڑا ہوا
 ہے۔ کچھ یاد آتا ہے کہ اس عمارت کے عجائب گھر میں میں نے بچپن میں اسی قسم
 کا شکنجہ دیکھا تھا جس کے نیچے جلی حروف میں لکھا تھا : کمپنی کے عہد میں اس
 شکنجے کو اذیت رسانی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، یہ وہی مشین معلوم ہوتی ہے
 لیکن یہ کمپنی کا عہد نہیں ہے، میں نے ایک دو مرتبہ سر جھٹک کر دیکھا ہے، کمپنی کے
 عہد میں بجلی کہاں تھی؟ میں کوئی بھی ایسا نمک خواب دیکھ رہا ہوں اور خوف کے بوجھ
 سے بستر سے اٹھا نہیں جاتا، مدد کے لئے کسی کو آواز دینے کی کوشش کرتا ہوں
 مگر وہ حلق میں اٹک کر رہ جاتی ہے، ہاتھ پاؤں اتنے بھاری ہو چکے ہیں کہ انہیں
 ہلانا ناممکن ہے۔ یہ خواب نہیں حقیقت ہے، یہ حقیقت ہے تو میں اس آسید
 نما عمارت میں کیسے پہنچ گیا ہوں؟ یہ یقیناً کمپنی کی حکومت ہے، ۱۸۵۷ء کی جنگ
 آزادی شکست کی صورت میں ختم ہو چکی ہے۔ سُرخ بلب روشن ہو چکا ہے،
 دھڑام سے دروازہ کھلا ہے اور دو لمبی لمبی ٹانگیں اندر داخل ہوئی ہیں۔ روشنی
 کا سیلاب اتنا ہے کہ مجھے روشنی میں بھی ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے،
 میں نے قدموں کی چاپ سے اندازہ لگایا ہے کہ اب نئی شفٹ شروع ہونے والی
 ہے، کمرے میں اتنی گرمی ہے کہ بدن کی ساری چربی پگھل کر پسینے کی صورت میں بہہ
 رہی ہے، گوشے میں لگے ہوئے کلاک نے بارہ صدیوں کو محصور کیا ہوا ہے، میں نے
 چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں ہیں مگر ہر طرف روشنی کی تاریکی ہے، اس کمرے کا کوئی
 دروازہ نہیں ہے، کوئی روشندان نہیں ہے۔ چاروں طرف عجیب و غریب آوازیں
 پھیلی ہوئی ہیں، گھر گھر کی کاشور سنائی دے رہا ہے، کوئی مودی کیرہ چلا رہا ہے،
 سامنے بڑی بڑی روشنیاں جل رہی ہیں، کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے، نہیں،

روز حشر پہنچا ہے ! اعمال ناموں کے بارے میں استفسارات کئے جانے والے ہیں، ہر طرف شور ہی شور ہے لیکن اس میں صوبہ اسرافیل نہیں سنائی دی جا رہی۔ اگر یہ روز حشر ہے تو باقی لوگ کدھر ہیں؟ صرف میرا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟ میں کس کو جواب دے ہوں؟ روشنیوں کے پیچھے تاریکی میں بے شمار کاغذوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی ہے جیسے انبار میں سے کوئی کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے، سارا کمرہ روشن ہے لیکن میرے لئے تاریک ہے۔ استفسار کرنے والا بار بار کھانس کر مجھے اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے، میں ایک گھائل مصیبت زدہ کی طرح جسم ڈھیلے کئے ہوئے اس کی طرف پاٹ چہرے سے دیکھ رہا ہوں :

پرفیسر تم میری آواز سن رہے ہو؟
 تم کونسی آواز ہو؟ میں بہت سی آوازیں سن رہا ہوں۔
 میں ایک آواز ہوں، اندھے ہو، مجھے دیکھ نہیں رہے ہو؟
 تمہیں یہاں میرے لئے بھیجا گیا ہے، اب سے کچھ دیر پہلے جو آواز تھی تم وہی ہو یا اس کا سایہ؟

زیادہ کمزور سے کام مت لو اور میری باتوں کا جواب دو!
 میں باتوں کا جواب دے دے کرتنگ آچکا ہوں!
 تم ہر بات کا جواب دینے پر مجبور ہو، انکار کی صورت میں تشدد کیا جائے گا۔
 میں جواب نہیں دوں گا مجھے آزاد کیا جائے، میں صبح سے ہر بات کا جواب دے چکا ہوں، تم صبح کے چھٹے آدمی یا آدمی کی آواز ہو، ایک ہی بات کو چھ چھ مرتبہ پوچھ چکے ہو اتنے کند ذہن ہو کہ ایک بات کو چھ مرتبہ سننے کے بعد بھی کورے کے کورے ہو، اف میرا سر دکھ رہا ہے سارا بدن شل ہو چکا ہے، یہ روشنیاں بند کرو! میری شریانیں پھٹ جائیں گی، میرے پاس اگلنے کے لئے

اور کچھ نہیں ہے۔!

سچ بول کر تم رہائی حاصل کر سکتے ہو!
میرے پاس کوئی ایسا سچ نہیں ہے جسے میں چھپا سکوں۔
تمہیں مہلت دی گئی تھی!

کس بات کا فیصلہ؟ میں نے کچھ نہیں کیا میرے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جا رہا ہے ہیں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں اس ایذا رسانی کے خلاف چارہ چوٹی کروں گا، مجھے غیر قانونی طور پر حراست میں نہیں لیا جاسکتا۔
تمہیں ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے یہ ساری کارروائی خفیہ ہے اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں اکٹھا کیا جاسکتا۔

میں چھ مرتبہ پیچھے پیچھے کر پوچھ چکا ہوں کہ میرا جرم بتایا جائے؟
ہم سے بہتر تم اپنے جرم کے بارے میں جانتے ہو!
مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟
تم خود یہاں آئے ہو

یہ غلط ہے، مجھے اغوا کیا گیا ہے۔

تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے یہاں بلایا گیا ہے۔

اس مقصد کی وضاحت کی جائے اور مجھے رہا کیا جائے، میں چھ مرتبہ یہی دہرایا کر چکا ہوں، ادھر، کیوں نہیں سمجھتے کہ کسی وجہ کے بغیر ایک مدت سے میرا تعاقب کیا جا رہا ہے، ایک مدت سے میرے قول و فعل کی نگرانی کی جا رہی ہے، کس لئے؟ کس لئے؟ مجھے بھی بتایا جائے، میں نے تم لوگوں کے خوف سے بچنے کے لئے بہت بڑی قربانی دی ہے، میں امدادی بن چکا ہوں، یہاں پوہدری کو بلا کر پوچھا جائے، مجھے مکمل تحفظ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، میری

سوانح عمری میں کون سا ایسا کارنامہ ہے جس کی بنا پر میں اس ساری کائنات کے لیے خطرے کا باعث ہوں؟ میرے ساتھ دغا کیا گیا ہے، تم لوگ مجھے تحفظ دینے کے اہل نہیں ہو.....!

دعہ معاف گواہ زیادہ مشکوک ہوتا ہے اس کی دیکھ بھال زیادہ ضروری ہے۔ تم ناہید کو کب سے جانتے ہو؟

میں چھ مرتبہ بتا چکا ہوں، ہاں وہ میری دوست تھی، کیا دوستی جرم ہے؟ تمہارے اور اس کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں؟

ذیل کے بچے! ہائے ہائے —————

اتوار کی رات بارہ بجے وہ تمہیں کیوں ملی تھی۔؟ پتہ نہیں۔

تم دونوں مشکوک ہو۔

میں اب مشکوک نہیں ہوں۔

تم ناہید کے خاندان فیض الرحمان کو کب سے جانتے ہو؟

میں نے اس کی شکل تک نہیں دیکھی، مجھے کیوں الجھایا جا رہا ہے، ہائے

ہائے! بس کرو

تمہاری ایک مدت سے نگرانی کی جا رہی ہے؟

کیوں؟ کیوں؟ مجھے نیورمبرگ لے جایا جائے، ویت نام کے کٹہرے

پر مقدمہ چلایا جائے، میرے خلاف الزامات بر ملا سناٹے جائیں کہ نسلوں کو

عبرت ہو، ہائے، یہ روشنیاں گل کر دو، میں سب کچھ بتا دوں گا، لیکن کیا

بتاؤں؟ مجھے خود کچھ پتہ نہیں ہے،

اب راہ راست پر آئے ہو! وہ سائیکلو سٹائل مشین کہاں ہے جس پر اشتہار

چھاپ کر خفیہ طور پر تقسیم کئے گئے ؟
 کیسے اشتہار ؟ کوئی اشتہار ؟
 تمہارے شاگرد زاہد نے !
 کون زاہد ؟ یہ سلسلہ بند کرو ، میں تمہیں واسطہ دیتا ہوں ، مجھ پر رحم کرو ،
 ہر زیادتی کا نشانہ مجھے کیوں بنایا جا رہا ہے ؟ میں تمہاری فائلوں کا پیٹ کب
 تک بھر سکتا ہوں ؟

یہ سلسلہ جاری رہے گا
 یہ کس نے شروع کیا تھا ؟
 اس کا ہمیں بھی پتہ نہیں ہے ، جب ہم آئے تھے یہ شروع ہو چکا تھا
 میرا دماغ چٹخ چکا ہے ، ہائے
 ہا ہا ہا

ہم بھولی بسری آوازیں ہیں
 صدیوں سے ان کمروں اور تہہ خانوں میں آوارہ پھرتی ہیں
 ان یہ آوازیں مجھے پاگل کر دیں گی ، یہ ٹیپ ریکارڈر چل رہا ہے ، جان بوجھ
 کر یہ آوازیں مجھے سنائی جا رہی ہیں ، یہ آوازیں ابھی تک ان کمروں میں محنوظ کیے
 رہ گئی ہیں ؟ یہ سلسلہ کب ختم ہوگا ؟ کسی نے میری رسیاں کھول دی ہیں ،
 غالباً مجھے آزاد کیا جا رہا ہے ، میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میرے پاس کوئی راز
 نہیں ہے یہ روشنیاں ابھی تک بجھائی نہیں گئیں ؟ میں کس راستے سے باہر نکلوں ؟
 میری آنکھیں کھلیں ہیں لیکن کچھ نظر نہیں آ رہا ہے ، میں نے دونوں آنکھوں کو
 ہاتھوں سے ڈھانپ لیا ہے ، پاؤں اتنے بھاری ہو چکے ہیں کہ اٹھاتے ہوئے بھی
 نہیں اٹھتے ، میں روشنیوں کی زد سے نکل کر سامنے کی دیوار کے قریب پہنچ گیا ہوں ،

میری بیٹائی واپس آرہی ہے، دیوار کے ساتھ چنڈ کرسیاں اور ایک میز کاغذوں کے انبار سے لدی پھندی ہے، کرسی پر ایک موٹا سا شخص بیٹھا ہے: ادہ بذات کے نچے تم ابھی تک میری حرکات کو غور سے دیکھ رہے ہو!
 پروفسر کرسی پر بیٹھو۔

تم کون ہو؟
 تمہیں اذیت دینے والا چلا گیا ہے، میں وہ نہیں ہوں۔
 پھر تم کون ہو؟ کوئی نیا جال بکھا رہے ہو، پانی، پانی میں تنک گیا ہوں، میں گھر جانا چاہتا ہوں۔
 یہ لو پانی، تمہارے ساتھ ظلم کیا جا رہا ہے بلاوجہ تمہیں انٹروگیٹ کیا جا رہا ہے۔

تم میرے بھی خواہ کیوں ہو؟
 میں انٹرنیشنل ریڈ کراس کا نمائندہ ہوں۔ جہاں کہیں بھی جس کسی کے ساتھ ظلم ہوتا ہے میں بطور آبرور دہاں پہنچ جاتا ہوں۔
 تم محض آبرور دیشن ہی کرتے ہو یا کسی کی مدد بھی کرتے ہو؟
 امداد کا نینصلہ کوئی اور کرتا ہے۔
 پھر تم ناکارہ شخص ہو۔
 نہیں، بعض دفعہ میں مدد بھی کرتا ہوں میرے کہنے پر تمہاری رسیاں کھولی گئیں ہیں۔

تم میری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟
 اس لئے کہ تمہارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔
 میری انٹروگیشن کا سلسلہ کب ختم ہوگا؟ میرا بریک ڈاؤن ہو چکا ہے۔

دراصل ہر آدمی کی انٹریڈکشن ضروری ہوتی ہے کیونکہ ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ سیاسی ہو، اس کے پاس زندگی کے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے، تمہیں اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔

میں نے کیا کیا ہے کہ اپنا بچاؤ کروں؟ ایک مدت سے میرے ساتھ نا انصافی کی جا رہی ہے، میرے لئے ہر طرف سزا ہے میرا صرف یہی جرم ہے کہ میں نے اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کی، اب میں مصالحت کر چکا ہوں لیکن اس کے باوجود میرا پیچھا نہیں چھوڑا جا رہا، مخالفت یا دشمنی کا کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے، میری کسی سے کوئی خاصیت نہیں ہے اس کے باوجود زندگی میرے لئے موت سے بدتر ہو چکی ہے، مجھے دھمکیاں دی جا رہی ہیں، مجھے کیوں ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے، زندگی میرے لئے کنسنٹریشن کیمپ بن چکی ہے، مصالحت کے باوجود مجھے دھوکا دیا گیا ہے اگر میں اتنا ہی خطرناک آدمی ہوں تو مجھے یا تو محصور کر دینا چاہیے یا ملک بدر، میں اپنی نجات چاہتا ہوں....

بس بس میں تمہارا موقف سمجھ گیا ہوں، میں تمہارے حق میں رپورٹ دوں گا، امید ہے کہ تمہیں سابقہ ملازمت بھی دوبارہ مل جائے گی۔

مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

تمہیں پاسپورٹ چاہیے ہے۔

ہاں

تمہاری اور امداد بھی کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ تم میرے کہنے پر چلو تم ہمارے لئے اندرون اور بیرون ملک کام کرو تمہارے سب مسائل حل ہو جائیں گے۔
تم کہنا کیا چاہتے ہو؟

کچھ نہیں تمہیں کچھ علم ہے کہ آج کل نا ہیہ کہاں ہے؟

تم بھی وہی ہو جس کا مجھے شک تھا، میرا بریک ڈاؤن ہو چکا ہے دیکھا،
میرے اندر سے کچھ نہیں نکلا، تم بھی ظالم ہو، تم نے اپنا خوف خود ہی ختم کر
دیا ہے اب میں ہر تشدد کے لئے تیار ہوں، میں اب مفاہمت نہیں کروں گا کیونکہ
تم اور تمہارا نظام مجھے تحفظ نہیں دے سکا، میں نے بہت کم داموں پر اپنے آپ
کو فروخت کیا تھا۔

نہیں ہیں وہ نہیں ہوں۔

میں اب مجبور نہیں بنوں گا، میں مزید انسان دشمنی سے اپنے آپ کو آلودہ
نہیں کروں گا۔

ہزار کینڈل پاؤں کے بلب پھر روشن ہو گئے ہیں اور مجھے پھر باندھ کر دیوار
کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہے، اب غالباً کوئی نیا شخص اس کرسی پر بیٹھ گیا ہے
اور پھر سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، میرا دل ہانہ جھاگ سے بھر گیا ہے اور
زبان بالکل کھردری ہو چکی ہے، ذہن پر سکتہ طاری ہے اور میں سوچے سمجھے
بغیر جواب دیتا جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس وقت دن پوری طرح روشن نہیں ہوا
تھا جب میں اس قدیمی تاریخی عمارت میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت سورج
غروب ہو چکا ہے، میرے دائیں بائیں اس عمارت کی فصیلیں پھیلی ہوئی ہیں،
میں ادھ موٹی لاش کی طرح سیڑھیوں سے اترتا ہوا اس جگہ کو پہچاننے کی کوشش
کر رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔

میں بہت دنوں کے بعد ایک لڑکھڑاہٹ کے ساتھ بستر سے اٹھا ہوں ، کہا گیا ہے کہ کئی مرتبہ احمد اور چوہدری کے ہرکارے مجھے بلانے کے لئے آئے ، لیکن میری خستہ حالت کے پیش نظر کوئی پیغام دیئے بغیر چلے گئے۔ تشخیص کی گئی ہے کہ میرے اعصاب شکستہ ہیں اور مجھے خون کی سرکولیشن کو تیز تر کرنے والی اشیاء سے منع کیا گیا ہے ، مجھے اب دہوا کی تبدیلی کا مشورہ بھی دیا گیا ہے ۔ لیکن اب دہوا میں کیسی تبدیلی ؟ اس مسئلے میں تو مسموم ہوا پھیلی ہوئی ہے ، پھر جدھر جاؤں گا یہ ذہن بھی تو ساتھ جائے گا۔ حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں ، دیکھتے دیکھتے درختوں کے پتے سبز ہو گئے ہیں ، مجھے بھی اب ایک نئے روپ کی ضرورت ہے ، میرے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے ، یہ زندگی میری حفاظت کا اہتمام نہیں کر سکی ، میں نے ایک خوف سے بچنے کے لئے دوسرے خوف کو دعوت دی ، میں اب کچھ بھی نہیں ہوں ۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا کسی نے بھی احتجاج نہ کیا ، اخباروں کے ادائیے خاموش رہے ، میرا المیہ ایک شہید کا نہیں ایک ابن الوقت کا ہے اس لئے خود تراجم کا شکار ہوں ۔ میرے سیاسی نظریات نہ ہونے کے برابر ہیں ، مجھے اس کا ملال ہے لیکن میں ملوث ہونا نہیں چاہتا کہ میں کسی کے لئے مزید حادثات کا شکار ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتا ۔ میں اب یہاں سے چلا جاؤں ، بہت جلدی ، اس مٹی نے مجھے عزت نہیں دی ، اس معاشرے نے میری ہر حیثیت کو مشکوک بنا دیا اور پھر کسی نے میری تصدیق نہ کی کہ جو کچھ میرے ساتھ منسوب کیا جاتا رہا ہے وہ میرا نہیں

ہے، واقعات کی اتفاقی ترتیب کا نتیجہ ہے، مجھے جبرائیل کی تحویل میں دیکر زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا ہے کہ میرا وجود میری بجائے ان کی حیثیت اور کارکردگی کی تصدیق کر سکے۔ خیر جو کچھ بھلایا بھرا، وہ اب مجھ سے دور ہو چکا ہے۔ میں اب کسی نہ کسی طریقے سے پاسپورٹ حاصل کروں گا، چند دنوں میں کوئٹہ کی شادی کا مسئلہ طے ہونے والا ہے، اس کے بعد کوئی مثبت قدم لوں گا تاکہ میں دوسروں کی اذیت سے بچ سکوں، اگر یہی میرا مقدر ہے تو پھر مجھے تیار ہو جانا چاہیے، بارہ گھنٹوں تک مجھ سے مسلسل پوچھ گچھ کی گئی، طرح طرح کے الزامات عائد کئے گئے، طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں لیکن کیوں؟ پل بھر کے لئے یہ خیال آتا ہے کہ یہ ایک طویل بھیاں تک خواب تھا جس کا اثر بدن کی تھکن میں محسوس کر سکتا ہوں، میرے پاس تو کوئی ایسا راز نہیں تھا جس کے لئے یہ زحمت اٹھانی جاتی، ہاں زاہد میرا شاگرد رہا ہے لیکن میں اس کے مفاد کے خلاف کچھ بھی نہیں کروں گا، وہ میرا پسندیدہ شاگرد تھا، شروع میں ایک دو مرتبہ میرے گھر بھی آیا، پر کالج سے ناظم ٹوٹنے کے بعد وہ بھی کچھ لا تعلق ہو گیا۔ ان بارہ گھنٹوں نے مجھے نئی بشارت دی ہے، اب میں کوئی دباؤ قبول نہیں کروں گا، اپنے لئے ایک نیا راستہ تلاش کروں گا، اس کے سوا میرے لئے ہر جگہ موت ہی موت ہے جس میں بخوشی قبول نہیں کرنا چاہتا کہ یہ ناگزیر ہے۔ میں اس وقت تک پابند تھا جب میں اطاعت پر مجبور تھا اور جب میں نے اپنی اطاعت کی آخری حد محسوس کر لی ہے، اس لمحہ سے میں آزاد ہوں۔ میں انتقام لینا نہیں چاہتا کہ ہییب جنگوں کی داستانیں موبہ دیں لیکن اگر میری آزادی کو مجھ سے چھینا گیا تو — — — ادہ، میرے اندر نزاع ہے، مجھے روحانیت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کہتے ہیں مسکئی انسان کے اندر ہوتی ہے، اسی سوچ میں ایک دفعہ میں نے اپنا

ایکسرے کرایا تو میں اس کانیکٹیو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسنے لگا کہ میرے اندر جسمانی آرگنیز اور فضیلت کی بڑی آنت کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے آخر خوفزدہ ہو کر روحانیت اور شکتی سے منہ موڑ لیا تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر تھکے ہوئے بدن کے ساتھ ریگتا ریگتا گلی میں آگیا ہوں۔ کوثر اور رضیہ چند مختصر سی غیر اہم باتیں کر کے چلی گئی تھیں، بعد میں کوثر میرے سر ہانے کھانے کا ٹرے رکھ کر کچھ بات کرنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں ٹر خا دیا ہے، مجھے شک ہے کہ وہ میری زندگی سے واقف ہے۔ خیر، کوئی بات نہیں۔ رات کے دس بجے ہیں، سڑکیں حسب معمول سنان ہیں، ارد گرد کے منظر نامے میں کوئی قابل ذکر عنصر نہیں ہے وہی پھٹا ہوا آسمان، وہی دھواں، وہی بدہیئت مکان۔ فٹ پاتھ پر سامنے کی جانب سے ٹوٹی کی بکلی مارے کوئی میری سمت آرہا ہے، احمد معلوم ہوتا ہے، چال ڈھال اسی کی معلوم ہوتی ہے۔ احمد، احمد، میں نے مدہم آواز میں اسے پکارا ہے۔ پروفیسر، اچھا ہوا میں تمہاری طرف ہی آ رہا تھا، طبیعت کیسی ہے؟ یہ سارا چکر میری سمجھ میں نہیں آیا، زیادتی کی گئی ہے، یا تمہارے بغیر سارا کام رکا ہوا ہے، احمد نے ایک ہی سانس میں ڈھیر ساری باتیں میرے سامنے اگل دی ہیں۔ میرے ساتھ گھر چلو وہاں بیٹھ کر تفصیل سے باتیں کرتے ہیں۔ نہیں، احمد میں ایک ضروری کام سے چوہدری کی طرف جا رہا ہوں۔ تم وہاں مت جاؤ، وہ پچھلے چند دنوں سے بڑی بے صبری سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ میں تمہاری ساری باتوں کا جواب کلی یا پرسوں دوں گا لیکن میں چوہدری کی طرف کیوں نہ جاؤں؟ تمہیں اور زیادہ الجھا دیا جائے گا وہاں تمہارے ایک شاگرد سے کچھ برآمد کیا جانا ہے، لیکن لڑکا بید ہٹ دھرم ہے ہر طرح کی سختی برداشت کر چکا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں تمہارا

اس میں کوئی ہاتھ تو نہیں؟ احمد تم بھی مجھ پر شک کرتے ہو۔ لیکن پردیس تمہیں انٹرویو کیوں کیا گیا؟ بہر کیف فکر مت کرو، میں اس کا بندوبست بھی کر لوں گا، یہ کسی نے سازش کی ہے۔ میں سب کچھ جانتا ہوں میں غالباً قانونی چارہ جوئی کروں گا۔ کس کے خلاف کرو گے؟ دشمن سے نمٹنے کے لئے اور بھی بہت سے راستے ہیں، چلو میرے ساتھ کچھ کام کاز کی باتیں بھی کرنی ہیں، وہ بد بخت خواجہ کراچی شفٹ ہو گیا ہے، میں بالکل اکیلا ہوں، کب سے تمہیں کہہ رہا ہوں کہ امتحان دے ڈالو۔ احمد تم میرے مصیبت کے دوست ہو، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا لیکن فی الحال میں چند ہفتوں کے لئے اس چار دیواری میں قدم نہیں رکھوں گا! جذباتی کیوں بن گئے ہو۔ زندگی میں یہ باتیں ہوتی رہتی ہیں، گھر رہو گے تو کھاؤ گے کیا؟ دیکھو، کچھ نہ کچھ ہو کے رہے گا، میں بہت جلد فیصلے کرنے والا ہوں۔ اچھا، خدا حافظ!

رات دن کی طرح سفر کر رہی ہے اور میں رات کی طرف بڑھ رہا ہوں، دونوں کا سفر برابر جاری ہے، رات دن کو جہنم دے کر نئی صداقتوں کی تصدیق کا قرینہ فراہم کرے گی، میں رات کے اندر اتر کر اسی تیرگی کو ڈھونڈوں گا جو میرا مقدر ہے کیونکہ روشنی اور وضاحت میرے لئے نہیں ہیں، یہ ان کا حصہ ہیں جو ایک ہی راستے پر استحکام سے سفر کرتے ہیں، جو ایک نصب العین کی تلاش میں رہتے ہیں، میرا نصب العین ابھی تک مجھ سے مخفی ہے، اگر صرف زندگی کو ہی بسر کرنا ہے تو پھر یہ کسی نہ کسی طریقے سے بسر ہو رہی ہے، اچھی یا بُری، پھر بچھٹانے کا کوئی جواز نہیں۔ میں اپنے آپ سے پوچھتا ہوں: سب کچھ مجھے مل جائے، ثروت، استحکام، مرتبہ، ناموری، کیا پھر بھی مجھے رنجیدہ رہنا ہوگا؟ بہت معقول سوال ہے، ان کے حصول کے بعد بھی رنجیدگی رہے تو پھر میرے مسائل اور ہیں، اور میں جس چیز کی تلاش میں ہوں وہ کچھ اور ہے،

وضاحت؟ یعنی میں اپنے آپ میں اور ارد گرد کی اشیا میں ایک منطقی ارتباط قائم کر سکوں؟ اس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی کا بیشتر حصہ غیر منطقی ہے، اس کے ماحول کی منطق کے تابع کرنا ایک نئے مجاہدے کو جنم دینا ہے جس کا میں ہر دست متحمل نہیں ہو سکتا اور ذہن بھی اس سوچ کے لئے آمادہ نہیں ہے، کیا میں اس مقصد سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہا ہوں جس کے اعلان کے لئے میں چوہدری کی موجودگی کو ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ اس وقت اپنے گھر پر ہو گا اڈے پر جانا بے سود ہے۔ آؤ، پروفیسر، کہاں چھپ گئے تھے؟ چوہدری نے اپنی بیٹھک کا دروازہ کھولا ہے اور اندر سے دہسکی اور گرم ہوا کا ریلہ تیزی سے باہر نکلا ہے، بیٹھو بیٹھو پروفیسر تم اچھے آدمی ہو، لو یہ تم پیو۔ نہیں چوہدری صاحب میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں ٹھیک ہو جائے گی۔ میں نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ چوہدری صاحب میرے ساتھ بچہ زیادتی کی گئی ہے۔ ہاں مجھے پتہ چلا ہے تمہاری خاطر میں نے اوپر والوں سے جھگڑا بھی کیا ہے۔ میری خاطر ہا ہا ہا، میں پہلے ہی پیگ میں بہک گیا ہوں۔ ہاں تمہاری خاطر، تمہیں بلا وجہ الجھایا جا رہا ہے، میں نے کہا تھا کہ تم سے کچھ پوچھنا ہے تو میرے ذریعے پوچھا جائے، اصل میں اس لڑکی کا، کیا نام ہے اس سالی کا؟ فون سے شروع ہوتا ہے، اس کا سیٹھ باب بہت دباؤ ڈال رہا ہے، بہت پیسے خرچ کر رہا ہے..... نہ جانے کہاں دفعہ ہو گئی ہے؟ اس کا خاندان بھی ہمیں مطلوب ہے کچھ سمگانگ کچھ جاسوسی بس کچھ ملا جلا سا معاملہ تھا۔ لیکن میرا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ کیوں بنتے ہو وہ تمہاری یار تھی اب بالکل لاپتہ ہے، نہ جانے اس نے خودکشی کر لی ہے، اغوا ہو گئی ہے، ملک چھوڑ گئی ہے، گئی کہاں ہے؟ مجھے کیا پتہ، مجھے اس لئے بار بار بلایا جا رہا تھا۔ نہیں یار،

لو تھوڑی سے اور پی لو۔ نہیں بس چوہدری صاحب، میں نے گلاس پر ہاتھ کی
پشت رکھ دی ہے، چوہدری نے میرا ہاتھ کسی قدر سختی سے ایک طرف کر کے
ڈبل پیگ بنا دیا ہے : نو میری جان یہ سکاچ ہے بڑی مشکل سے تیرے لئے
منگوائی ہے۔ میں گوگل میں ہوں، اس کی بارعب شکل نے مجھے پھر متاثر کیا ہے
اور میں تمام تر اندرونی غصے اور انکار کے باوجود ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر گلاس
میز پر رکھ دیا ہے، چوہدری صاحب مجھے پاسپورٹ چاہیئے ہے۔ مل جائے گا کیا
جلدی ہے؟ میں کسی کے ساتھ ملازمت کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں۔ ہو ہو ہو
یہاں گزر نہیں ہوتی میں تمہاری کتنی مرتبہ مدد کر چکا ہوں، لے دوں گا لے دوں گا،
بس ذرا فارغ ہو جاؤں، پروفیسر سکاچ تیز ہے اوپر چڑھ رہی ہے، تمہارا
گلاس ابھی تک اسی طرح ہے..... کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟
یہی کہ میں نے آپ کے کہنے پر سب کچھ کیا لیکن اس کے باوجود نا جائز شراب
کی پیشیاں ابھی تک بھگت رہا ہوں، بارہ گھنٹوں نے مجھے زندگی اور موت کا
فاصلہ بتایا۔ جذباتی کیوں ہوتے ہو سب ٹھیک ہو جائے گا، بھی کل رات بارہ
بجے پھر یہاں چلے آنا ایک بہت بڑا ریڈ ہے، بہت بڑا، اس کے بعد میں وہی
سے توبہ کر لوں گا۔ کدھر جانا ہے؟ ہا ہا ہا یہ کل رات بارہ بجے بتاؤں گا، پھر
تمہیں پاسپورٹ بھی مل جائے گا تم نے جو کچھ کھویا وہ سب کچھ واپس دلوا دوں
گا۔ چوہدری کا اضطراب بڑھتا جا رہا ہے اور اس نے اپنے لئے ایک اور پیگ
بنا با ہے بس پروفیسر یہ آخری ہے پھر تم نے میرے ساتھ چلنا ہے۔
کہاں؟ اپنے دفتر۔ چوہدری صاحب بہت رات ہو چکی ہے، آپ نشے
میں ہیں اور میں بھی۔ کوئی بات نہیں، یہ کہہ کر اس نے تہہ بند کس کر یا ندھا
ہے اور لوٹی کی بکل مار کر لٹکھڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا ہے۔ چلو تمہیں اس سے ملائیں،

بڑا ہندی لڑکا ہے، تم ہی اسے سمجھاؤ، اوپر سے مجھ پر بیچ دیاؤ ڈالا جا رہا ہے، برآمدگی نہ ہونے کی صورت میں مجھے معطل بھی کیا جاسکتا ہے، پروفیسر دہسکی بہت چڑھ گئی ہے ذرا چٹنی پکڑانا۔ چوہدری دروازے کا پٹ چھوڑ کر چٹنی کی بوتل کی طرف بڑھا ہے لیکن چکراتا ہوا دھڑام سے صوفے پر گر گیا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اس کی کوئی مدد نہ کی ہے۔ اوه، پروفیسر میرا سر چکرانے لگا ہے..... میں کیا کہہ رہا تھا، ہاں میرے بیوی بچے ہیں، اتنی نوکری کے بعد..... چوہدری بے چینی سے صوفے کی پشت پر سر مار رہا ہے اور اس کا چہرہ پسنے سے شہابور ہے، بھٹوڑی سے چٹنی چاٹنے کے بعد اس کی طبیعت سنبھلی ہے۔ ہاں یار پروفیسر تم اچھے آدمی ہو اٹھو، تمہیں اسے سمجھاؤ، انکار کی صورت میں اس کی خیر نہیں ہے، میں یہ برآمدگی اس پر ڈال دوں گا، معاملہ رفع دفع ہو جائے گا چوہدری صاحب، ابھی تک میرا معاملہ رفع دفع نہیں ہوا۔ تم بہت باتونی ہو پروفیسر۔ چوہدری صاحب مجھے پاسپورٹ چاہیے ہے، یہ میرے کاغذات ہیں، ان کی تصدیق کی جانی ہے۔ انہیں اپنے پاس رکھو، پرسوں کچھ کریں گے۔ نہیں ہرگز نہیں، میرے کاغذات کل ہی تصدیق ہونے چاہئیں۔ کیا بات ہے؟ رعب دیتے ہو۔ اٹھو کیا نام ہے اس لڑکے کا، ہاں، زاہد، اسے سمجھاؤ۔ نہیں، میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اپنی خیر چاہتے ہو۔ نہیں، یہ زاہد کا معاملہ ہے اس نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کے لئے سچ ہے اور میں اس کی سچائی میں مداخلت کا کسی قسم کا حق نہیں رکھتا۔ ادے خنزیر کے بچے۔ چوہدری زبان سنبھالو۔ کان کھول کر سنو ٹاؤٹ کے بچے میں قیامت تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ میں کچھ جواب دینے بغیر اس کے کواڑ سے باہر نکل گیا ہوں۔

(۲۰)

۲ جون (خصوصی نامہ نگار) کل رات بستہ الف کے مشہور بد معاش ملک مقبول نے پناہ گزینوں کے علاقہ کے اسچارج پوہری کوٹین گن سے ہلاک کر دیا! معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ موتی نے ملک مقبول کے قمار خانے پر زبردست ریڈ کیا تھا، ملزم اندھا دھند فائرنگ کرنے کے بعد فرار ہو گیا، ابھی تک گرفتاری عمل میں نہیں لائی جاسکی۔

۳ جون (مٹاف رپورٹر) پوہری کے مبینہ قاتل کی تلاش میں ہر جگہ پھیلے مارے جا رہے ہیں لیکن تا حال ملزم دستیاب نہیں ہوا۔

۴ جون (خصوصی نامہ نگار) خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ پوہری کے مبینہ قاتل کو عنقریب گرفتار کر لیا جائے گا، اس قتل کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے خصوصی عملہ تعینات کیا گیا ہے، بہت سے مشتبہ افراد کو شامل تفتیش کیا جا رہا ہے، ترجمان نے مزید تفصیل بتانے سے گریز کیا ہے۔

آج ۵ جون ہے اور میں پچھلے تین چار دنوں سے خطرے اور خوف کے پسینے نظر گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں، اس واقعہ کے رد عمل سے بچنے کے لیے میں نے اپنے کمرے میں پناہ لی ہوئی ہے۔ گزشتہ تین دن سے میرے لئے سناٹا ہے، یہی سوچتا رہا ہوں کہ یہ راز بہت جلد ہی افشا ہو جائے گا۔ اگر ملک مقبول پکڑا گیا تو پھر پھانسی کا تختہ! لیکن کسی کے پاس میرے

خلاف کیا ثبوت ہو سکتا ہے ؟ وقوعہ کے وقت میں گھر پر تھا، شیخ پان فروش کی دوکان سے میں نے ٹھیک بارہ بجے پان خریدا تھا چونکہ اس وقت ناقابل برداشت اضطراب تھا اس لئے میں نے دہسکی کا کواٹر پی کر سونے کی کوشش کی تھی، گھر پہنچتے پہنچتے میں نے اپنے بارے میں شبہات کے سارے نقوش منہدم کر دیئے تھے۔ کوئی مجھے تک کیے پہنچ سکتا ہے ؟ زیادہ سے زیادہ میں اور تک مقبول اس واقعہ کے گواہ ہو سکتے ہیں، مجھے اپنے اوپر زیادہ شک ہے کہ کہیں خوف میں اس سازش کا اظہار نہ کر بیٹھوں، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں، میں اپنی حاصل کی ہوئی آزادی کو کس طرح منہدم کر سکتا ہوں ! انسان بڑے اہم رازیں میں محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، میں اتنا ہی بودا ہوں کہ ایک چھوٹی سی بات کو ہضم بھی نہیں کر سکوں گا ؟ ہر فرد کا راز دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، رازداری کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے، رازداری کو دھوکہ دی بھی کہا جاسکتا ہے یعنی کسی حقیقت یا واقعہ کو اپنی ذات تک اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ دوسرے کو اس کی خبر نہ ہو، اس اعتبار سے تو رازداری بدیہانتی ہے، کیونکہ واقعہ یا حقیقت کی خبر کو اپنے تک محدود رکھنا اور دوسرے کو اس سے محروم کر دینا ایک غیر اخلاقی نہیں غیر انسانی فعل ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانی عمل اور قیام کی بنیاد اسی غیر انسانی نفسیاتی کیفیت پر ہے، اخلاقیات اخلاقیات ! اُف، کیا انسانی زندگی سے اس تصور کو خارج نہیں کیا جاسکتا ؟ یہی لفظ یا تصور انسان کشی کا سب سے بڑھا محرک رہا ہے۔ باہر کوئی جیب رکی ہے ؟ وہ مجھے لینے آگئے ہیں، میرے خلاف دستاویزات مکمل ہو چکی ہیں، مجھے حوصلے سے کام لینا چاہیئے، وہ میرے ساتھ کیا کر سکتے ہیں ؟ جو کچھ کر سکتے ہیں اس کی جھلک دیکھ چکا ہوں، نہیں باہر کچھ نہیں ہے مجھے کمزور دیکھ کر ادھام غالب آگئے ہیں۔ وہ اگر واقعی مجھے حراست میں لینا چاہتے ہیں تو تاخیر

کیوں کر رہے ہیں؟ انہیں اب صحیح تفتیش کا حق حاصل ہے! رفیق بے گناہ تھا، اس کے ارتکاب قتل نے مجھے بچہ پریشان کیا تھا، لیکن میں اس بذات چوہدری کے معاملے میں حق بجانب ہوں۔ میں نے ایک ٹیکنیکل غلطی کی ہے: چوہدری کے قتل کے بعد مجھے حرب معمول کام پر جانا چاہیے تھا، اگر کوئی کسی شک کا اظہار بھی کرتا تو مجھے میکانیکی لا تعلقی سے کام لینا چاہیے تھا، آج وہاں لوگ طرح طرح کے شبہات کا اظہار کریں گے کہ وقوعہ کے بعد تین چار دن تک میں کہاں چھپا رہا؟ آج باہر نکلنے کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں، واقعات میرے خلاف مرتب ہو رہے ہیں، چوہدری اس ریڈ میں مجھے شامل کرنا چاہتا تھا، ان حالات میں میری خاموشی زیادہ مشتبہ تھی، ملک مقبول کے پاس اس رات ایک طوائف لیٹی ہوئی تھی وہ میرے خلاف سب بڑا ثبوت ہے، میں اس صورت حال سے فرار نہیں ہو سکتا، میری زندگی کا پہلا باب ختم ہو چکا ہے میں نے اپنی آزادی حاصل کر لی ہے، ناہید کا معاملہ بھی کچھ ٹھپ سا ہو گیا ہے، وہ ابھی تک لاپتہ ہے، وہ مجھے دوبارہ نہیں بلائیں گے، یہ میں کیسے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اب میری نگرانی نہیں کی جائے گی؟ میرے اعنی کاریکارڈ تو اسی طرح موجود ہے جو ایک مرتبہ مشتبہ اور نا پسندیدہ قرار دیا جائے اس کی تلافی نہیں کی جاسکتی ہے، امید ہے کاتبین کے قلم خشک ہو چکے ہوں گے۔ میں کون سے ایسے کام کرتا ہوں جو امن عامہ کے لئے خطرے کا باعث ہیں؟ آجکل ہر ایک جلوس جلسے میں شامل ہو رہا ہے لیکن میں نے اس سے بھی گریز کیا ہے۔ ابھی تک میں نے اس آزادی کا مفہوم متعین نہیں کیا۔ کس مقصدیت کے بغیر آزادی کا احساس محض انار کی ہے۔ کیا زندگی کسی مقصدیت کے بغیر بسر کی جاسکتی ہے؟ ہر فرد اپنے لئے زندگی کا مقصد وضع کرتا ہے، زندگی میں اپنی جدوجہد کا اسلوب متعین کرتا

ہے، مستقبل کے لئے متفکر رہنا، انسان کتنی چھوٹی چھوٹی خواہشات کا مرکب ہے! یہ خواہشات اتنی ہی بے مقصد ہیں، میں نے انسانی بلاکت کے ذریعے اس مقصد کے لئے آزادی حاصل کی ہے کہ میں حسب منشا اور کسی خارجی دباؤ کے بغیر زندگی بسر کر سکوں۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ انسان کی خصلت تو دباؤ کے ذریعے کامیابی حاصل کرنے کا وصف رکھتی ہے، خارجی دباؤ زندگی کو ایک خاص پہنچ پر چلنے پر مجبور کرتا ہے فرض محال میں اس یورش سے کسی حد تک بچ جاتا ہوں لیکن کیا میں اپنے اندر دنی دباؤ سے نجات حاصل کر سکتا ہوں؟ میں کئی مہا ذوں پر مصروف ہوں، میں جو کچھ سوچتا ہوں، جو کچھ میرے ساتھ بیت رہا ہے اور جو کچھ میرے ارد گرد ہو رہا ہے، ان میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں نے تینوں کو ایک ہی کڑی میں پیوست کرنے کی کوشش کی ہے پر خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اب میرے سفر کی تیسری منزل شروع ہونے والی ہے، میری برطرفی سے زندگی کی ایک منزل تمام ہونی تھی، دوسری منزل چودہری کے خاتمے کے ساتھ اختتام کو پہنچی ہے، ہر دو منزلوں کا سفر کچھ اتنا ہی بے سود ثابت ہوا ہے کہ سفر نہ کرنے کے برابر ہے، میں اس عرصہ میں نئے انسانی رشتے پیدا کرنے کی بجائے انقطاع میں مصروف رہا ہوں، ان کے ذریعے میں نے زندگی کا جو لمس محسوس کیا ہے وہ مجھے بحال کرنے کی بجائے منتشر کر رہا ہے۔ میری غلطی صرف اتنی ہے کہ میں نے اپنی بجائے دوسروں پر اعتماد کی کوشش کی ہے۔ میری نسل بیمار نسل ہے اس کے پاس سوچنے کے لئے کچھ نہیں ہے، یہ عہد زوال ہے، موجودہ سیاسی جدوجہد بھی اب مجھے ایک وقتی رد عمل محسوس ہو رہا ہے، کیونکہ جن بنیادوں پر تبدیلی کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے، وہ خود تبدیلی چاہتا ہے۔ اوہ، اب وقت آپہنچا ہے کہ میں اپنے صد مات اور حرد میوں کو سیاہی چوس کی طرح اپنے اندر جذب کر لوں۔

میں ابھی تک دوسروں کے لئے زندہ رہا ہوں، اب مجھے اپنی ذات کی حاکمیت قائم کرنی چاہیئے، اس لئے غیر ممالک کا سفر ضروری ہے، میں نے جو کچھ یہاں دیکھا ہے وہ بہت مکروہ ہے۔ کیا کہیں بھی انسان کے لئے عافیت نہیں ہے؟ مجھے یہاں کی مٹی راس نہیں آئی، عہدِ حاضر میں ہجرت کے لئے اجازت اور پاسپورٹ کی ضرورت ہے، مجھے یہ دونوں چیزیں نہیں مل سکتیں، کیا میرا سانس اتنا زہریلا ہے کہ دوسروں ملکوں کے ساحلوں پر قدم رکھتے ہی ساری آب و ہوا مسموم ہو جائے گی؟ میں ضرور باہر جاؤں گا، میں پاسپورٹ کے حصول کے لئے بنیادی حقوق کا مطالبہ کروں گا، اوہ، میں بھول گیا ہوں، یہاں تو بنیادی حقوق جب حقوق کے بغیر زندہ رہا جاسکتا ہے تو خواجواہ پھٹا ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے آج ہر صورت میں باہر نکلنا چاہیئے، میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں چوہدری کو ہلاک کیا گیا تھا، یہ اقدام شبہ کا باعث ہو سکتا ہے، اوہ، میں بھول ہی گیا ہوں کہ پرسوں کوٹر کی منگنی ہے اور مجھے اس کے لئے کچھ بندوبست کرنا ہے، ہر کام کے لئے خاص موڈ کی ضرورت ہوتی ہے زندگی کی یلغارِ آمادگی کی پرواہ کئے بغیر اپنے تسلسل کو جاری رکھتی ہے، اس دقت میرے دماغ پر کچھ اور مسلط ہے منگنی کا خیال نہ جانے کہاں سے دماغ میں گھس آیا ہے، کوٹر کو ان حالات میں منگنی وہ بھی اس منحوس زندگی سے فرار چاہتی ہے، امجد اور رشید بالکل لا تعلق ہو چکے ہیں، پچھلے دنوں کوٹر نے رشید کو پانچ سو روپوں کے لئے لکھا تھا لیکن اس نے جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ ماں کہتی ہے کہ کوٹر کے سسرال کھاتے پیتے لوگ ہیں، ان کے سامنے ہماری سبکی ہوگی، لے دے کر ایک مکان تھا وہ بھی نصف کرایے پر پڑھا ہوا ہے پرانا بوسیدہ فرنیچر اور معمولی کراگری اور سب سے بڑھ کر ایک بیمار اور نیم پاگل بہن میری کہانی کا یہ کردار اتنا منجمد

ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوثر کی شادی کے دن وہ یقیناً ریل کے نیچے سردے دے گی، جو خود مرنا چاہتا ہو اس کی کوئی حفاظت نہیں کر سکتا۔ رضیہ کی رلد وزچینیں اتنی بے اثر ہو چکی ہیں جیسے اس کی بیماری اس گھر کی معمولات کا حصہ بن چکی ہے، میرے ارد گرد کی خانگی صورت حال کافی تنہائی کی حامل ہے، یہ جون کی توں سے میں ان تمام کی ذمہ داری لے چکا ہوں۔ کل رضیہ کو پھر ہسپتال داخل کرایا گیا تھا وہ نہ صرف خود عجیب و غریب بے بسی کی شکار ہے بلکہ ارد گرد کے لوگ تیار داری اور ہسپتالوں کے چکر لگا لگا کر منہمیں ہو چکے ہیں اور آخر میں رضیہ کی بیماری زندگی کا معمول بن گئی ہے، بعض دفعہ میں جھنجھلا کر کہتا ہوں: وہ ٹھیک ہو جائے یا مر جائے! لیکن بیماری اس کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ کوثر کی منگنی کے لئے احمد سے کچھ ہانگ لوں گا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، ایک طرف میں احمد سے کسی قدر گریز کرنے لگا ہوں، شہادتوں کے سلسلے سے میں نے توبہ کر لی ہے، دوسری طرف یہ اخراجات؟ میں سب کچھ چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن یہ مجھے نہیں چھوڑتے، یہ میری آزادی کیسی ہے کہ میں خود مختاری کا احساس لئے ہوئے بھی پہلے سے زیادہ مجبور ہوں۔ ادہ کوثر اندر آ جاؤ، چپکچپ کیوں رہی ہو؟ میرا خیال تھا آپ مطالعہ کر رہے تھے۔ نہیں بس دیسے ہی ذرا تھکا ہوا تھا، ہاں میں نے تمہاری منگنی کی شاپنگ کے لئے ایک ہزار روپے کا بندوبست کر لیا ہے باقی بعد میں۔ بھائی جان میں..... ترک کیوں گئی ہو، کیا بات ہے؟ میں نے شادی کا ارادہ ترک کر دیا ہے! کیوں؟ بس حالات کے پیش نظر حالات تو ایسے ہی رہیں گے میری وجہ سے کوئی..... لیکن میں بے قصور ہوں، میں نے تمہارے انتخاب میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں کی، میں رضیہ کے معاملے میں بھی بے گناہ ہوں اور یہ سارے الزامات..... کیا ان کا بوجھ پہلے ہی کم ہے؟ بھائی جان ٹریجک ہیرو بننے کی کوشش نہ

نہ کریں۔ وقت بہت جلد ہی بدل جاتا ہے، میں نے شادی کا فیصلہ سب کو اس دلدل سے باہر نکالنے کے لئے کیا تھا، سلیم نے آپ کی ملازمت کا بندوبست بھی کر لیا تھا۔ لیکن اس کے والدین نے جب ہماری فیملی کے بارے میں پتہ کیا کہ ہم سب کون ہیں۔ تو آپ کی مصروفیات! کیا مطلب؟ کیسی مصروفیات؟ کسی کو میری ذاتی زندگی میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے! معاشرے میں رہ کر بھائی جان کسی کی کوئی ذاتی زندگی نہیں ہوتی، میں سب کچھ آپ کے بارے میں جانتی ہوں، میں خاموش ہوتی اور رہنا چاہتی ہوتی کہ اس میں مصیحت بھتی لیکن اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ خاموش رہو، کوثر میں جو کچھ کر رہا ہوں سب کچھ تم لوگوں کی بحالی کے لئے ہے، وہ امجد، وہ رشید سب کدھر سما گئے؟ میں تم لوگوں کی بدنامی کا باعث ہوں، ہاں میں اپنی بدنامی کا بھی باعث ہوں کہ میں نے تم لوگوں کے وجود کو اپنی ذمہ داری کے طور پر قبول کیا تھا، میں اس کے لئے بھی شرمندہ ہوں۔ میں اپنے ناکارہ پن کے لئے بھی شرمندہ ہوں، اور آج کے بعد میں ایک اور سفر پر روانہ ہوتا ہوں! میں تہیہ کر چکا ہوں، تم لوگ مجھے چھوڑ دو، ہم سب کی عافیت اسی میں ہے۔

وقتِ مسلسل میں سے تین دن اور منہا ہو گئے ہیں اور میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں، موجودہ صورتحال میں چند چھوٹی چھوٹی ناگواریاں درپیش ہیں، میرا کمرہ مجھ سے چھین چکا ہے، میسر، کتابیں، رسالے اور ان کے درمیان پھیلا ہوا ایک بے ترتیب ماضی، الجھی ہوئی سوچیں، وہ منصوبے جو ذہن سے پرداز کر کے اس کمرے میں چمکا ڈر کی طرح منڈلاتے اور میں سہم کر ان کے ساتھ ساتھ نظریں گھوماتا کہ یہ کتنے خطرناک ہیں! یہ کمرہ میری پناہ گاہ تھی، لوگوں سے اور اپنے آپ سے چھپنے کی، چلو خیر جہاں اتنا کچھ چھن گیا ہے اس کمرے کے کھو جانے سے کیا فرق پڑتا ہے، لیکن یہ کھولی جس کی چارپائی پر لیٹا ہوا اپنے آپ کو مجتمع کر رہا ہوں بالکل میری طرح برہنہ ہے، جگہ جگہ سے فرش ٹوٹا ہوا ہے میری شخصیت کا پول بھی کھل گیا ہے، میں اپنی طرف سے بچد احتیاط کرتا تھا لیکن ماں، کوثر، رضیہ یہ سب کے سب میری نگرانی پر مہمور تھے، وہ کھنکھیوں سے میری حرکات و سکنات کا مسلسل جائزہ لے رہے تھے، میں اس مراقبت سے بے اعتنا تھا، اگر انہیں میرے بارے میں سب کچھ پتہ ہی تھا تو پھر مجھے بتا کر چکنا چور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کچھ ہی بھرم رکھ لیا ہوتا، یہ شرارت اس کے منگیتر سلیم کی معلوم ہوتی ہے، اس نے کالج سے میرے بارے میں تفصیلات اکٹھی کی ہوں گی، کوثر اپنا بہتر مستقبل چاہتی تھی یا مجھے اس قصر سے باہر نکالنے کی خواہشمند تھی، سب کچھ اتنا گڈ ہو چکا ہے کہ سچ اور جھوٹ کے درمیانی فاصلے دکھائی نہیں دیتے،

میں ہر ایک چیز سے، ہر بات سے، ہر واقعہ سے منحرف ہوتا جا رہا ہوں، میرے اس نئے سفر کا قریب کیا ہے؟ میں شہادتوں سے تائب ہو چکا ہوں، درخواست نویسی اور اس سے متعلق دیگر امور کو سرانجام دینا نہیں چاہتا، میں نے کسی حد تک احمد کو انکار کر دیا ہے، چوہدری کی قید سے آزاد ہو چکا ہوں، لیکن کوئی اور چوہدری میری تاک میں تو نہیں ہے؟ چوہدری ایک ادارہ ہے، فرد نہیں ہے، ادوہ، تجھے تلاش کیا جا رہا ہو گا، پانچ چھ دن گزر چکے ہیں، میں کب تک اس راز کو اپنے سینے میں مدفون رکھوں گا؟ میں نے یہ جسم ایک سازش اور منصوبے کے تحت کیا ہے، کئی مرتبہ خواب میں چوہدری کی تڑپتی ہوئی لاش کو دیکھ چکا ہوں، موت کے بعد بھی بد بخت کا سایہ میرا تعاقب کر رہا ہے، میں ایک دلدل سے نکل کر دوسری دلدل میں دھنس گیا ہوں، میں واقعی گریک ٹریک ہیرڈ ہوں، یہ کائناتی نظام میرے خاتمے پر تکا ہوا ہے، میری منطق کے مطابق کوئی شخص منحوس یا مبارک نہیں ہوتا اس کے باوجود میں اپنی بد قسمتی کا کوئی عقلی بواز ہسیا نہیں کر سکا، یہ خرابی مجھ میں ہے یا اس نظام میں ہے جس کا تمام تر ابتذال میری ذات میں مجتمع ہو گیا ہے؟ یہ دور منحوس ہے، اس کی ہر تدبیر انسانی ہلاکت کا شگون لئے ہوئے ہے، نہیں، میں منحوس ہوں میری وجہ سے رصیہ کی زندگی تباہ ہوئی، میری وجہ سے کوثر کو ٹکا سا جواب مل گیا تھا، دونوں معاملات میں میری صداقت کا منہ کھٹا ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں مجبور اور جھوٹا گواہ ہوں، یہ بھی دوست ہے کہ میرا تعلق ملزموں اور مجرموں سے ہے، میرے بارے میں جو بھی کہا جائے وہ درست ہے، میں مجرم ہوں! میں ٹاڈ ہوں! کیا یہ دونوں پیشے نہیں ہیں؟ میرے علاوہ اور بھی لوگ حقیقت اور انسانیت کا منہ کالا کرتے ہیں، انسان کو انسان کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، ادوہ، میرا راستہ موت ہے! مجھے انسانوں سے نفرت ہوتی جا رہی ہے، یہ درست ہے کہ انسان اپنے لئے زندہ رہتا ہے لیکن انسانوں کے درمیان اور ان کے

ذریعے زندہ رہتا ہے میں کس کے لئے اور کس کے ذریعے زندہ رہوں؟ محض ضد کے طور پر زندہ رہنا حماقت ہے.....!

اس کھولی ناکھریں بند ہوئے تیسرا دن ہے، سارے بدن میں تناؤ اور تھکن اتنی کہ باہر نکلنے کے بارے میں قتل کے شبہات قوی بلکہ یقینی ہو چکے ہوں گے۔ اس چار دیواری سے میری مسلسل غیر حاضری اور گھر سے فرار بے شمار افواہوں کو جہنم دے چکا ہے، ملک مقبول اس مرتبہ باڈر آسانی سے کراس نہیں کر سکے گا، گرفتاری کی صورت میں وہ ہرگز میرا نام نہیں لے گا۔ نہیں اب بچاؤ کرنا بے سود ہے، مجھے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دینا چاہیے، لیکن کس قانون کے حوالے؟ تاہم میں سزا کا مستحق ہوں، نہیں سزا میری اصلاح نہیں کر سکتی۔ میں خود تراجمی کا شکار ہوں، اپنی بے بسی میں لذت محسوس کرتا ہوں، گھر کو الوداع کہنے کا تجربہ کچھ اس قسم کا تھا کہ سارے بدن میں سنی سی پھیل گئی تھی، میں ہر روز گھر سے باہر اس خیال سے نکلتا کہ شام کو گھر واپس آنا ہے لیکن اس رات جب میں گھر سے باہر نکلا تو یوں محسوس ہوا کہ میں اس گھر کو نہیں ایک مخصوص زندگی کو خیر باد کہا ہے، میں چوروں کی طرح دبے پاؤں ایک ہتھیلہ لئے ہوئے باہر نکلا تھا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر آگے بڑھتا گیا، کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کہاں شب بوسری کروں؟ پہلے ذہن میں ایک طرح کی خود اعتمادی تھی کہ میں بیس سال سے اس شہر میں رہ رہا ہوں کسی کے گھر سو سکتا ہوں، جب چلتے چلتے بہت تھک گیا تو پھر سوچا کہ صبح جاؤں؟ کوئی مسکن کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی، میں نے جی بھر کر شہر کو گالیاں دیں کہ اس منحوس شہر میں سختی ہی سختی ہے، تحفظ نہیں ہے یہ صرف اسی کو رزق دیتا ہے جسے رزق کی ضرورت نہیں، یہ نا انصافی کا شہر ہے، یہ شہر خود اپنے وجود سے پریشان ہے، مجھے کیا تحفظ دے گا! ایک باغ کے بیچ پر سونے کی کوشش کی گمراہوں سے اٹھا دیا گیا، میں نے احتجاج کے طور پر مضافات کا رخ

کیا، چلتا گیا، ایک مضافاتی بستی میں سورج نے آلیا اور بڑی تنگ و دو کے بعد ایک نیم پختہ مکان کا ایک کمرہ پندرہ روپے ماہوار پر مل گیا، چارپائی عارضی طور پر مالک مکان نے دے دی، اپنے نقلیے کی کل کائنات کو کمرے میں سجایا اور پھر رات کے انتظار میں بوسیدہ سے کمرے کی کڑیاں گننے لگا، دہاں پر مکڑی دیکھی، رابرٹ برن کی بے مغز کہانی یاد آگئی اور میں نے انسانی دانش کو ستھارت سے رد کر دیا کیونکہ مجھے نئی دانش کی ضرورت نہیں تھی۔

شکر دوپہر ہے اور کمرہ تمازت سے دوزخ بنا ہوا ہے، صبح سے سوچ رہا ہوں کہ باہر نکلوں لیکن اعضا بے چین ہیں اور سر اتنا بوجھل ہے کہ کندھوں کے لئے بوجھ بنا ہوا ہے۔ یہاں سے شہر پیدل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے، پورے پانچ میل کا فاصلہ ہے راستے میں سواری کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں اندر آ سکتا ہوں۔ کون ہو تم؟ میرا پیچھا چھوڑ دو! مالک مکان، اللہ وسایا..... اندر آ جاؤ۔ مٹر کیا بات ہے؟ میں بڑی دیر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا تم کچھ بیمار معلوم ہوتے ہو، اپنے آپ سے باتیں کر رہے تھے! محلے کا حکیم بڑا سیانا ہے اسے نبض دیکھاؤ۔ آپ کو پیشگی کرایہ چاہیے ہے یہ لیں پندرہ روپے میری طبیعت ٹھیک نہیں میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ تم معاملے کے کھرے معلوم ہوتے ہو، کیا کام کرتے ہو؟ کچھ نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہارے گھر ولے کہاں ہیں؟ جہنم میں ہیں۔ یار اتنے گرم کیوں ہوتے ہو، میں بڑے کام کا آدمی ہوں۔ تم کام کیا کرتے ہو؟ میں لوگوں کو اس بستی میں پناہ دیتا ہوں۔ کن لوگوں کو؟ جو بے گناہ ہوں، نہ جانے اس بستی کو سوروں کی بستی کیوں کہا جاتا ہے؟ تم بے گناہ ہو؟ ہاں مجھ پر دو قتلوں کا الزام لگایا گیا تھا پر میں یری ہو گیا تھا۔ اس علاقے کے انچارج کو تمہاری اطلاع ہے؟ ہاں لیکن تم کوئی مفروضہ ہو؟ کچھ کہہ نہیں سکتا اپنا مفروضہ ہوں یا کسی اور کا مجھے

اکیلا چھوڑ دو۔ واہ بھی واہ گھبرا کیوں گئے ہو؟ میں چلتا ہوں، کرا یہ ذرا باقاعدگی سے دینا، دارو کی ضرورت ہو تو اپنی بیٹی چلتی ہے۔

یہ جہنمی شخص دفعہ ہو گیا ہے، مجھ سے بید لینا چاہتا تھا کہ میں کون ہوں یہاں کس مقصد سے آیا ہوں؟ اسے میرے چلے اور طرز گفتگو پر شک گزرا تھا۔ ادھر، میں اتفاق سے اس بدنام بستی میں آنکلا ہوں، کیا پتہ تھا یہ دھنکارے ہوؤں کی پناہ گاہ ہے، یہ محض اتفاق ہے، اللہ وسایا، ملک مکان کے کہنے کے مطابق یہ بستی ہمیشہ آباد رہتی ہے ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا آ جاتا ہے۔

۳ بجے سہ پہر، اس قدر گرمی اور تھکن ہے کہ سارا وجود مضحل ہو چکا ہے، میرے پیچھے پیچھے اس چار دیواری کا کاروبار سرد پڑ چکا ہے، میں اس وقت کنٹین کی چوبی کرسی پر بیٹھا ادھر ادھر احمد کو تلاش کر رہا ہوں۔ منشیوں کا اڈا بھی سنسان ہو چکا ہے۔ ۲ بجے چھٹی ہوتی ہے، گرمی کے پیش نظر تمام کے تمام گھر دکن کو چلے گئے ہیں، پھر بھی چار دیواری کے صحن میں اکا دکا کالاکوٹ گھومتا ہوا نظر آتا ہے، بوڑھا خاکروب گھسے ہوئے جھاڑو کے ساتھ صحن میں بن بھر کی پھیلی کثافت کو ایک جگہ جمع کر رہا ہے، سامنے کی سڑک پر عمارت کی بغل سے گھوں گھوں کرتی ہوئی کالے رنگ کی آہنی دروازوں اور دیواروں والی لاری نمودار ہوئی ہے، لاری کی آہنی دیواروں کے اوپر لوہے کی جالیوں کے نیچے بے شمار چمکے ہوئے چہرے نقش گانے گاتے ہوئے ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوئے، لاری کی آہنی دیواروں کا ڈھولک بجاتے ہوئے پاس سے گزرے ہیں، تعجب ہے کہ اس لاری میں انسانوں کو بندروں کی طرح کیوں بند کیا جاتا ہے؟ کئی مرتبہ خواہش ہوئی کہ میں بھی اس میں بند ہو کر جالیوں کے نیچے سے سڑکوں کو دیکھوں، مجھے اب اس طفلانہ خواہش پر ہنسی آتی ہے!

پروفیسر تم نے بھی کمال کیا ہے، میں کئی دنوں سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں تم
 نہ جانے کہاں غائب ہو گئے ہو، یہاں اکیلے گرمی میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ کچھ نہیں
 احمد۔ بات کیا ہے؟ تم نے گھر کیوں پھوڑ دیا ہے؟ کوئی خاص بات نہیں ہے۔
 پتہ چلا ہے تم چوروں کی بستی میں چلے گئے ہو! تمہیں کیسا پتہ ہے؟ ہا ہا مان
 گئے نا، عجب احمق ہو، وہ رہتے کی جگہ ہے، تم اللہ دسایا کے کمرے میں رہ رہے
 ہو۔ تم علم نجوم کے ماہر معلوم ہوتے ہو۔ تم اللہ دسایا کو نہیں جانتے، پرانا
 رسہ گیر ہے، وہ تجربہ اس نے بستی میں تمہاری آمد کی اطلاع اپنے علاقے کے
 انچارج کو دی تھی، کل میں ایک کام کے سلسلے میں اس کے پاس گیا تھا کہنے لگا تمہارا یار
 پروفیسر اب نئے علاقے میں کسی واردات کی غرض سے رہنے لگا ہے۔ ان خنزیروں
 کو ہر شخص مشکوک اور واردات کرتے والا دکھائی دیتا ہے اور جو واردات کرنے والے
 ہیں وہ نظر نہیں آتے، کیا مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ میں جہاں چاہوں رہوں!
 تم میرے گھر آ جاؤ۔ نہیں، شکریہ، میں اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔ یار کیا بات ہے،
 بہت اگڑے ہوئے معلوم ہوتے ہو، تمہاری صحت گرتی جا رہی ہے کچھ اپنی طرف
 توجہ کرو، تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ یار دیکھو
 چوہدری کا پڑا ہو گیا۔ خس کم جہاں پاک! میرا خیال ہے احمد کافی لوگوں کو اس
 سلسلے میں شامل تفتیش کیا گیا ہو گا؟ بڑی مار دھاڑ ہوئی ہے، اچھا ہوا، وہ ختم
 ہوا، وہ ختم ہوا، تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا تھا تمہارے ذریعے اپنا
 اوسیدھا کرتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ پر تو شک نہیں کیا گیا؟ تمہارا اس قتل
 سے کیا تعلق ہے؟ نہیں میرا مطلب ہے کہ میں چوہدری کے کافی قریب تھا، ہو
 سکتا ہے.....؟ میں نے سنا ہے کہ جعفر تمہیں خوا مخواہ ملوث کرنے کی کوشش
 کر رہا ہے لیکن کل صبح ایک مقبول کی گرفتاری کے بعد تم پر شک کی گنجائش نہیں

رہی، میرا خیال ہے وہ تم سے بدلہ لینا چاہتا ہے! ملک مقبول کپڑا گیا ہے! ہاں،
 فکر کی کوئی بات نہیں، جو کچھ ہوا میں سنبھال لوں گا۔ فرض کر دو کہ مجھ پر یہ الزام لگایا
 جائے کہ میں نے ملک مقبول کو قتل کے لئے اشتعال دلایا تھا..... اسے ثابت کرنا
 بہت مشکل ہے، چھوڑو تم کس چکر میں پڑ گئے ہو۔ یار ایک سیکم ذہن میں آئی ہے،
 تمہیں پتہ ہے کہ آجکل کام مندا ہے۔ ہاں بالکل ٹھپ ہوتا جا رہا ہے۔ تمہارے
 ملک مقبول سے کیسے تعلقات ہیں؟ بس واجبی سے ہیں۔ کیا تم اسے بچانے کی
 کوشش کرو گے؟ ہاں، بس کام بن گیا تمہارے ذریعے یہ کیس ہمیں مل سکتا ہے،
 ملک موٹی آسامی ہے دس ہزار اس سے فیس ملے کریں گے، گواہوں کو میں سنبھال
 لوں گا۔ تمہارا ذہن انسان کا نہیں شیطان کا ہے صرف موقع کی تلاش میں بہت ہو۔
 آجکل پیسے کی بڑی کڑک ہے، فائدہ سستی ہے۔ تم میرے پاسپورٹ کا بندوبست کر
 سکتے ہو؟ کر سکتا ہوں لیکن تمہارے معاملے میں کس قدر دقت ہوگی، ہاں، مال لگانے
 سے سب کچھ ہو سکتا ہے رسنو، چوہدری کے قتل میں پبلک کا واحد گواہ جعفر ہے۔ یار
 وہ پہلے ہی کافی بدنام ہے اس کی شہادت پر کون یقین کرے گا؟ خصوصی حالات میں
 اس کے بیان پر یقین کیا جاسکتا ہے تم یہ بحث کیوں کرتے ہو ہمیں اپنے کام
 سے غرض ہونی چاہئے، جعفر کے خلاف تمہاری طرف سے اقدام قتل کا پرچہ درج
 ہے، آج وہ لگ گیا ہے، جعفر سے میں بات چیت کر لیتا ہوں وہ ادھر بیٹھ جائے
 تم ادھر منحرف ہو جاؤ، ہی ہی..... کیسی سکیم ہے؟ اس سے جو پیسہ ملے گا اس
 میں سے تمہارا پاسپورٹ بھی خریدا جاسکتا ہے۔ احمد! احمد! تم سازش ہو؟ تم
 مجھے اس طرح ختم کر دو گے۔ میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا تم نے خود ہی میرے
 ساتھ کام میں شرکت کا اعلان کیا تھا! تم دراصل سوچتے بہت ہو اور میں بغیر
 سوچے کام کرتا ہوں میں کامیاب ہو جاتا ہوں اور تم سوچتے ہی رہ جاتے ہو،

بیوقوف نہ بنو تم نے اگر ملک چھوڑنے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو اس فیس سے تمہاری ٹکٹ بھی خریدی جاسکتی ہے، اس میں بے ایمانی کیا ہے؟ میں تمہیں یہ بتانے والا تھا کہ میں اب کبھی شہادت نہیں دوں گا، اس سے تمہاری آمدنی کم ضرور ہو جائے گی، یہ تمہاری مرضی ہے مجھے ساہتہ رکھو.... جناب نے یہ فیصلہ کب کیا؟ فیصلہ بُرا نہیں، میں نے محسوس کیا ہے کہ اب تمہارے بیانیوں کی ساکھ بھی کم ہوتی جا رہی ہے، یہ تو اور بھی..... یعنی میرے سچ نما جھوٹ کی قلعی کھل رہی ہے، فرض کرو میں تمہاری اس سیکم سے انکار کر دوں؟۔ پھر تم سے بڑا بیوقوف کون ہو سکتا ہے جو رزق کی تلاش میں رزق کو دھتکارتا ہے۔ ملک میرا محسن ہے اس سے یہ سودا..... اس نے تمہارے کہنے پر قتل نہیں کیا اس نے اپنے باپ کا بدلہ لیا ہے، سوچ لو۔ ہاں میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اچھا پھر سوچ کر مجھے بتاؤ میں جلدی میں ہوں، چھوٹا بچہ یا رہے اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔

احمد مجھے چھوڑ دو، کہاں تک مجھے لے جاؤ گے؟ مجھے ترغیب مت دو، میں تھک چکا ہوں..... کنٹین کے نوکر نے چائے کے برتن دھو کر کنٹین بند کرنے کا اعلان کیا ہے، میں کرسی سے اٹھ کر کچھ فاصلے پر باغیچے کے زردی مائل گھاس پر درخت کے نیچے دونوں گھٹنوں کو سر میں لے کر سورج کے غروب ہونے کا انتظار کرنے لگا ہوں اتنی تپش میں پانچ میل کا سفر مجھے پس کر رکھ دے گا۔ احمد قتل سے پیدا شدہ صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، اس نے ہمیشہ مجھے استعمال کیا ہے لیکن وہ واحد شخص ہے جس نے ایک اعتبار سے میری ہر طرح مدد کی ہے، میں ملک مقبول کو کیسے بیک میل کر سکتا ہوں اس کے ذریعے میں نے آزادی حاصل کی ہے، وہ میرا محسن ہے، میں کسی قسم کی سودے بازی کئے بغیر اس کی مدد کروں گا، لیکن

پاسپورٹ اور ٹکٹ کے لئے رقم کہاں سے لوں گا؟ ملک مقبول کے بری ہونے پر اس سے مانگ لوں گا، لیکن اس کی رہائی ایک بہت ہی طویل معاملہ ہے، ہو سکتا ہے بھڑاپنے طور پر ملک مقبول سے سودے بازی کر لے، یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں جعفر کے خلاف شہادت نہیں دوں گا، اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی میں عفو کے ذریعے اسے نادام کر دوں گا، میں اپنے عہد پر بدستور قائم ہوں میں نے اپنی ضروریات اور اپنے درمیان عہد کی یہ کمان رکھ لی ہے کہ میں اب کبھی بھوٹی شہادت نہیں دوں گا، بہت ہوشیاری میں نے ہور دپ دھارا ہے اسے اپنے اندر رچا نہیں سکا، میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میں نے بننے کی کوشش کی اس کے درمیان جو خلیج رہی میں نہ تو اسے سمجھ سکا اور نہ اسے پڑ کر سکا۔۔۔۔۔ میں اب بالکل آزاد ہوں کھلے آسمان کی طرح اس بادل کے ٹکڑے کی طرح میں نے مجبوری اور مفاہمت کی رسی کاٹ دی ہے، مجھے اب کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے، اب میں اپنے لئے زندگی بسر کر سکتا ہوں، ادھر کتنی مسرت کا مقام ہے، اب مجھ کو کسی سے گلہ نہیں ہوگا، آزاد ہوں! آزاد ہوں! میں نے اپنا حق واپس چھین لیا ہے، البتہ تھوڑی سی قباحت ضرور پیدا ہوگئی ہے، میں ایک سال سے زائد کا عرصہ انسانی جہنم میں بسر کر چکا ہوں، ابھی تک میں خود کفیل نہیں ہوا، کمانے کا مسئلہ جوں کا توں رہا ہے، میرے لیے یہ مجبوری دور ہے، میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا، میں زندگی کی دوڑ میں پہلے ہی کافی پیچھے رہ گیا ہوں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری آزادی افسردگی کا تخم لئے ہوئے ہے، میرے اندر افسردگی اور بے دلی کیوں جنم لے رہی ہے؟ یہ آزادی مجھے اُکسا رہی ہے، یہ بتدریج زندگی کی خواہش اور موت کے خوف دونوں کو ختم کر رہی ہے، میری کامیابی کی منزل نزدیک آ رہی ہے، مجھے آج دل بھر کر اللہ و سایا کی جھگی سے منگے میں ابلتی ہوئی

شراب پینی چاہتے کہ موت کو روک سکیں۔

سورج ڈھل رہا ہے اس کے ساتھ میں تمازت کا زور بھی سہنگوں ہو چکا ہے،
مضمل روشنی تیرگی میں قدم رکھ رہی ہے، میں نے آخری سگریٹ کا آخری کٹ
کر بجھتے ہوئے سگریٹ کے مدھم شعلے کو بجھتے ہوئے سورج کی طرف اس خیال
سے پھینک کر اٹھنے والا ہوں کہ آج میں اس رستوں میں اپنے پرانے حلیے
میں جا کر اعلان کروں: سنا کو! میں پھر آگیا ہوں، میں آزاد ہوں میرے پاس کچھ نہیں
ہے، اس لئے میرا کچھ نہیں بچا رہا سکتا۔ بڑی مشکل سے میری ٹانگوں نے بدن
کو سہارا دیا ہے۔ یہ کیسی آوازیں آرہی ہیں سامنے کے برآمدے کے پاس کوئی
بھاگتا ہوا آیا ہے اور اس کے تعاقب میں کوئی اور شخص بھاگ رہا ہے، دونوں میں
تکرار ہو رہی ہے میں باغیچے میں سے اٹھ کر باہر نکلنے والا ہوں کہ ان نامعلوم اشخاص
میں سے ایک نے پیچ کر کہا ہے: تمہیں منالطہ ہوا ہے میں نے تمہاری بہن کو
اغوا نہیں کیا، وہ خود ہی نکل آئی تھی..... بچاؤ، بچاؤ اس آواز نے پیچ
کر مدد طلب کی ہے، میں جلدی سے ان دونوں کی طرف آگے بڑھا ہوں، ہائے
ایک دلہن پیچ بلند ہوئی ہے، اور میرے پہنچنے سے پہلے دوسرے نے پہلے کے
سینے پر خنجر سے دو وار کئے ہیں تیسرا وار کرنے ہی لگا ہے کہ میں نے اسے پیچھے سے
پکڑ لیا ہے، وہ مجھے دھکا دینے لگا ہے کہ اتنے میں چار دیواری میں متعین گارڈ
رائفل اٹھائے ہوئے چمکتا ہوا آرہا ہے: پکڑ لو! پکڑ لو! پکب جھمکتے ہی
چار دیواری کے مرکزی دروازے سے کچھ راہی بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے
میں: کون قتل ہو گیا ہے؟ کس نے حملہ کیا ہے؟ یہ تڑپ رہا ہے! اسے
ہسپتال لے چلو، نہیں پہلے رپورٹ، درج کرائی جائے، یہ واقعہ کس نے دیکھا
ہے؟ میں واردات کے بعد یہاں آیا ہوں، میں بھی دیر سے پہنچا ہوں، کسی نے

یہ واقعہ دیکھا ہے ؟ سب خاموش کیوں ہیں ؟ چار دیواری کے گارڈ نے باری
 باری سب سے پوچھا ہے ، سب آہستہ آہستہ کھسنے کی کوشش میں ہیں ، میں نے یہ واقعہ
 دیکھا ہے ، میں نے چیخ کر کہا ہے ، میں واحد گواہ ہوں !

برسات کا جلسہ ناقابلِ برداشت ہے، چوروں کی بستی کے کچے اور نیم پختہ مکان سورج کی تپش سے جلسہ رہے ہیں، بستی کے تمام درخت سانس روکے ہوئے ہیں۔ میری کھولی سے کچھ فاصلے پر گندے پانی کے جوٹر سے گوبر اور پیشاب کی سٹراند اتنی تکلیف دے ہے کہ سانس لینے کو بھی جی نہیں پاتا، اس جس سے نکلنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ تمازت کی شدت سے کھولی کی دیواریں میرے بدن کی طرح تپ رہی ہیں، چند دنوں سے بیمار جسم کا لازمی جزو بن گیا ہے، دوپہر کو کھولی کے ساتھ بدن تپنا شروع ہو جاتا ہے اور رات تک تپتا رہتا ہے، میں نے اب بدن کے جسمانی ردِ عواقل کے بارے میں تشویش کا اظہار چھوڑ دیا ہے مجھے نہ بدن سے ڈپسی رہی ہے اور نہ اس کی بیماری سے کہ اس کا تعلق بدن سے ہے وہ خود ہی سہرے لے گا۔ میرا ذہن اب افق کے پار دور کسی استجانی سوچ میں گم رہتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی اہم مسئلے کے بارے میں سوچ رہا ہوں، جب سوچتا ہوں کہ میں نے کیا سوچا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ میں نے کچھ نہیں سوچا۔ اس قدر سناٹا کیوں ہے؟ دور کہیں پن چکی کی آواز اور ہڈ ہڈ کی بھدی صدا تنہائی اور سناٹے کے احساس کو شدید کر رہی ہے۔ کچھ میلوں کے فاصلے پر شہر گرمی کے شدید چابک اپنے ننگے بدن پر سہ رہا ہے، اس نے مجھے سڑامی بچکے کی طرح اگل کر پھینک دیا ہے اور میرے نسب سے منحرف ہے، میری صورت حال بے حد مایوس کن ہے، اس مایوسی سے اضطراب نے جنم لیا ہے، میں گرداب میں ہوں، چیزوں اور شکلوں کی ماہیت واضح نہیں

ہو پاتی، میں اس دلدل سے نکلنے کی جتنی کوشش کرتا ہوں اتنا ہی دھنستا جاتا ہوں،
میں ہر معاملے میں شہریت کا شکار ہوں، کبھی زندگی کو قبول کرتا ہوں کبھی اسے لایعنی
منظاہر کا ایک سلسلہ سمجھتا ہوں، میرا ذہن کنفیوزڈ ہے، میں تحفظ کے فلسفے پر
انسانیت کی تباہی کا خواہشمند تھا، میں نے ذاتی تحفظ کے پیش نظر مفاہمت اور
عدم مفاہمت کے درمیانی راستے کو اختیار کیا اور جس کے نتیجے کے طور پر میں
انسانیت سے دور ہو کر اپنی ضروریات اور خواہشات کے قریب تر ہوتا گیا، میں اپنی
شخصیت کے مختلف کونوں کھدروں کو ایک مرکز پر مجتمع نہ کر سکا اور ایک ڈولتی ناڈ کی
طرح کرنے اور نہ کرنے کے بغور میں ڈولتا رہا، مجھے اپنے موجود وجود پر حیرت ہوتی ہے
کہ میں وہی ہوں جو پہلے تھا، میرا ماضی ایک بچے کی طرح میری گود میں بیٹھا ہوا ہے
یقین نہیں آتا یہ بچہ میں ہی ہوں۔

میرے ساتھ پیہم مذاق کیوں کیا جا رہا ہے؟ میرے اعتراف کو میری دیوانگی سمجھ
کر رد کیا گیا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں مکر کر رہا ہوں، میں چال چل رہا ہوں، میں نے
اپنے کردہ جرائم کو سزا کے حوالے کرنا چاہا مگر اسے قبول نہیں کیا گیا اور جو جرائم میں نے
نہیں کئے ان کی سزا ابھی تک بھگت رہا ہوں! میں فیصلہ کر چکا ہوں، زندگی کو الوداع
کہنے سے قبل اپنے جرائم اس دنیا میں چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ
انگلے جہاں میں نیستی کے علاوہ کچھ نہیں ہے تاہم میں حیات بعد موت کو ایک معصوم
کی طرح ملنا چاہتا ہوں، ممانت کیجئے میرا اگلا جہاں لازماً لامکان حقیقتوں کا
ہے جہاں میں نیستی کا جزو بن جاؤں گا اور میرا بدن تقلیب کے تمام مادی مراحل
طے کرے گا، یہ کیمیائی عمل میرے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، یہ سب کچھ
میرے ساتھ بیت رہا ہو گا لیکن میں موجود ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوں گا، اس لئے
میں اپنی تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں کو بطور وراثت انسانوں کے لئے چھوڑنا چاہتا

ہوں، میں انسان کی عظمت اور بلند بانیگی سے منکر ہوں، زندگی کرنا بذات خود ایک صوفیانہ عمل ہے شہور ذات کے حصول کے بعد اسے معروضیت میں منتقل کرنے سے ہی اپنی ضروریات پر قابو پایا جاسکتا ہے، یہ درست ہے کہ ضروریات تھیں سے بہم لیتی ہیں لیکن جب یہی ہو سکا عارضہ بن جائیں تو فرد دوسرے کے لئے ہلاکت کی تصویر بن جاتا ہے۔

میں اس صورتحال کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا، میرا استحصال کیا گیا ہے، میں نے دوسروں کا استحصال کیا ہے میں اور دوسرے ایک ہی پس منظر سے نکلے تھے ہماری شکلیں اور لباس ایک سے تھے اس کے باوجود ہم نے ایک دوسرے کو پسند نہ کیا، ہم دو پیا سے دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کی شہ رگ کا لہو پیٹتے رہے، جب ہم نے ایک دوسرے سے مفاہمت بھی کی تو پھر بھی بھیس بدل کر ایک دوسرے پر دار کرتے رہے، میں نے شرانت اور ذلت کے سب بھیس بدلے، اس کے باوجود میں وہ طمانیت حاصل نہ کر سکا جس کی مجھے آرزو تھی، میں بے نیل و مراد ایک مشتعل بھکاری کی طرح در بدر مارا پھرتا رہا ہوں، میں نے اپنے تحفظ کے لیے ہر قوت سے التجا کی لیکن میرے ساتھ ہر ایک نے دھوکا کر کے مجھے پیہم لرزے میں زندہ رہنے پر مجبور کیا..... !

مجھے کل سلیم کے غلام شہادت کے لئے بلایا گیا ہے کہ میں اس امر کی توثیق کروں کہ اس نے امین کو قتل کیا ہے، میں نے تو اپنے ساتھ شہادت نہ دینے کا عہد کیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ میں پھر عہد شکنی پر آمادہ ہوں، میں نے ابھی تک بنی نوع انسان کو نہیں بخشا، میں اپنے طبقاتی تعصب کے پیش نظر ایک متمول گھرانے کی تباہی چاہتا ہوں، نہیں، نہیں، میں انتقام لینا نہیں چاہتا ہوں، اگر مجھے زندگی کی کسی چیز میں دلچسپی نہیں تو میں پھر شہادت پر کیوں آمادہ ہوں؟ میں اپنا حلف کیوں توڑ رہا

ہوں؟ میری وجہ سے اس کی جان بچ سکتی ہے، مجھے اپنے عہد پر اس کی زندگی کی خاطر
 کاربند رہنا چاہیئے ہیں نے جھوٹ اور کمر کے ذریعے اپنی پرورش کی ہے، مجھے خاموش
 رہنا چاہیئے، مجھے لالچ دیا جا رہا ہے، میں اس کے ذریعے زندگی کی تمام ناآسودگی
 ختم کر سکتا ہوں، یہ موقع غنیمت ہے، میں نیا باب شروع کر سکتا ہوں، میں ساری
 سختیاں بھول جاؤں گا، یوں سمجھوں گا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے، نہیں، میں زندگی دوبارہ
 شروع کرنا نہیں چاہتا، یہ اتنی ہی بے مغز ہوگی جتنی یہ ہے۔ زندہ رہنے کا اسے حق
 ہے جو زندگی کے چلن میں کسی قسم کا مثبت اضافہ کر سکے، میرے پاس کوئی ایسا نصب العین
 نہیں ہے جو زندگی کو منور کر سکے، میں انار کی میں یقین رکھتا تھا میں انتشار اور تخریب
 کو نجات کا ذریعہ سمجھتا رہا ہوں، انسان ہی انسان کی نجات بن سکتا ہے بشرطیکہ
 وہ انسانی اور نظریاتی رشتوں میں پیوست ہو۔ یہ دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے؟ مجھ سے
 ملنے کی خواہش کسے ہو سکتی ہے؟ یہ ہوا نہیں اور نہ ہی میرے کان بچ رہے ہیں،
 یقیناً کوئی ہے اور اندر آنے سے جھجک رہا ہے، مجھے اپنے آپ کو سمیٹ لینا
 چاہیئے، میری بکھری ہوئی سوچ دیکھ کر آنے والے کو میری حقیقت کا پتہ چل جائے
 گا کہ میں کیا ہوں؟ میں اپنے آپ سے یہ حقیقت چھپاتا رہا ہوں اور دوسرے کو
 اس کے تعارف کا موقع کیسے دے سکتا ہوں؟ جو کوئی بھی ہے، ہوا ہے، انسان
 ہے، وہ اندر آ جائے، تم دونوں کون ہو؟ کمرے میں اندھیرا ہے مجھے شکلیں صاف
 دکھائی نہیں دے رہیں: بھائی میں کوثر ہوں۔ بیٹے میں تمہاری ماں ہوں ہائے اللہ
 تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے سانس پھول گیا ہے۔ میں آپ کے پاؤں پکڑنے
 آئی ہوں خدا کا واسطہ ہے گھر واپس چلیں۔ دیکھو بیٹے رضیہ بہت بیمار ہے وہ
 بار بار تمہیں بلا رہی ہے، میں تم سے صاف مانگ لیتی ہوں تمہارے علاوہ ہمارا کون
 ہے! بس کردار، کوثر تم میرے لئے کیوں سکیاں لیتی ہو تم لوگ مجھ سے کیا

چاہتے ہو؟ بیٹے کچھ نہیں بس گھر چلو۔ کونے گھر؟ بھائی جان اپنے گھر۔ میرا کوئی گھر نہیں ہے میں ایک مفروز ہوں جو دیر سے مختلف جگہوں میں پناہیں ڈھونڈتا رہا ہوں۔ نہیں بھائی جان آپ مفروز نہیں ہیں۔ نہیں میں ٹاؤٹ ہوں، منشی ہوں، جھوٹا گواہ ہوں میری واپسی سے تم لوگوں کی بدنامی ہوگی۔ بیٹے اپنی ماں کی بھی سنو ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے یہ ساری چال تمہارے ذیل دوست احمد کی تھی وہ سلیم کے والدین کو آپ کے بارے میں گناہ چھٹیاں لکھتا تھا۔ نہیں یہ بالکل غلط ہے احمد ایسا نہیں ہے، وہ میرا دوست ہے، مددگار ہے، اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بھائی جان مجھے آپ کو بتاتے ہوئے بھی سترم آتی ہے، وہ صبح کالج جاتے ہوئے میرا کسی نہ کسی بہانے تعاقب کرتا تھا، بس مٹاپ پر آپ کے بارے میں کبھی کبھار پوچھتا بھی تھا، میں نے آپ کو اس کے بارے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا، ایک دو مرتبہ سلیم امی سے ملنے آیا تو اس نے سلیم کو ہمارے گھر آنے کی وجہ بھی پوچھی۔ نہیں یہ احمد نہیں ہو سکتا اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ سلیم کو میرے خلاف اکساتا، تمہاری منگنی میں روکاؤٹ پیدا کرتا؟ بیٹا یہ بات سمجھنے کی ہے وہ کینہ اسی محلے میں پل کر جوان ہوا ہے، چلو گھر چلو وہاں جا کر تفصیل سے بات کریں گے۔ نہیں ماں، یہ میرا فیصلہ ہے میں یہیں رہوں گا۔ لیکن کوثر اس کا سلیم سے رابطہ کیسے قائم ہوا؟ بتاؤ چکی، ہوں کہ سلیم سے ملا تھا، منگنی سے پہلے اس کے والدین نے ہم لوگوں کے بارے میں تفصیلات اکٹھی کیں تو اتفاق سے احمد سے ہی ان کا واسطہ پڑا۔ وہ حرام زاد سے احمد، یہ سچ ہے تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، یقین نہیں آتا کہ احمد میرے ساتھ ایسا داؤد برت سکے۔ اچھا، ان تم لوگ جاؤ مجھے کام سے ایک جگہ جانا ہے۔ بھائی جان ہم سب یہاں سے چلیں گے اگر نہ ہم بھی یہیں رہیں گے۔ اچھا تم لوگ جاؤ میں تین دنوں کے بعد آؤں گا، مجھے ایک دو بہت ضروری کام ہیں۔ ہاں

بیٹے بات یاد آئی سلیم بڑا نیک لڑکا ہے خواہ مخواہ اسے ایک مقدمے میں پھنسا دیا گیا ہے۔ بھائی جان آپ نے واقعہ تو دیکھا ہے کہ سلیم نے قتل نہیں کیا، اس پر الزام ہے۔ ہا ہا میری پیاری بہن اور میری بیحد پیاری ماں میں سمجھ گیا ہوں کہ میرا گھر تمہیں کس نے بتایا ہے؟ احمد ترپ چال چل گیا ہے، سلیم غمانت پر ہے، اور اس کا رابطہ سلیم سے ہے وہ اسے بلیک میل کر رہا ہے، پرسوں میری اس واقعہ کے بارے میں شہادت ہے، مجھے ترغیب دی جا رہی ہے کہ میں عقالت سے مکر جاؤں کہ ایک اچھا مستقبل میرے انتظار میں ہے، ہاں دولت اور سکون دونوں پر کشش ہیں لیکن میں ان کی کشش سے آزاد ہوں، میں ابھی تک نادیدہ واقعات کو چشم دید واقعات کے طور پر بیان کرتا رہا ہوں اور اب میں دیدہ واقعات کو نادیدہ کس طرح بنا دوں؟ مجھے پہلی مرتبہ صداقت کا اظہار کرنے دو۔ بھائی جان میں آپ کے پاؤں پکڑتی ہوں۔ کوثر اس نے ہم لوگوں کو دھتکار دیا تھا پھر جی میں یہ شہادت انتقامی طور پر نہیں دینا چاہتا بلکہ سچ کو سچ کے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بھائی جان یہ صداقت ایک بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اُٹ میرا دماغ چکرا رہا ہے، میں مجبور ہوں، یہ کیسی آوازیں میرے کانوں پر دھک دے رہی ہیں؟ آنکھوں کے سامنے روشنیاں ہی روشنیاں ہیں میں مفاہمت نہیں کر دوں گا، یہ زوال کا عہد ہے، ترقی کے قدم رک گئے ہیں نہج دانش کی ضرورت ہے، یہ عصر تباہی کی طرف جا رہا ہے تم اسے کیوں نہیں بچاتے، اوہ، تم نے ہی اسے قبر میں اتارا ہے! کوثر یہ الٹی پلٹی باتیں کرنے لگا ہے بخار دماغ کو چڑھ رہا ہے۔ انہیں یہاں سے اٹھا کر لے چلیں۔ تم دونوں مجھے اغوا کرنا چاہتی ہو، تم مجھے مار فیہ کے ذریعے سلانا چاہتی ہو کہ میں صداقت کا اظہار نہ کر سکوں، تم امپیرسٹ ایجنٹس ہو، مجھے بہکانے کے لئے تمہیں بھیجا گیا ہے، تم نے چہروں پر ماسک پہنے ہوئے ہیں کہ مجھے دھوکا دیا جائے لیکن

میں تمہارے ہمتے نہیں چڑھوں گا۔ بھائی جان میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ ہمارے ساتھ
 چلیں آپ کل جوجی میں آئے کہیں، آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اگر میرے خلاف انسپکشن کی
 پٹی لی گئی تو میں ساری دنیا کا ازناشش کر دوں گا، میں نے دیوانگی کے ذریعے جو
 کچھ دیکھا ہے اسے عقل و ہوش کے ذریعے نہیں دیکھا جاسکتا، ان سین ان سین،
 اگر میں پاگل ہوں تو مجھے کس طرح پتہ ہے کہ میں کیا ہوں اور کیا کرنے والا ہوں،
 مجھے پاگل بنانے کی کوشش کی گئی ہے، امپیریٹ فورسز نے مجھے میری ذات
 کے خلاف استعمال کیا ہے، میں زخمی ہو چکا ہوں اس کے باوجود میرے زخموں
 میں غصہ چنچ رہا ہے، امپوٹنٹ رتج! میں تلافی نہیں کرنا چاہتا ہوں، موت کا
 قصاص موت....! میں بھی قصاص ادا کرنے والا ہوں، میرا رستہ مت روکو،
 میری طمع کند ہو چکی ہے میں اپنی اور ارد گرد میں موجود اشیاء کی تباہی کے ذریعے یہ واضح
 کرنا چاہتا ہوں۔ اُف، تم میری بہن ہو، تم میری ماں ہو، میں رحم کا طلبگار ہوں
 مجھے معاف کر دو، میں صداقت کا گلا گھونٹنا چاہتا ہوں میں جھوٹ کا گلا گھونٹنا
 چاہتا ہوں کہ اس نظام زریست میں دونوں کی حیثیت ایک سی ہے.....

آج کی رات میرے حواس کے لئے اور اس کون و مکاں کے لئے آخری رات ہے، اس کے بعد بہت سی راتیں اور بہت سے دن اس فضا میں تسلسل کے ساتھ ظاہر ہوتے رہیں گے مگر میں ان میں شرکت نہیں کر سکوں گا، میں جو اس وقت اپنے حواس کی وجہ سے 'میں' ہوں نہ جانے کس مادی روپ کی دلیل بن جاؤں گا، بارگاہ کئی صدیوں سے مرجپکا ہے مگر دنیا ابھی تک قائم ہے، میں اس کا حامی نہیں ہوں البتہ اس پر یقین رکھتا ہوں کہ 'تو' 'میں' کی وجہ سے قائم نہیں ہے 'میں' 'تو' کے حوالے سے قائم ہے، بے شک یہ موجودات قائم رہیں گے لیکن ان کے ادراک کا ایک زاویہ اس طرح معدوم ہو گا کہ اسے دوبارہ خلق نہیں کیا جاسکے گا، آج کی رات اتنی تاریک ہے کہ شاید اس کے بعد کبھی اتنی تاریک نہ ہوگی، آسمان پر تارے ہیں لیکن وہ خشک دیئے کی طرح روشنی کی بجائے تاریکی کے احساس کو شدید کر رہے ہیں، یہ رات تمام راتوں سے مختلف ہے کہ میں اس کے بعد کبھی اجالے کی صورت نہ دیکھوں گا، مجھے اس سے کیا میرے بعد یہ جہاں ختم ہو جائے یا ساری انسانیت کہوہ کھاتے میں چلی جائے، میرے جہنم کی جملہ واردات ختم ہو چکی ہیں میں اپنے عوامل میں اس طرح اسیر ہوں کہ ان سے باہر میرا کوئی وجود نہیں ہے، یہ آخری رات میری ہست کی آخری شمع ہے، میں بڑی شجاعت سے اس رات کا مقابلہ کر رہا ہوں کہ اس کے بعد کچھ نہیں ہے! میں خوف مجبوری اور انتہائی گھبراہٹ سے ہرگز درچار نہیں ہوں، میرا موجودہ عمل ٹھنڈے

زمین کی سوچ اور زندگی سے عہدہ برآ ہونے کا فیصلہ ہے، میں جو کچھ کر رہا ہوں یا
 جو کچھ کرنے والا ہوں وہ محض ایک فیصلے کی تکمیل ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا، جو
 انتشار اور ابہام تھا وہ بادلوں کی طرح چھٹ گیا ہے، مجھے کھوئی ہوئی وضاحت
 مل گئی ہے، زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے اپنے اختیار کو استعمال کرنے کا موقع ملا ہے،
 میں نے اس کے حصول کے لئے بڑی جدوجہد کی ہے۔ کچھ بھی ہو مجھے شکوہ کرنے
 کا حق حاصل ہے، میں دوسروں سے اس حد تک شکایتی ہوں کہ انہوں نے میری امید
 کے سب رستے بند کر دیئے تھے، میں نے انہیں معاف کر دیا تھا لیکن غصیل مفاہمت کا رویہ
 اختیار کیا، میں نے تحفظ مانگا، مجھے دغا دیا گیا، میں نے زندگی مانگی، مجھے موت نما
 زندگی دی گئی! وہ مجھ سے بے اعتنا ہوئے میں نے ان کو بھلا دیا..... مجھ پر،
 میری دیانت پر، شک کر کے مجھے تشدد اور بے حرمتی کے حوالے کیا گیا، میں نے
 سب کچھ اس لئے قبول کیا کہ میں زندہ رہنا چاہتا تھا، پہلے مجھ پر شک کیا گیا پھر
 میرے ذریعے دوسروں کو مشکوک بنایا گیا، میں خاموشی کا مجرم ہوں میری زندگی
 ایک جھوٹی شہادت ہے! ایک جھوٹی تصدیق ہے! میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو
 جھوٹ کہتا رہا، میں نے شہروں کو بے اطمینانی اور اضطراب میں جلتے ہوئے دیکھا میں
 نے حقوق کی بجائی میں لوگوں کو نشانہ بنتے ہوئے دیکھا، لیکن میں ان کی اور ان واقعات
 کی شہادت نہ دے سکا، اُتے، جرائم اتنے سنگین ہیں کہ نیورمبرگ کے تمام جنگی
 مجرموں کی سزائیں میرے لیے ناکافی ہیں۔ میں آج کی رات بابا جمال کی جھگی میں رکھی
 ہوئی ساری دیسی شراب کو پینا چاہتا ہوں کہ بدن کا ایک، ایک بخیرہ ادھر چلا جائے اور
 میں زماں و مکاں کی دسعتوں میں ریزہ ریزہ ہو کر بھر جاؤں، اور پھر اپنا پتہ نہ پاؤں،
 ارہ، میں نے کس سنگدل دور میں جنم لیا ہے جو کسی حالت میں بھی عظمت کا حامل نہیں
 ہے، یہ دور تباہی کا تماشا ہے تفوق اور برتری کے جنون نے زندگی کو محشر کردہ بنا

دیا ہے، کیا زندگی اتنی ہی پیچانی اور ناقابلِ برداشت ہے یا یہ صرف میرا احساس
 ہے؟ نہیں، زندگی ان کے لئے پر امن ہے جو تصادم کی حقیقت سے گریزاں ہیں، جو
 موجود کو قبولیت کا درجہ دیتے ہیں اور میں موجود کی تبدیلی کے خواب دیکھتا رہا ہوں،
 میں نے اتنے خواب دیکھے ہیں کہ میں خود ایک بھیانک خواب بن گیا ہوں، جسے دہراتے
 ہوئے مجھے خود خوف آتا ہے، مجھے کامیابی اور قول کا آخری موقع ملا تھا لیکن میں نے
 اسے جانے دیا ہے، میں اپنی تمام حسرتیں نکال سکتا تھا، میں اپنے خاندان کو بحال
 کر سکتا تھا یہی وہ لمحہ تھا جس کی خاطر میں نے ساری تربیت اور شعور منہدم کیا تھا اب
 نہ جانے کیوں میں نے اسے رد کر دیا ہے، میں نے تحفظ اور بقا کے لئے استحصالی
 قوتوں سے تعلق استوار کیا لیکن یہی محسوس ہوا کہ یہ قوتیں ہر ایک کو اپنے مقاصد کے
 لئے استعمال کر رہی ہیں، میں نے دنیوی کامیابی کے لئے جو خلعت پہنی اس کے بوجھ
 تلے بڑھتا رہا، میں نے اسی تحفظ کی خاطر پہلے اپنے آپ کو دغا دیا پھر ہر ایک
 کو دغا دیا، میرا مزاج اور اس سے پیدا شدہ مایوسی اور غلش میری حماقت کا نتیجہ تھے،
 میں ایک خود مختار اور آزاد فعلیت کا عامل ہونے کی بجائے کچھ تیلی کی طرح ناتواں رہا
 تھا، یہ زندگی نہیں موت تھی! میں نے ایک سبق ضرور پڑھا کہ انسان روستی کے رویے
 کی بجائے انسان کشی اور رنفا کا نہ رویہ کامیابی کا ضامن ہے، میرے ارد گرد جتنے افراد
 اور واقعات رنما ہوئے تمام کے تمام خود غرضی انسانی خود غرضی کا نتیجہ تھے، میں جب
 معاشرتی افادیت سے غاری تھا تو ایک عضو معطل کی طرح تھا، جوں ہی واقعات
 میری افادیت بڑھاتے میری قیمت میں اضافہ ہو جاتا، مجھے یوں لگا کہ انسانی زندگی
 شاگ ایکسچینج کا ایک نرخ ہے، شاید، حمید، لالہ، ناہید، کوثر، احمد سب کے
 سب ضرورت اور ضرورت سے پیدا شدہ کمینگی کا انسانی روپ ہیں!
 میں اپنی زندگی کا تسلسل برقرار رکھ سکتا ہوں، بیماری اور اچانک کی موت میرا

راستہ نہیں روک سکتے، میں نے موت کے خوف پر غلبہ پایا ہے، موت سے زیادہ
 موت کا خوف ہوا اس سلب کر لیتا ہے، موت کا خوف زندگی کے حوالے سے تقویت
 پکڑتا ہے، میں نے زندگی کو سچ دیا ہے موت کا خوف مجھ پر کیوں کر حاوی ہو سکتا
 ہے؟ خودکشی میرے طریق عمل کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے میں اسے بطور فرار استعمال
 نہیں کر رہا، نہ ہی اس کے پیچھے پناہ لینا چاہتا ہوں، اس سے بڑھ کر میری آزادی کا اور
 کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ میں نے مرنے کا فیصلہ کسی دباؤ کے بغیر کیا ہے! زمانِ مسلسل
 سے یہ قیمتی لمحہ چھین لیا ہے! زندگی لایعنیت کے احساس کے بعد شروع ہوتی ہے،
 اس نظامِ زیست میں فرد اس سے رابطہ استوار نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس سے متصادم ہو
 سکتا ہے، یہ تصادم ناگزیر طور اسی خلیج کو پیدا کرتا ہے جس کا میں شکار ہوں، اس صورتحال
 میں جب افعال کی آزادی نہ ہو جب انتخاب بھریت کے تحت ہو، زندگی گزارنا محض حمت
 ہے، جو عوامل مجھ سے سرزد ہوئے اور جو شخصیت میں نے اپنے اوپر طاری کی ہیں اسے قبول
 کرتے ہوئے بھی نہ قبول کر سکا، میں نے جو کھیل رچایا وہ بے مغز تھا، میں اور میرے
 عوامل میں بعد تھا اس لئے میں بستے ہوئے شہر میں بھی کٹی پتنگ کی طرح ڈولتا رہا،
 اس سے بڑھ کر اور حسرت کیا ہو سکتی ہے کہ میں کسی ایک فرد واحد سے بھی کسی قسم کا
 تعلق نہ پیدا کر سکا اور نتیجہ کے طور پر میری زندگی تنہائی اور دیوانگی کا ڈرامہ بن گئی،
 کچھ کہے سے بغیر مجھ پر زبان بندی کی شرط عائد کی گئی، میں نے اشاروں کو گفتگو کا
 سلیقہ سکھایا لیکن انہیں مجذوب کی مہمل حرکات سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا، میں نے احتجاج
 کے طور پر خود کلامی کا صیغہ اختیار کیا، یہی سمجھا گیا کہ میں گونگا ہوں یا مجھے انشراح کا
 سلیقہ نہیں ہے، ادھ، میرا ذہن اتنا حساس کیوں ہو گیا ہے؟ بابا جمال کی دیسی
 شراب میں بارش کا پانی گھل گیا ہے اسی لئے یہ مجھ پر اثر نہیں کر رہی، میں نشے کے
 ذریعے عالم ہوش سے فرار حاصل نہیں کر رہا اور نہ ہی موت کے عذاب سے بچنے

کی کوشش میں ہوں، میں شراب کے ذریعے اپنے زیادہ قریب آنا چاہتا ہوں کہ
 اپنی جہات کو پوری طرح دیکھ لوں، میں نے کسی قدر چالاکی سے کام لیا ہے، میں نے
 قربت کے عمل میں اپنی ہلاکت کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب میں بالکل اپنے قریب ہو
 جاؤں گا تو یہ سیال مادہ میرے خلیوں سے تازہ ہوا کو پوس کر زہریلی بنا دے گا! اللہ
 میری خود شناسی ہلاکت کا عمل بن کر میرے جسدِ خاکی کو اس خاک میں منتقل کر دے گی
 جو اصل حقیقت ہے، یہ میرے جہنم کا انجام ہے! ہر ایک اپنا جہنم خود تعمیر کرتا ہے،
 یہ جہنم زندگی میں خواہش کے تسلسل کا جہنم ہے! یہ سیال مادہ میرے اندر ایک نئے
 احساسِ وجود کو جہنم دے رہا ہے یہ معرفت جو مجھے حاصل ہوئی ہے میں اپنے ساتھ
 لے جا رہا ہوں، میں نے اپنے آپ پر عبور حاصل کر کے موت اور زندگی دونوں
 کو لایعنی بنا دیا ہے، میں اپنا احتساب کر چکا ہوں، اپنی کوتاہیوں کو دوسروں کے
 ساتھ منسوب کرنے کی بجائے اب میں خود اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں، تمام
 مراحل سے گزرنے کے باوجود میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ میری آفرینش کی غایت
 کیا ہے؟ مجھے کس مقصد کی تکمیل کے لئے جہانِ وجود اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا ہے؟
 یہ سوال کافی پیچیدہ ہے اور میں ہر دست اس کا جواب ہسٹیا نہیں کر سکتا، صرف یہی
 کہہ سکتا ہوں کہ وجود اختیار کرنا ایک ایسا حادثہ ہے جو میرے اختیار سے باہر ہے،
 اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا وجود میری آفرینش سے قبل جینز کی صورت میں موجود تھا،
 دو ایکس ایکس کے انطباق سے میں نے اپنا موجودہ وجود اختیار کیا، اس سارے عمل
 میں میری رضا کو کوئی دخل نہیں تھا، بلوغت کے بعد میں نے کہا: میں ہوں اور اس
 اقرار کے ساتھ ہی ساری کائنات میرے لئے ممنوعیت کا لبادہ پہننے لگی، اب موت
 انقطاعِ حیات اگر میں طبعی موت کا راستہ اختیار کرتا تو یہ اتنا ہی مجبوری
 کا عمل ہوتا جتنی میری پیدائش، لیکن موجودہ حالت میں موت کا عمل اختیاری بن چکا ہے

یہ میرا شخصی فعل ہے میرا کیا ہر شخص کا اتنا ہی شخصی فعل ہے جتنا کسی کا اپنی بیوی کے ساتھ جنسی تعلق ہوتا ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں کہ موت کے وقت ناامیدی انسانی تقاضا ہے کیونکہ انسان بنیادی طور غاصب ہے وہ اپنی ملکیت سے کسی حالت میں بھی دستبردار نہیں ہوتا، یہ ناامیدی زلیست کی ملکیت چھوٹنے کا غم ہے، افسانہ! یہ جان کنی کا عالم ہے، دوسرے کو مرنا ہوا دیکھ کر ہم میکانیکی طریقے سے اظہارِ افسوس کرتے ہیں، یہی کہتے ہیں، دیر سے بیمار تھا یا اچانک حادثے کا شکار ہو گیا ادہ، بڑی ناانصافی ہوئی، جب یہی واقعہ شخصی واردات کے طور پر پیش آتا ہے اس وقت دوسرے زیادہ یاد آتے ہیں کیونکہ اپنا وجود دوسروں کے حوالے سے قائم ہوتا ہے، پھر دوسروں کے چہرے دھندلانے لگتے ہیں اور اپنے وجود کے انہدام کا احساس شدت سے تقویت پکڑتا ہے، موت کا کرب اور زندگی کی بازگشت مرنے والے کے ذہن سے معنویت کو حذف کر کے زندگی کے پچاس ساٹھ سالہ عرصے کو بخر زمانی سانچے میں منتقل کر کے انسان کو بے بس کر دیتی ہے، موت اور پیدائش زندگی کے دو ایسے سانچے ہیں جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں پیدائش اور موت کا درمیانی عرصہ اختیاری ہے لیکن آغاز اور انجام کی بے بسی ایک سوال بن کر پوچھتی ہے : اگر یہ ناپائیدار ہے تو پھر پائیداری کا تقاضا کیوں کیا جاتا ہے؟ وفات پر آہ و زاری کیوں کی جاتی ہے؟ میں مطمئن ہوں کہ میری موت کسی کو رنجیدہ نہیں کرے گی، کسی کی آنکھیں میری غیر عاضری سے نم نہیں ہوں گی۔ ادہ، بابا جمال کی جھگی سے باہر موسلا دھار بارش ہو رہی ہے، انسان نہیں کاٹنا میرے لئے رو رہی ہے، دوپہرے کافی تیز بارش زمین کو چھلنی کر رہی ہے۔

ٹھیک بارہ بجے ہیں نے سلیم کے خلاف اپنی شہادت مکمل کی تھی، وہ بھی عجیب و غریب شخص تھا ملزموں کے کہہ رہے ہیں کھڑے ہو کر بھی بڑا متکبر تھا، اس

نے پہلے مجھے بڑی حقارت سے دیکھا پھر میرے بیان کے دوران چہرے پر طنز یہ مسکراہٹ کا خول چڑھا کر چھپت کی طرف دیکھتا رہا، اس نے بنفس نفیس مجھ پر بہت طویل جرح کی تھی، بحث کا لب لباب مجھے تحقیر کے ذریعے مشتعل کرنا تھا، اس نے کہا: میں برطرف شدہ پروفیسر ہوں، اس نے کہا: میں کرائے کا گواہ ہوں، اس نے کہا: میں پیسے لے کر بیان میں تغیر و تبدل کریتا ہوں، اس نے کہا: چونکہ کوثر کا رشتہ میرے پیسے کی وجہ سے رو کر دیا گیا ہے اور میں انتقام کے طور پر شہادت دے رہا ہوں، اس نے کہا: میں سیاسی طور پر مشتبہ ہوں، میں نے کہا: میں سب کچھ مانتا ہوں لیکن تم قاتل ہو، تم نے مجھے سرمایے کے ذریعے خریدنے کی کوشش کی ہے، تم قاتل ہو، اور میں نے یہ واردات اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے، وہ مجھے جھوٹا ثابت کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے صداقت کو تھلمے رکھا، جرح کے ختم ہوتے ہی میں نے باہر نکلنے کی کوشش کی، راستے میں احمد ملا وہ مجھ سے گلہ کرنے لگا کہ میں نے مک مقبول کا مقدمہ حاصل کرنے میں کوئی کوشش نہیں کی، میں نے کہا: میں تم سے ابھی تفصیلی بات کرتا ہوں مجھے جعفر کے خلاف شہادت دینی ہے، میں نے دباں سے جان چھڑائی اور جعفر کو معاف کر کے بابا جمال کی جھگی کا رخ کیا، بابا جمال کی جھگی میری کھوئی سے آدھ میل کے فاصلے پر ہے یہاں بابا جمال نا جائز شراب کشید کر کے اپنے دو لوکروں کے ذریعے شہر کے مختلف ادوں پر فروخت کرتا ہے۔

ٹھیک بارہ بجے رات! بابا جمال کی جھگی میں کسی قدر تاریکی ہے، ایک گوشے میں ٹٹماتا ہوا دیا ہوا کے جھونکوں سے کانپ رہا ہے، چوبے میں گیلی لکڑیاں جھلنے کی بجائے ٹنگ رہی ہیں، ہر طرف دھویں کے ستون پھیلے ہوئے ہیں، بابا جمال میعاد بنار میں مبتلا چار پائی پرالٹا بیٹا کراہ رہا ہے، جھگی میں شراب کے تین مٹکے سفید گڈیاں باندھے ہوئے خاموشی سے دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، میں پچھلے سات آٹھ گھنٹوں سے مسلسل

شراب پی رہا ہوں اتنے سگریٹ پی چکا ہوں کہ سارے بدن میں تباہی اور دیسی شراب کی میٹھی میٹھی بو چڑھی ہوئی ہے، ابھی تک میرا ذہن ماڈف نہیں ہوا، پیٹ غبارے کی طرح پھول گیا ہے، ٹانگیں بمشکل پیٹ کا بوجھ اٹھا رہی ہیں اور قدموں کے نیچے زمین کانپ رہی ہے، یہ زلزلہ نہیں میرے وجود کا ارتعاش ہے، میرے پاؤں زمین کا پیٹ چھو کر اندر سامنے کی جگہ بنا رہے ہیں، میرے پھیپھڑوں میں سانس لینے کی سکت کافی کم ہو گئی ہے غالباً الکوہلک ٹوکشی کا عمل شروع ہو چکا ہے، میرے ایک ایک خلیے میں غلیظ ہوا بھرتی جانے لگی، میں ایک مرگی کے مریض کی طرح زمین پر کچھ عرصہ لوٹنیاں لے کر دم توڑ دوں گا، جو بھی دیکھے گا کہے گا: بیچارے نے بڑے عذاب میں جان دی ہے، میں اتنا بے حس ہو چکا ہوں گا کہ اس کی حماقت پر کھلکھلا کر ہنس بھی نہیں سکوں گا، طرح طرح کے مفروضے قائم کئے جائیں گے: بیچارا بہت کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن موت نے مہلت نہ دی..... اُف بہت گھٹن ہے، میں نے نازہ ہوا کے لئے ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے ہیں، ادھر راسکولینکوف تم نے فوریت کا وہ لمحہ کیسے چھین لیا تھا؟ میں سسک سسک کر اس کی طرف آگے بڑھ رہا ہوں، تمہارے سامنے سزا کے بعد نئی زندگی کے آغاز کا عزم تھا، میرے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا ہے کہ میں بے عقیدہ ہوں بلکہ اگینوسٹ ہوں، تم نے جرم اور سزا کے ذریعے نجات کا در کھولا، میں جب ائم پیشہ نہیں تھا اس کے باوجود مجھے مجرم قرار دیا گیا میرے وجود کو عمومی صحت کے لئے ہلک قرار دیا گیا، ادھر راسکولینکوف! تم نے زندگی سے دہانیت کی طرف سفر کیا اور میں.... میں منتشر ہوتا جا رہا ہوں قطرہ قطرہ الکوہل میری ثریاؤں میں آگے بڑھتی جا رہی ہے، پتلیاں پھیل گئی ہیں، میرے منہ کا ذائقہ بالکل بدل گیا ہے، جسم، جو ایک مدت سے تنا ہوا نیمہ بنا ہوا تھا، اس کی ٹانہیں ڈھیل ہو گئی ہیں، سلیم کو موت

کے سپرد کر کے میں نے اپنے آپ کو ٹر اور سلیم سب کو تہس نہس کر دیا ہے، میں اس صورت حال کو بچا سکتا تھا لیکن یہ سب کچھ غیر معمولی حالات کا نتیجہ ہے، میں غیر منصف معاشرے کی صداقت کو آزمائش میں دیکھنا چاہتا تھا، میں اپنی آزادی کو فعالیت سے آشکار کرنا چاہتا تھا، ان حالات کے پیش نظر میرے غلات فردِ جرم مرتب کی جاسکتی ہے، میں نے ہر انسانی سنگی کا مظاہرہ کیا ہے، مجھ سے ناکردہ جرائم منسوب کئے گئے اور میں نے جن جرائم کا ارتکاب کیا ان کا مجھے تحفظ دیا گیا! میں نے ملزموں اور ادبِ مجرموں سے دوستی کا دم بھرا کیونکہ مجھے ان میں زیادہ انسانیت نظر آئی، ان کی بیساختگی میں منافقانہ تہذیب کا پرتو نہیں تھا، میں نے ان سے وہ کچھ سیکھا جو مہذب ثقافت نہ سکھا سکی، یہ لمحہ فکر ہے اے دانشور اور مشیر! معاشرتی نا انصافی اور اقتصادی ناہمواری سے جو دانش اور صداقت جنم لے گی وہ امن اور تحفظ کی بجائے استحصال اور ہلاکت کی ذمہ دار ہوگی! آؤ میرا محاسبہ کر لو، مجھے چاروں سمت سے گھیر لو، اے رشتینو! میرے گلے میں تاریکی کا پھندہ ڈال دو! میں نے اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا اقرار کر لیا ہے..... اُف، میرا سانس گھٹ رہا ہے، میں اب زیادہ انکول نہیں پی سکتا، الکوہک ٹاکسٹی کا عمل شروع ہو چکا ہے، میرے پھیپھڑوں کے لئے سات فضاؤں کی ہوا درکار ہے، میں سسک رہا ہوں..... میں نے اس عذاب کی بدولت حقیقت کی جھلک دیکھ لی ہے، مجھے دریا کی طرف جانا چاہیئے، ہوا بارش اور بہتے پانی کی سرسراہٹ مجھے بلا رہی ہے..... لانگ مارچ اکتوبر ۱۹۲۲ء..... میں آگے بڑھ رہا ہوں، میں نے بابا جمال کی جھگی سے باہر قدم رکھ دیا ہے، باہر نکلتے ہی کانپتا دیا آخری پھڑپھڑاہٹ کے بعد بجھ گیا ہے.... لفٹ رائٹ استحصال کے خلاف لانگ مارچ..... کائناتی قوتوں کے خلاف لانگ مارچ بڑا سخت مقابلہ ہے..... بارش کی تیزی اور ہوا کی تندہی سے نظر دھندلا

گئی ہے، میری آنکھوں کو روشن ہونا چاہیے کیونکہ میں نے دوغلی حقیقت کا آخری روپ دیکھ لیا ہے، دریا کا پل رنگ برنگی فیون روشنیوں کا سہرا باندھے میرا منتظر ہے، مربب کے گرد تاریکی کا مقدس ہمار ہے، غالباً میں اندھا ہو چکا ہوں، میں آگے کیسے بڑھوں؟ کچھ دکھائی نہیں دے رہا، اس راتے کو میرا راہر بننا چاہیے، مجھے منزل مقصود تک پہنچانا چاہیے، کیچڑ بارش غاموش آسمان اور اس کے پیٹ میں سے رتا ہوا پانی، دریا کی سرسراہٹ! دریا پر سکون دریا! دشمن نے تجھے پیسا کر دیا ہے، تیرے کنارے بنجر ہوتے جا رہے ہیں تو معنویت کی سیال حقیقت ہے، یہ سب کچھ کتنی سرعت سے بدل گیا ہے، میں کل تک ایک خوف زدہ بچہ تھا اور اب..... نہیں، یہ سب کچھ خواب ہے، میرے ساتھ کچھ نہیں ہوا ابھی ابھی میری نیند کھل ہے، مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے یہ کلاس کل پڑھا لوں گا..... نہیں یہ جھوٹ ہے میں اندھا دھند دریا کی طرف بڑھ رہا ہوں، میں اب بھی راستہ تبدیل کر سکتا ہوں، میرے پھیسپڑے اور ٹانگیں خواب دے گئی ہیں، نہیں، ہرگز نہیں، میں دوغلی حقیقت کا دوبارہ بلوچہ اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا، جھوٹ بول بول کر میری زبان پر چھالے پڑ چکے ہیں، ذہن نے مزید جرح سننے سے انکار کر دیا ہے، یہ نئی اخلاقیات کے بارے میں غور و فکر کرنے کا موقع نہیں ہے، یہ میری نہیں اس شہد کی شکست ہے! میں اپنا خمیازہ ہوں! یقیناً میرے زمانے کو مجھ جیسے شخص کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں نے اس کے وجود سے انکار کیا تھا اس نے اب میرے وجود کی نفی کی ہے، میں آفرینش سے پہلے نفی تھا، میں موت کے بعد نفی ہو جاؤں گا، میں نے اپنے وجود کے ذریعے دو منفی نقطوں کو آپس میں متصل کیا ہے.....

دریا کا پل سنئے تمدن کا نقیب بن کر مجھے اپنی دیوہیکل جسامت دکھا رہا ہے، پل بارش میں نرا بور، بارش کی دیوار کے پیچھے رنگ برنگی روشنیوں کا شہر میرے

انجام سے لائق محو خواب ہے، ناہید کو میری موت کا یقین نہیں آئے گا، ساری تفصیل زرد صحافت کے سفید مٹیالے صفحے سجالے گی، بارش کی دیوار، دیوار گریہ! دیوار وجود! ہر طرف دیواریں ہی دیواریں! میں نے دیوار وجود کے پیچھے کچھ نہیں دیکھا، نہ دیکھتے ہوئے بھی میں پتھر کی طرح ساکت ہو گیا تھا، اب کبھی میں موت کی دیوار کے پیچھے نہیں دیکھوں گا کیونکہ موت اتنا ہی دیکھنا چاہیے جتنا دیکھا جا سکے۔ دریا کا نیپل روشنیوں کے ہالے پہننے تھکے ہارے مسافر کو خوش آمد کہہ رہا ہے، دریا کا پرانا پل تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے، ایک تاریک اور ایک روشن پل دونوں شہر کی راہ دکھاتے ہیں..... الوداع الوداع! شہرِ سنگِ دل! الوداع الوداع! مجرمو! بے گناہ اسیرو! میں نے تمہارے حوالے سے ایک عہد کی داستان کو مکمل کیا ہے، میں تمہاری طرح بے نام اور گمنام ہوں..... میں نے پل کی طرف آتے ہوئے سب نشان منہدم کر دیئے ہیں تاکہ تم قیاد نہ لگا سکو کہ پچھلے پہر شہر میں سے کون دے پاؤں نکلا تھا؟ وہ دیکھو آسمان پر گرج کے ساتھ بجلی کی کمان نمودار ہوئی ہے، میں نے اپنا عہد پورا کر لیا ہے! میں اپنے جسم کی لوح محفوظ کو دریا کے سپرد کر رہا ہوں کہ آئندہ زمانے میں کھدائی کے وقت اس لوح محفوظ کے روپ میں دوبارہ منکشف ہو جاؤں، سنئے پل کی ریلنگ سے نیچے دریا پیٹ کھولے میرا منتظر ہے..... میں نیچے گرتا جا رہا ہوں پاتالوں میں، خلاؤں میں، مجھے ویل مچھلی نہیں ننگلے گی!

اختتام سے پہلے

میں ایک مرتبہ پھر اپنے کمرے میں واپس بھیج دیا گیا ہوں، مجھے آرام کا مشورہ دیا گیا ہے، موت نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے، دریا نے مجھے قبول نہیں کیا، مجھے مال مسروقہ کی طرح برآمد کیا گیا ہے۔ اس رات دریا کے پُل کے نیچے ایک حفاظتی کشتی گشت کر رہی تھی کہ جنگ کا خطرہ تھا، مجھے دریا میں گرتے ہی حفاظتی کشتی میں سوار افراد نے ذرا سی تنگ و دو کے بعد باہر نکال لیا، بعد میں میرے خلاف اقدام خودکشی کی کارروائی شروع کی گئی، میں ابھی تک زندہ ہوں اور وہ کارروائی جاری ہے۔ اس دوران کچھ تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں: رضیہ فوت ہو گئی ہے اور سلیم کو سزائے موت سنائی گئی ہے اور اُس نے اس سزا کے خلاف عذر داری دہل کی ہے۔ کیا مجھے اس تھوکی ہوئی زندگی کو پھر چاہنا ہے؟ مجھے آرام کا مشورہ دیا گیا ہے! میں نے اپنے فیصلے کا اعلان کرنے سے پہلے اپنی تنہائی اور بیزاری سے تنگ آکر اپنی مکروہ سوانح عمری کو لفظوں میں منتقل کیا ہے، ایک مرتبہ پھر لاپتہ ہونے سے قبل یہ اوراق احمد کے حوالے کر دوں گا، کیونکہ ان کے جملہ حقوق محفوظ ہیں!



دیوار کے پیچھے

'دیوار کے پیچھے' کے بارے میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ ناول ہمیں دیوار کے پیچھے کھائے کی تخلیقی تحریک عطا کرتا ہے۔ آپ اسے غیر اخلاقی حرکت کہہ لیجئے۔ تاہم اس میں کسی خطرات بھی مضمر ہیں۔ کیونکہ اس ناول کو پڑھنا عصری زندگی کے پورے کرب سے گزرنا ہے یہی وجودی بحران کا نقطہ آغاز ہے۔

انہیں ناگی کے اس ناول کا ہمارے عہد سے وہی تعلق ہے جو شاہ حسین اور بلھے شاہ کی شاعری کا اُنکے زمانے سے تھا۔ یہ نئے انسان کی وجودی صورتحال کا مظہر باقی بیان اور عصر حاضر کی عمیق انسانی صداقت کا اظہار ہے۔ پندرہ سولہ برس قبل انور سجاد کے افسانوں کے مجموعے 'چوراہا' پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں ناگی نے لکھا کہ "زندگی کے بطن میں جو تغیرات جنم لے رہے ہیں، بین الاقوامی انسان کی شبیہ جو رنگ بدل رہی ہے اُن سے اُردو کے افسانہ نویس اور نقاد دونوں بے خبر ہیں یا تشخص کی صلاحیت نہیں رکھتے" بے خبری کے اسی دھبے کو دھونے کیلئے شاید یہ ناول لکھا گیا ہے۔ اگرچہ اب بھی یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے روایتی نقاد اس ناول کی افہام و تفہیم کے باب میں کسی محقول معاونت کا مظاہرہ کر سکیں گے۔

'دیوار کے پیچھے' اُس مرؤد شہر میں فرد کی سرگزشت ہے جس کی سماعت میں فرق آچکا ہے، جس میں عظمت اور امان نہیں محض سفلہ پن اور طمع ہے۔ جس میں جانا جرم کرنے کے مساوی ہے جہاں تمام انسانی رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ فرد اپنی شناخت کھو چکا ہے۔ وہ کنسٹرکشن کیمپ میں اپنے نمبر کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ اس بستی میں فرد اپنے تئیں عضویاتی کلی بھی محسوس نہیں کرتا۔ اپنے اپنے آپ سے بے بس اور حالات کے جبر کا شکار ہے۔ یہاں زندگی مطلق کے افق اور ابدیت کے بغیر بسر ہوتی ہے۔ اس کا المیاتی احساس بھی فنا ہو چکا

ہے۔ ہیلزم اس شہر کا حوالہ ہے۔

انیس ناگی وجود کے ناقابل فہم ہونے کی حقیقت اور اس کی لایعنیت دونوں کو بیک وقت آشکارہ کرتا ہے۔ کرب لائینٹ اور لایعنیت کو زندگی کے اساسی تجربے کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے وہ ایک نئے شعور، نئے طرز احساس اور نئی اونٹولوجیکل اقدار کا مطالعہ کرتا ہے جن کے حوالے سے ہیلزم کے حدود میں اس سے مادرِ رائیت کے امکانات تلاش کئے جاسکیں۔

انیس ناگی کا پروفیسر لایعنی کا ئنات میں بلا جواز پھینکا ہوا اینٹی ہیرو ہے وہ برگشتگی کی تجسیم ہے۔ روحانی طور پر جلاوطن، بے جڑ بے خاندان اور بے ایمان ہے۔ فطرت سے برگشتہ، مذہب سے محروم اور اجتماع سے لاتعلق ہے۔ سارتری ہیرو کی طرح وہ اپنے ہیلزم کے ساتھ زندگی کا انتخاب کرتا ہے۔ پروفیسر کے روپ میں انیس ناگی نے لایعنیت کا راز افشا کیا ہے اور اسے نئے فنی شعور اور قابل رشک تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے بسا اوقات تو ہیرو کا کرب ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت میں ہم سب کا بھید پوشیدہ ہے اس کے حوالے سے ہم اپنے اپنے وجود کے تجربے سے اندر سر نو دو چار ہوتے ہیں۔

پروفیسر اپنی موجودگی کی صورت حال سے آگاہی چاہتا ہے، وہ بار بار سوال اٹھاتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ لایعنی کا ئنات میں کسی سوال کا جواب موجود نہیں۔ جواب سے محروم رہنا سوالوں کا مقدر ہے۔ وہ بے قدر اور مجرم ہے مگر نہیں جانتا کہ اس کا جرم کیا ہے اس سے باز پرس کرنے والا کون ہے۔ وہ کس کے رو برو جواب دہ ہے۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ پروفیسر کا جرم آزاد خیال ہونا ہے، خیر یہ بات

ہے تو اسے لغو قرار نہیں دیا جاسکتا یہ واقعی جرم ہے۔ مگر اس کے فکر و عمل میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اس الزام کا واحد جواز یہ پیش کیا گیا ہے کہ لباس کے معاملے میں لاپرواہی بالوں کی طوالت اور بے ترتیبی پائپ نوشی اور ریٹورانوں میں وقت کٹھنی کی عادت کو دیکھ کر کالج کے اندر اور باہر بعض لوگ مجھے سرخا کہتے تھے میں نے ابتدا میں وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ میں سرخا اور خا نہیں ہو لیکن اس وضاحت نے مجھے بعض کی نظروں میں اور زیادہ مشکوک بنا دیا تھا پھر بتدریج میں اس لقب سے بالکل لاتعلق ہو گیا۔“

ہمیں یہ وضاحت قبول کر لینا چاہیے مگر ناول میں پروفیسر کے جرائم کی ایک پوری فہرست موجود ہے، اول یہ کہ اس کی موجودگی ہی جرم ہے، وہ اس لئے بھی مجرم ہے کہ معاشرے نے اسے مردود قرار دیا ہے اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے وہ تنہائی میں ممنوعہ موضوعات پر غور و فکر کرتا ہے۔ انتخاب کی آزادی سے دست بردار نہیں ہوتا۔ احتجاج کرنے کا عادی ہے۔ بدترین جرم یہ ہے کہ وہ وضاحت کا طلبگار رہتا ہے۔ معنویت کا منتلاشی ہے۔ زندگی کے مقصد کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ اپنے تئیں سوال کرتا ہے۔ — سب کچھ مجھے مل جائے ثروت استحکام مرتبہ ناموری، کیا پھر بھی مجھے رنجیدہ نہ بنا ہوگا بہت معقول سوال ہے ان کے حصول کے بعد بھی رنجیدگی رہے تو پھر میرے مسائل اور ہیں اور میں جس چیز کی تلاش میں ہوں وہ کچھ اور ہے وضاحت! یعنی میں اپنے آپ میں اور ارد گرد کی اشیاء میں ایک منطقی ارتباط قائم کر سکوں — میں جو کچھ سوچتا ہوں، جو کچھ میرے ساتھ بیت رہا ہے اور جو کچھ میرے ارد گرد ہو رہا ہے ان میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔

اشیا کے مابین منطقی ربط اور وضاحت کی خواہش کے جرم ہونے میں شبہ نہیں کرنا چاہیئے اگر آپ اشیا میں منطقی ربط کے متلاشی ہیں تو پھر آپ انہیں معقول انداز میں ترتیب دینے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان کا دنیا کا وقوف پانا اسے انسان بنانے کے مترادف ہے ہمارے معاشرے میں بھلا اس سے بڑا جرم کیا ہو سکتا ہے۔

مفہوم اور وضاحت کی یافت خود سے ماورا ہوئے بغیر محال ہے۔ کامیونے لکھا تھا کہ لایعنیت وضاحت کی خواہش اور دنیا کے ناقابل فہم ہونے کے تضاد سے جنم لیتی ہے۔ انیس ناگی نے نیا زاویہ پیش کیا ہے۔ اس کے نزدیک لایعنیت کا منبع وضاحت کی طلب اور خود سے ماورا ہونے سے انکار کا باہمی تضاد ہے چنانچہ اس کا لایعنیت ہیرو خود ماورائیت کے امکان سے منکر ہے۔ وہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ دیوار کے پیچھے محض اس کا سایہ ہے اور انسان یعنی وجود یعنی دیوار یعنی حقیقت اس دیوار سے ماورا نہیں ہو سکتی۔ میں اپنے آپ سے ماورا نہیں ہوا اور میرے سامنے جو کچھ ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تجربی فلسفے کا یہ ادبی اظہار تجربیت اور لایعنیت میں قریبی تعلق کی نشاندہی کرتا ہے۔ وجودی ادبیوں اور دانشوروں نے اس سے ہمیشہ انکار کیا ہے۔ دیوار کے پیچھے میں بھی تجربیت کے ایک بزرگ بشپ برگلے پر نکلی چنی کی گئی ہے۔ تجربیت شخصیت کے داخلی مرکز کے وجود سے منکر ہے۔ لایعنیت کائنات کے مرکزی نقطہ کی موجودگی تسلیم نہیں کرتی اس طرح یہ دونوں رویہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں لایعنیت ہیرو کائنات میں انتشار دیکھتا ہے اور اسے چیزیں منطقی ربط سے محروم نظر آتی ہیں۔ تو اس کے باطن میں

صرف حیاتیاتی اصول کا رہنا ہوتا ہے۔ — اوہ میرے اندر نراج ہے مجھے روحانیت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کہتے ہیں شکتی انسان کے اندر ہوتی ہے۔ اس سونج میں ایک دفعہ میں نے اپنا ایکسرے کرایا تو میں اس کانگٹیو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسنے لگا کہ میرے اندر جسمانی آہ گنیز اور فضلے کی بڑی آنت کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے آخر خوفزدہ ہو کر روحانیت اور شکتی سے منہ موڑ لیا تھا۔

روحانیت کی جستجو فضلے کی بڑی آنت پر منتج ہو تو لایعنیت کے مطلق ہونے کے بارے میں تمام شبہات ختم ہو جاتے ہیں، مگر صورتحال کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے۔ لایعنیت ہیرو جس نظام میں زندگی بسر کرتا ہے وہ غیر معقول ہونے کے باوجود لایعنیت نہیں۔ تجربی رویہ نظام کی پیچیدہ میکانیت اور اس کے انسان دشمن محرکات کا وجود تسلیم کرنے سے گریزاں رہتا ہے لیکن ہم کبھی نہ کبھی ان کی موجودگی سے دوچار ہو ہی جاتے ہیں۔ — اب پہلی مرتبہ مجھے بخیرگی سے سوچنے کا موقع ملا ہے۔ اپنے بارے میں ان تمام قوتوں کے بارے میں جنہیں ابھی تک غیر سمجھتا رہا ہوں۔ کسی آنکھ کا محجب شیشہ کافی دیر سے میرا مشاہدہ کر رہا تھا میں کے وجود سے بے خبر تھا۔ مگر وہ میرے وجود سے باخبر تھا۔ میں نے بہت غفلت برتی ایک طرح کی شکایت کو زندگی کا کامیاب رویہ تصور کیا۔ مگر حقیقت نے مجھے اچانک آلیا ہے۔ اس استحصالی نظام میں جہاں محجب شیشے کے ذریعے ہم سب کا لگاتار مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ ہر آدمی کی انٹر وگیشن ضروری ہوتی ہے۔ تاہم چوہدری کا کہنا مان لیا جائے تو ہم سب کا ریکارڈ درست ہو سکتا ہے چوہدری بھی کٹھنٹی ہے۔ — اوہ پروفیسر میں اتنا ظالم نہیں جتنا تم سمجھتے ہو میں صرف حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں۔ مگر یہی مجبوری چوہدری کی نجات کا باعث ہے۔

لا یعنی ہیر و مصالحت نہیں کر سکتا کہ واپسی تمام راہیں مسدود ہیں۔ وہ خود اپنا کر رہا ہے۔ مصالحت کسی سے کرے؟ کس کے رو بہ رو اپنے جرم کا اعتراف کرے؟ خود کو کس قانون کے حوالے کرے؟

سارے تہ کے ہیر و کی طرح پروفیسر زندگی کے حق میں فیصلہ کرتا ہے۔ وہ مصالحت پر بھی آمادہ ہے۔ لیکن انیس ناگی اس فیصلے کی لغویت اجاگر کرنے سے نہیں چوکتا؟ اب میں مصالحت کر چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود میرا پیچھا نہیں پھوڑا جا رہا۔ مصالحت کے باوجود مجھے دھوکہ دیا گیا ہے۔ اب میں ہر تشدد کے لئے تیار ہوں۔ میں اب مفاہمت نہیں کروں گا۔ کیونکہ تم اور تمہارا نظام مجھے تحفظ نہیں دے سکا۔ پروفیسر پال گوگاں بھی نہیں بن سکتا معاشرتی وجود اور وجود مصدقہ میں سے کسی ایک کا انتخاب لا یعنی ہیر و کے بس کا روگ نہیں۔

انیس ناگی منفی نظام میں فرد واحد کی قربانی کو شو نزم قرار دیتا ہے۔ لیکن اس نظام میں لا یعینیت خود کشی کی طرف لے جاتی ہے۔

کامیو کے اجنبی کی طرح کا فکا کے بھی کتے کی طرح موت سے ہلکا ہوا تھا۔ آخری تجزیے میں دونوں نے موت خود منتخب کی تھی۔ مصالحت میں ناکامی کے بعد پروفیسر بھی خود کشی کی جانب گامزن ہوتا ہے۔ مگر اس دوران میں اس نے راز پالیا ہے اب وہ جانتا ہے کہ یہ زوال کا عہد ہے۔ ترقی کے قدم رک گئے ہیں۔ نئی دانش کی ضرورت ہے۔ جنون میں اس نے جو جانا ہے وہ فرزانگی میں نہیں جانا جاسکتا۔

اب وہ تینہ کرتا ہے کہ اگر میرے خلاف انیشیٹی کی پالی لی گئی تو میں ساری دنیا کا راز فاش کر دوں گا۔ مگر لا یعنی ہیر و جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں جانتا وہ انیسویں صدی کا راسکو لینکوف نہیں کہ منزاکے بعد

نجات پاسکے۔ یہ بیسویں صدی کا اواخر ہے۔ یہ انکار کا عہد ہے۔
 پروفیسر خود کشی کے حوالے سے زندگی کا مفہوم تلاش کرنا چاہتا ہے۔
 لیکن خود کشی لایعنیت کا حل نہیں۔ کیونکہ لایعنیت فرد کی وضاحت کی خواہش
 اور خود ماورائیت سے انکار کے تضاد سے جنم لیتی ہے خود کشی کا مطلب
 خود ماورائیت سے مطلق انکار ہے۔ اس لئے خود کشی اس تضاد کو حل
 کرنے کی بجائے اسے شدید تر کر دیتی ہے۔ بہر طور پروفیسر اپنے خاتمے
 میں کامیاب نہیں ہوتا اسے ایک بار پھر اپنے کمرے واپس بھیج دیا جاتا
 دیوار کے پیچھے کا انجام خود کشی کی بجائے لایعنیت ہیرد کے لاپتہ ہونے پر
 ہوتا ہے۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ اب وہ کہاں ہے۔ مگر اس کی تحریر کا آخری
 جملہ بہت معنی خیز ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ اس کی تحریر کے جملہ حقوق
 محفوظ ہیں۔ غالباً وہ خود بھی جملہ حقوق محفوظ والی دنیا میں چلا گیا ہے۔
 یعنی معاشی مفادات اور افادہ رشتوں کی دنیا میں۔
 یہ واقعی لاپتہ لوگوں کی دنیا ہے۔ جس میں کسی کی شناخت ممکن نہیں۔ جہاں
 وضاحت کی خواہش معدوم ہے اور ملکیت سے وجود کا تعین ہوتا ہے۔
 کیا یہ واپسی لایعنیت کا حل ہے۔؟ کیا یہ وہی وضاحت نہیں جس کی عدم
 موجودگی ہمیں لاشیبت اور لایعنیت کے درمیان کر دیتی ہے؟ یہ سوالات
 اس قدر اہم ہیں کہ قیاس آرائی ملتوی کر کے ہمیں انیس ناگی کے تخلیقی عمل
 کے آئندہ مرحلے کا انتظار کرنا چاہیے۔

انیس ناگی کی تکنیک نے اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور ساکھ دیا
 ہے۔ اس کا ناول تعجب انگیز حد تک فطری واقعات کے سلسلے پر مبنی ہے۔
 تمام کردار جانے پہچانے ہیں حالانکہ موضوع اور اسلوب دونوں حوالوں
 سے یہ ناول ہماری ادبی روایت میں ایک بے مثل تجربہ ہے۔ اعلیٰ مہارت

اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے ہوئے انپیس ناگی نے ناول کے مرکزی خیال کی ضرورت کے مطابق سیاٹ اور غیر شخصی اسلوب اپنایا ہے۔ اور فلسفہ طراندی کو تخیل کی بلند پروازی کی جگہ دی ہے۔ اس نے بیان کا منظر یاتی پیرایہ اختیار کیا ہے۔ سارتر کو ادبی تخلیقی میں منظر یاتی منہاج استعمال کرنے کے سلسلے میں شہرت ملی ہے۔ مگر ہمارے ناول نگار کو ایسی منہاج پر حیرت انگیز حد تک گرفت حاصل ہے۔ وہ اپنے مرکزی کردار کے لا واسطہ تجربے کے ٹھوس معطیات کو اس کی مصنوعی جذباتی کشمکش سمیت نہایت چابکدستی سے پیش کر دیتا ہے۔

کچھ ایسے ضمنی حقائق ہیں جو اس ناول کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ ناول ۱۹۷۰ء میں لکھا گیا مگر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ۱۹۷۰ء میں لایعنیت محض ایک فلسفیانہ نظریہ تھا۔ جسے زوال پذیر مغرب کی نئی بیماری قرار دے کر آسانی سے مسترد کیا جاسکتا تھا۔ اب یہی تجربہ ہمارا اجتماعی تجربہ بن چکا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ساتویں دھائی کے آغانہ میں پنجاب یونیورسٹی نیو کمپس کے سبز زاروں میں ہم چند دوست مل کر کامیو کے نظریات پر جوش و خروش سے بحث کیا کرتے تھے۔ تو یہ سب کچھ ٹھوس ہوتے ہوئے بھی مصنوعی لگا کرتا تھا، دل ہی دل میں ہم سمجھتے تھے کہ تیسری دنیا میں عہد و امید کا سورج طلوع ہو چکا ہے صدیوں سے دنیا جس مثالی انسان اور سماج کا خواب دیکھتی رہی ہے اس کی تعبیر ظاہر ہونے کو ہے۔ آزادی، مساوات، انصاف، انسان دوستی، رواداری، روشن خیالی اور ضمیر کی برتری ہمارے لئے ٹھوس اقدام تھیں، ہم ان میں یقین رکھتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جلد ہی دنیا بھر میں ان کی برتری قبول کر لی جائے گی اور اس انسان افرورہ

عمل میں تیسری دنیا کی نئی نسل کے نمائندوں کی حیثیت سے ہم نمایاں کردار ادا کریں گے۔ اس برس کے مختصر وقت نے ان تمام آدرشوں کو روند ڈالا ہے اب تو لایعنیت کا احساس اس قدر شدید ہے بے چارے وجودیت پرست بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ناول کے دیباچے میں انیس ناگی نے اپنے نام کے ساتھ ان کے شہر کا نام درج کیا ہے۔ بعد ازاں اس پر سلیپ لگا دی گئی ہے مگر اسے ہٹا کر آپ بھی اس شہر کا نام پڑھ سکتے ہیں اصل میں یہ وہی الجزائر می قصبہ ہے جس کے پس منظر میں کامیونے اپنا مشہور ناول LA PESTE لکھا تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ دیوار کے پیچھے کی اشاعت کے چند ماہ بعد انیس ناگی نے کامیونے کی کتاب LE MYTHE DE SISYPHE کا اردو ترجمہ سیسی فس کی کہانی کے عنوان سے شائع کروایا تھا یہ زمانی قرب بہت بامعنی ہے۔ کامیونے کے ناول "اجنبی" کی طرح یہ کتاب دیوار کے پیچھے کی فکر یا قیاس فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ اس ناول میں فرد کے جس وجودی بیان بحران اور کرب کا ادبی اظہار ملتا ہے سیسی فس کی کہانی میں اس کا نظریاتی استدلال پیش کیا گیا ہے۔ مگر یہ بات ایک حد تک ہی درست ہے۔ کیونکہ انیس ناگی نے لایعنیت کے نئے افق تلاش کئے ہیں۔ مغربی روایت کے مقابلے میں اس کے ہاں لایعنیت زیادہ مکمل اور فطری معلوم ہوتی ہے۔ کافکا کے ایک دوست نے تو اس کے مقدمہ کو مزاحیہ ناول قرار دیا تھا۔ کئی نقادوں نے اس کی مذہبی اور صوفیانہ توجیہات پیش کی ہیں۔ اس طرح کامیونے کو اخلاقی مبلغ بھی کہنا ممکن ہے لیکن انیس ناگی کو صرف لایعنیت کے حوالے سے ہی سمجھا جاسکتا ہے گویا وہ

حقیقی معنوں میں عدمیت کا پیغمبر اور لایعنیت کا گرو ہے۔
 یہ حقیقت پیش نظر رہی چاہیے کہ انیس ناگی نے دوستو فسکی کا فکا،
 آندرے شریڈ، فاکنر، سارتر، اور کامیو کی ادبی روایت کو پاکستان
 میں محض متعارف نہیں کروایا بلکہ خود اس روایت کو آگے بڑھایا ہے
 جیسے ڈاکٹر عبدالسلام نے آئن سٹائن کے نظریے کو ترقی دی ہے۔
 یورپ میں یہ روایت پانچویں دہائی میں زوال پذیر ہو گئی تھی۔
 کامیو کا انتقال ۱۹۶۰ء کے پہلے ہفتے میں ہوا۔ سارتر دوسری جنگ
 عظیم کے بعد مارکس کے گوشہ عافیت سے پناہ کا طلبگار رہا ہے
 یوں اس کا رشتہ وجودی ادب اور دانش سے ٹوٹ چکا تھا۔ دوسری
 طرف وجودیوں کی نئی نسل اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کے انہا میں ناکام رہی
 ہے۔ کولن ولسن کے بعد اس کی دلچسپیوں کا رخ بدل گیا ہے۔ اجتماعی
 تعمیر کے بعد از جنگ کی یورپی جدوجہد کی کامیابی اور سیاسی و معاشی استحکام
 نے اس تبدیلی کا رخ متعین کیا ہے۔

کیر کے گورے کے بعد سے وجودی فلسفہ ادبی عمل کے دوران پر حاصل
 ہونیوالی انسانی مقدر کے بارے میں بصیرت تخلیقی تحریک حاصل کرتا رہا
 ہے۔ ”دیوار کے چھپے“ نئے انسان کے وجودی کرب کا ایک تخلیقی بیان ہے۔
 اس لئے اگر ان قدر ادبی تخلیقی ہونے کے علاوہ فلسفے کے نئے امکانات سے
 بھی حاملہ ہے۔

قاضی جاوید

۱۹۸۱
لاہور

معیاری اور خوبصورت کتابیں

ناول ————— خوشیوں کا باغ

اداس نسبین
باگھ

انور سجاد
عبداللہ حسین
عبداللہ حسین

ناولٹ ————— جار ناولٹ

نشیب

قرۃ العین حیدر
عبداللہ حسین

افسانے ————— ستاروں سے آگے

قرۃ العین حیدر

مضامین ————— اقبال - ایک شاعر

وقت کی رائی
اقبال اور اس کا عہد
سہر چٹے
طرزیں

سلیم احمد
محمد حسن عسکری
جگن ناتھ آزاد
سہیل احمد
سہیل احمد

نفسیات ————— خیال کی طاقت - ایمل کوئے / ترجمہ: وارث سرمدی

ادیندر ناتھ اشک

تذکرہ ————— منٹو: میرادشمن

قرۃ العین حیدر

خاکے ————— پکچر گیدی

شاعری ————— آبِ رواں

رادار
رازوں سے بھرا بستہ
نہلمستان
روحِ انیس

ظفر اقبال
ساتی فاروقی
ساتی فاروقی
فراق گورکھپوری
میر انیس

قوسین